

تُو نے پار اُتارا

کہاں جانتے تھے

جو کہنا تھا

نگہت عبدُ اللہ

کر رکھا تھا اس نے اور کتنا انتظار تھا کہ کہیں سے تو کال آوے اور اب اس لفافے نے کتنی پہچل
مجاوی تھی۔ اماں اور بھائی جتنی مشتاق تھیں، اتنی ہی بیزار نظر آ رہی تھیں اور اگر پہلے مرحلے پر
اسے پتا نہ چل جاتا تو اس کی اپنی بھی یہی کیفیت ہوتی۔ بہر حال انٹرویو کی تاریخ دیکھ کر اس نے
کاغذ دو بار دلفافے میں ڈالا پھر اماں سے پوچھنے لگی۔

اماں۔۔۔ بھیا کو گئے ہو کتنے دن ہو گئے ہیں۔۔۔؟

دن۔۔۔؟ اماں نے تعجب سے اسے دیکھ کر کہا۔

پورے چھ مہینے ہو گئے ہیں۔

چھ مہینے۔۔۔؟ دو سوچ میں پڑ گئی اور اماں اپنے آپ بولنے لگیں۔

انتظار غیر ذمہ دار تھا تو نہیں۔۔۔ دیکھو باہر جا کر سب بھلا بیٹھا ہے۔ ایک خط خیریت کا نہیں

لکھا۔ اگلے مہینے خیریت نہیں لکھ لکھنے والی ہے اس کا بھی کوئی خیال نہیں۔

ہاں۔۔۔ بھائی بیچاری بہت پریشان ہیں۔

پریشانی کی بات نہیں ہے کیا۔۔۔؟ یہاں تو ہر دم اس کے آگے پیچھے پھرتا تھا اور اب۔۔۔

۔۔۔ بھائی کو آتے دیکھ کر اماں خاموش ہو گئیں اور دو روز رو رہی مسکرا کر بولی۔

آئیں بھائی۔۔۔۔۔ آپ کن کاموں میں الجھی ہوئی ہیں۔۔۔؟

بس دو چار برتن رکھے ہوئے وہی دھوری تھیں۔ تم بتاؤ۔۔۔ کس کا خط ہے۔۔۔؟ بھائی

پہلے سن چکی تھیں کہ عبید کا خط نہیں ہے اس لیے سرسری انداز میں پوچھا اور اس نے خوشی

اماں۔۔۔ اماں۔۔۔ ایک جگہ سے انٹرویو کال آ گئی۔ دو آگن ہی سے چلائی ہوئی اندر
آئی تو اس کے ہاتھ میں لفافہ دیکھ کر اماں نے اشتیاق سے پوچھا۔

عبید کا خط ہے کیا۔۔۔؟

اس کی خوشی پل میں غائب ہو گئی اور ذرا جواب بھی نہیں دے سکی۔ سر جھکا کر لفافہ الٹ
پلٹ کر دیکھنے لگی اور بھائی نے بچن ہی سے اس کے ہاتھ میں لفافہ دیکھ لیا تھا۔ وہ بھی کام چھوڑ کر
اس کے پیچھے چلی آئیں اور اب دروازے میں کھڑی اس کے جواب کا انتظار کر رہی تھیں۔

بتاؤ ناں۔۔۔ کس کا خط ہے۔۔۔؟ اماں نے حدودِ بیہوشی کا مظاہرہ کیا تو وہ گہری
سانس کھینچ کر بولی۔

بھیا کا نہیں ہے۔ بھائی اس کا جواب سنتے ہی واپس پلٹ گئیں اور اماں نے بیداری سے
پوچھا۔

پھر کس کا ہے۔۔۔؟

کسی کا نہیں ہے۔ ایک جگہ نوکری کی درخواست دی تھی انہوں نے انٹرویو کے لیے بلایا
ہے۔ اماں ہی کی طرح اس نے بھی بیداری سے جواب دیا اور لفافہ کھولنے لگی۔ کتنی جگہ اپائی

سے جواب دیا۔

انٹرویو لیٹر ہے۔۔۔ کل جانا ہے۔

تم جاب کرو گی۔۔۔؟ بھابی نے پونہی عام سے لہجے میں پوچھا اور وہ ذرا سانس کر بولی۔

کیوں۔۔۔؟ کیا میں جاب نہیں کر سکتی۔۔۔؟ حالانکہ یہ واقعی اس کیلئے بہت مشکل تھا کیونکہ وہ خاصی درپوک اور بزدل قسم کی لڑکی تھی اور بھابی نے بھی شاید اس لیے پوچھا تھا۔ جو اب وہ پونہی اور بھابی تو خاموش رہیں لیکن اماں بولی پڑیں۔

کیوں نہیں کر سکتی۔۔۔؟ ماشا اللہ پڑھی لکھی سمجھدار ہو۔ اگر وقت پر تعلیم کام نہ آ تو پھر کیا فائدہ ایسی تعلیم کا یوں بھی گھر میں بے کار بیٹھی رہتی ہو۔ وہ چپ چاپ سنتی رہی۔

پھر سارا دن وقفے وقفے سے اماں اس سیاسی باتیں کر کے اکتھو صلہ دیتی رہیں کیونکہ وہ اسے بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔ اسکول دکان میں بھی بڑی مشکل سے جاتی تھی۔ اگر اماں بخشنے نہ کرتیں تو شاید ابتدائی کلاسوں کے بعد ہی وہ گھر بیٹھ جاتی اور اس وقت اماں نے یہ تو نہیں سوچا تھا کہ اسے نوکری کرنی ہے۔ بس ان کی خواہش تھی کہ ان کے بچے خوب پڑھ لکھ جائیں۔

بڑے عید بھایا تھے۔ بی کام کرنے کے بعد ان کا اپنا ارادہ بھی مزید پڑھنے کا تھا لیکن اب ان کے انتقال کے باعث انہیں تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا اور انہوں نے جاب کر لی۔ اس وقت وہ انٹر میں تھی اور اسے پڑھنے کا شوق تو تھا لیکن وہ اب ہر نکلنے سے بہت گھبراتی تھی۔ اس کی بھی وجہ تھی۔

بہت چھوٹی سی تھی غالباً پانچ چھ سال کی۔ ایک روز کہتے ہو گھر سے کچھ دور نکل گئی۔ کھیل کے دوران تو احساس نہیں ہوا لیکن جب سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تب اسے اپنا گھر کھیل نظر نہیں آیا۔ ایک ہی جھسی گھٹیاں تھیں۔ وہ ادھر سیادھر بھٹکتی پھری جب تھک گئی تو رون لگی۔ ایک آدمی نے قریب آ کر رونے کا سبب پوچھا پھر بھلایا کہ وہ اسے اس کے گھر پہنچا دے گا اور پھر بھالے گھر پہنچانے کے گود میں اٹھا کر کسی اور سی راستے پر چل نکلا۔ یقیناً وہ درودہ فروش تھا۔ وہ تو ان کی قسمت اچھی تھی کہ مکے کسی آدمی نے نہ دیکھ لیا اور کیونکہ وہ درودہ فروش بھی مکے ہی سے کچھ مشکوک لگ رہا تھا اس لیے مکے کا آدمی اسے نظر انداز نہیں کر سکا۔ اسے روک کر پوچھا کہ بچی کہاں لے جا رہے ہو اور وہ اس قدر گھبرایا کہ اسے پھینک کر بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

پھر وہ گھر پہنچ گئی تھی لیکن جس طرح وہ ماجرا سن کر اماں نے اسے ڈرایا دیکھا تو اس وقت سے اس کے اندر ایک خوف بیٹھ گیا تھا۔ جسے بعد میں خود اماں بھی نہیں نکال سکیں۔ ابھی تک راستہ چلتے ہوئے یوں لگتا تھا جیسے ہر شخص اس کے تعاقب میں ا رہا ہو۔ اسکول میں میٹرک تک اب خود اسے چھوڑ کر آتے تھے اور واپسی میں بھیلے کر آتے۔ اس کے بعد اب انے ایک نئے علاقے میں اپنا گھر خرید لیا۔ یوں وہ پرانا محلہ چھوٹ گیا اور نئی جگہ سے ایک دو لڑکیاں کالج جانے والی مل گئیں تو وہ ان کے ساتھ آنے جانے لگی۔ کسی دن وہ لڑکیاں زہرا اور شبنم چھٹی کر لیتیں تو اس کی بھی چھٹی ہو جاتی تھی۔ اماں لاکھ ڈانٹیں کہ آخر تک دوسرے کے سہارے چلو گی۔۔۔؟ لیکن اس کا ایک ہی جواب ہوتا۔ بس میں اکیلے نہیں جا سکتی۔

پھر ابا کے انتقال کے بعد جہاں بھیا کی پڑھائی چھوٹ گئی وہاں اس نے بھی سوچا تھا کہ گھر بیٹھ جائیں اللہ کی مہربانی سے بھیا کو جلد ہی نوکری مل گئی اور اماں نے اسے گھر نہیں بھیجے دیا۔ بی اے کروا کے دم لیا اور ابھی وہ بی اے سے فارغ ہوئی تھی کہ اماں کو بھیا کی شادی کرنی پڑی۔ حالانکہ ان کا خیال پہلے اس کی شادی کرنے کا تھا لیکن نبیلہ جو اماں کی بھانجی تھی، پانچ سال کی عمر میں اس کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا اور کچھ ہی عرصے بعد اس کے ابا نے دوسری شادی بھی کر لی۔ دوسری ماں رواجی سوتیلی ماں ثابت ہوئی۔ اس وقت اماں نے چاہا تھا کہ نبیلہ کو اپنے پاس لے آئیں لیکن اس کے ابا نے منع کر دیا تھا اور ظاہر ہے اماں زبردستی تو کر نہیں سکتی تھیں لیکن اسی وقت انہوں نے سوچ لیا تھا کہ نبیلہ کو بھوپنا کر لے آئیں گی اور گوکہ ابھی اس کا وقت تو نہیں آیا تھا کیونکہ وہ پہلے اپنی بیٹی سے فارغ ہونا چاہتی تھیں لیکن ایک روز نبیلہ خود ہی چلی آئی اور اس نے زور دکر اماں کو بتایا کہ اس کی ماں ایک بڑھے سے اس کی شادی کر رہی ہے۔ تب اماں کو اور تو کچھ نہیں سوچا اسی وقت محلے کے چند لوگوں کو بلا کر عبید اور نبیلہ کا نکاح کر دیا۔ بعد میں نبیلہ کے اماں ابالینے آ لیکن اس وقت ان کا بس نہیں چلا۔ کیونکہ لڑکی اپنی مرضی سے شوہر کو بیاری ہو چکی تھی اور یہ کوئی سال بھر پہلے کی بات تھی۔ اس وقت عبید بھیا باہر جانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے اور وہ ہرگز شادی کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ ابھی بیوی بچے افورڈ نہیں کر سکتے پہلے باہر جائیں گے۔ دو تین سال کے بعد یہاں آ کر اپنا کاروبار کریں گی اس کے بعد پہلے بہن کو رخصت کریں گے پھر اپنی شادی کا سوچیں گے۔ لیکن

وہی بات کہ تقدیر کے سامنے انسان بے بس ہے خواہ کچھ بھی سوچ لے ہوتا وہی ہے جو اوپر والے نے لکھ دیا۔

پہلے ابا کے انتقال کے باعث تعلیم چھوٹی اور اب اماں نے شادی کی زنجیر پہنادی۔ لیکن یہ بھی ہے کہ ہر بار انسان مجبور ہو کر بیٹھ نہیں جاتا۔ عبید بھیا جو شادی کے حق میں نہیں تھے، نبیلہ کو پا کر گویا انہیں اپنی منزل مل گئی۔ ابتدائی دو مہینے تو وہ بڑے خوش اور گن تھے پھر جب نبیلہ امید سے ہوئی تو غالباً بنی ذمہ داری کو سونپتے ہو انہیں وسائل کم لگنے لگے اور وہ ایک بار پھر باہر جانے کی ننگ دو میں لگ گئے۔ گوکہ اب اماں نہیں چاہتی تھیں کہ وہ باہر جائیں اور نبیلہ کا زور دکر برا حال تھا لیکن ان پر دھن سوار ہو چکی تھی۔ اماں کے سامنے اپنی ذمہ داریاں گنوائے اور نبیلہ کو بہلاتے۔ تمہاری گزشتہ زندگی میرے سامنے ہے۔ کبھی کوئی سکھ نہیں دیکھا تم نے۔ اب میں تمہیں اچھی اور آسودہ زندگی دینا چاہتا ہوں۔ دو تین سال کی بات ہے گورتے پتا بھی نہیں چسے گا اور نبیلہ جسے ایک عمر کے بعد محبت ملی تھی، وہ ہرگز بھی اس میں دو تین سالوں کا وقفہ نہیں چاہتی تھی اور عبید پر اگر اتنی گریہ و زاری کا اثر ہوا بھی تب بھی انہوں نے اپنا جانے کا ارادہ منوی نہیں کیا۔ باہر بھیجنے والی مختلف کمپنیوں کے چکر لگاتے رہے لیکن وہ سب جتنا پیسہ مانگتی تھیں وہ ان کے پاس نہیں تھا۔ پھر ایک ایجنٹ سے ملاقات ہوئی جس نے کمپنیوں کی نسبت کم پیسہ مانگا لیکن آگے ملازمت کی ذمہ داری نہیں لی اور انہوں نے سوچا بس ایک بار باہر نکل جائیں گے آگے ملازمت وہ خود تلاش کر لیں گے۔ یوں سب کو اچھے دنوں کی آس دلا کر وہ

رفعت ہو گئے۔

اور جب تک انہیں روکنا احتیاء میں تھا اماں اور نبیلہ نے ہر حربہ استعمال کیا لیکن جب وہ چلے گئے تو پھر ظاہر ہے وہی آس کی ڈوری ہی رہ جاتی تھی جو وہ چٹھا گئے تھے اور آنکھیں بھی وہی خواب دیکھنے لگیں جن کی جھلک وہ دکھا گئے تھے۔

انہوں نے بتایا تھا کہ یہاں سے سنگاپور اور وہاں سے جانے کس راستے سے وہ ملائیشیا جائیں گے اور اسی حساب سے دسویں دن سے اماں نے خط کا انتظار شروع کر دیا اور نبیلہ تو جہاں دروازے پر آہٹ ہوتی بھاگی جاتی لیکن پتا نہیں کیا بات تھی کہ چھ مہینے ہو گئے تھے اور ابھی تک خبریت سے پہنچنے کا خط بھی نہیں آیا تھا۔ تشویش کی بات تو تھی۔ سواندیشے اٹھتے، ڈراتے لیکن کوئی کیا کر سکتا تھا۔۔۔؟ ان کی فکر۔۔۔ پھر یہاں گھر میں ایک وہی کانے والے تھے۔

الاکھ کریں ہوں پیٹ تو روٹی مانگتا ہے۔ یوں ان کے جانے کے دو مہینے بعد ہی اماں کو زیادہ گھر کی فکر مٹانے لگی۔ اگر وہ خود سلائی کر کھاتی میں ماہر ہوتیں تو بہت خاموشی سے مشین سنہال لیتیں۔ انہیں سلائی آتی تو تھی لیکن وہی گزارے والی بات تھی کہ اپنے کپڑے خود ہی سیلے۔ بہر حال بہت سوچنے کے بعد وہ اس نیچے پر پہنچیں کہ آخر بریجہ کی تعلیم کن دن کام آگئی لیکن اس کے ساتھ وہی مسئلہ تھا کہ وہ گھر سے نکلتے ہو ڈوری تھی۔ پہلے وہ یہی کہتی رہی کہ نوکری کرنا اس کے بس سے باہر ہے۔ لیکن پھر گھر کے حالات کو دیکھتے ہو اسے خود میں قہوڑی

بہت پیدا کرنی پڑی۔ ظاہر ہے اور کون تھا۔ گزشتہ دو مہینوں سے وہ کتنی جاکبوں پر درخواستیں دے چکی تھی اور آج پہلی بار انٹرویو کا آئی تھی تو جہاں وہ خوش تھی وہاں اس کا ڈر بھی ساتھ ساتھ تھا۔ اماں کے سامنے تو اس نے کچھ نہیں کہا البتہ رات میں جب کپڑے استری کرنے کھڑی ہوئی تو دبے لفظوں میں نبیلہ سے کہنے لگی۔

بھابی۔۔۔ میں جاؤں گی کیسے۔۔۔؟ نبیلہ اپنا ستر صاف کرنے میں لگی تھی، سبھی نہیں وہ کس حساب سے کہہ رہی ہے جب ہی وہ آرام سے بولی۔

بس سے۔۔۔۔۔
افو۔۔۔۔۔ بس سے تو جاؤں گی لیک۔ اکیلی کیسے۔۔۔؟
ہائیں۔۔۔۔۔؟ نبیلہ کمر پر ہاتھ رکھ کر سیدھی کھڑی ہوئی پھر اسے دیکھ کر ہنسنے لگی۔

ہنسنے کی نہیں ہو رہی۔ وہ پیٹھ منوڑ کر جلدی جلدی استری کرنے لگی۔
تم نے بات ہی ایسی کی کہ نفی آگئی اور نہ کس کم بخت کا ہنسنے کو دل چاہتا ہے۔ نبیلہ اپنی جگہ پر لیٹے ہو بولی اور قدرے توقف کے بعد پھر کہنے لگی۔

واقعی۔۔۔۔۔ تم پر غلم ہے اور عبید کو معلوم بھی تھا کہ اس گھر میں لاسٹن سے تینوں عورتیں کچھ نہیں کر سکتیں پھر بھی اس طرح چھوڑ کر چلے گئے۔

میرا خیال ہے بھیا گئے ہی اسی لیے ہیں کہ ہم کچھ کرنا سیکھ جائیں۔ نبیلہ کے لہجے کا تاسف محسوس کر کے اس نے بلکے پھلکے انداز میں کہا۔

نہیں ربیعہ۔۔۔ یہ تو خنز کو بہلانے والی بات ہے۔

اچھا چھوڑیں یہ بتائیں۔۔۔ آپ کے خیال میں مجھے نوکری مل جاگی۔۔۔؟ اس نے خوبصورتی سے موضوع بدلا۔

میں کیا کہہ سکتی ہوں۔۔۔؟ ویسے تمہارا اپنا کیا خیال ہے۔۔۔؟

کیوں۔۔۔؟

اس لیے کہ وہاں اور بھی لڑکیاں ہوں گی اور ظاہر ہے میں جب ڈھنگ سے بات ہی نہیں کر سکوں گی تو۔۔۔ اس نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

بیوقوف ہو تم۔۔۔ خواہ تو او ڈرتی ہو بس ذرا سا اپنے اندر اعتماد پیدا کر لو پھر تمہاری طرح کوئی بول نہیں سکتا۔ نیلہ نے اس کی ہمت بندھائی۔

کچھ کہہ رہی ہیں۔۔۔؟

بالکل کچھ۔۔۔

بس تو کل میری نوکری چکی۔ وہ کہتے ہوا اپنی جگہ پر اُلٹی۔

☆

ہوں۔۔۔ کتنی دیر بعد ہوں کی صورت میں گہری سانس کھینچی پھر اسے مخاطب کیا گیا۔

مس ربیعہ۔۔۔ وہ خود پر قاپو پانے میں بری طرح کام ہو رہی تھی۔ بڑی مشکل سے جی

کی آواز نکال سکی۔

وہ مطلوبہ ایڈریس پہنچ گئی تھی لیکن جو اس کی حالت تھی یہ وہی جانتی تھی۔ ہاتھ پر ہنسنے

آپ پلیز۔۔۔ وہاں تشریف رکھیں، میں ابھی آپ سمیات کرتا ہوں۔ اس نے اشارے کی سمت بائیں طرف دیکھا پھر اٹھ کر وہیں آ بیٹھ۔ عجیب سی الجھن، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا یہاں کیوں بٹھا گیا ہے۔۔۔؟ اور مزید کیا بات کرنی ہے۔۔۔؟ جبکہ دوسری لڑکیاں تو سوال جواب کے بعد باہر جاری تھیں۔ وہ بیدھنی میں اس شخص کو دیکھنے لگی۔ اچھا خاصا صوفی عمر، کنپٹیوں پر بال سفید البتہ چہرے پر نظرات کی لکیریں نہیں تھیں۔ پھر جس شائستگی سے وہ لڑکیوں سمیات کر رہا تھا، اس سے دھیرے دھیرے اس کے اندر کا خوف کم ہونے لگا۔ جب تمام لڑکیوں کے انٹرویو ہو چکے تب پھر اسکی باری آئی۔

آئیے بی بی۔۔۔ یہاں آ جائیے۔ اور اس بار وہ قدرے سہولت سے اٹھ کر ان کے سامنے آ بیٹھی تو انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔

یہ بتائیے یہاں آتے ہو آپ اتنا ڈر کیوں رہی تھیں۔۔۔؟

اب تو نہیں ڈر رہی۔ وہ جتنی بیسناکنگی سے بولی اتنا ہی بیساختہ ان کا تہتہ تھا۔ ویری گڈ۔۔۔ کچھ دیر تک اسی انداز میں اثبات میں سر ہلاتے رہے پھر شبیدہ ہو کر کہنے لگے۔

ایسا ہے بی بی۔۔۔ کہ جس جاب کیلئے آپ نے اچائی کیا ہے اس کے لیے آپ بالکل سوٹ نہیں کرتیں۔ مجھے بہت ایکسٹروا کی جاتی ہے۔

جی۔۔۔؟ اس نے باہویں سے سر جھکا لیا تو قدرے توقف سے کہنے لگے۔

آپ وٹس ایک اور جواب آفر کر سکتا ہوں لیکن شاید اس کیلئے آپ راضی نہ ہوں۔۔۔؟ اس نے فوراً سر اٹھا کر یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔ آپ بتائیں تو سہی۔ اور اس کے اس انداز سے وہ سمجھ گئے کہ وہ واقعی ضرورت مند ہے۔ اچھی مخلوق کے عوض ان کی آفر قبول کرے گی اور کیونکہ پہلے سے ان کے ذہن میں باقاعدہ کوئی پلان نہیں تھا۔ بس ابھی اسے دیکھ کر ہی ایک خیال آیا تھا۔ جب ہی انہوں نے فوراً کچھ کہنے سے گریز کیا اور انٹرکام پر چا کا کہہ کر کمرے سے نکل گئے تو اس شبہت ڈھیلے ڈھالے انداز میں سر کرتی کی پشت سے لگا دیا اور خود ہی سوچنے لگی۔

(چنانچہ کیا کام ہے۔۔۔؟ جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ میں راضی نہیں ہوں گی)۔

کچھ دیر بعد دروازے پر آہٹ سن کر وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ ان کے پیچھے چڑا سی چالے آ رہا تھا۔ وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی تو وہ چا کی طرف اشارہ کر کے بولے۔

پلیز۔۔۔ اس نے خاموشی سے کپ اپنی طرف کھسکا لیا اور ایک دوسپ لینے کے بعد انہیں دیکھا تو وہ پھر اسی پر سوچ انداز میں اس پر نظریں جما بیٹھے تھے۔ اس کے دیکھنے پر کہنے لگے۔

بان بی بی۔۔۔ پہلے تو میں یہ کہوں گا کہ اس وقت میں جو کہنے جا رہا ہوں وہ بات صرف

آپ کے اور میرے درمیان رہے گی خواہ آپ انگری کریں یا نہ کریں۔۔۔ اوکے۔۔۔؟ اس

نے ذرا سنا اٹھاتے میں سر بلا دیا۔ جبکہ اس کا دل اندر ہی اندر بیٹھنے لگا تھا کہ پتا نہیں ایسی کیا بات ہے۔۔۔ اور قدرے توقف سے وہ کہنے لگے۔

میرا ایک بیٹا ہے۔ سال بھر پہلے تک وہ بہت خوبصورت نوجوان تھا۔ ویل ایجوکیٹڈ اینڈ ویل ایٹی کیڈ۔ اپنے تھے میں بے حد مقبول مرا خیال ہے۔ آپ سمجھ سکتی ہیں کہ ایک بڑے خاندان کا لڑکا جو خوبصورت بھی ہو، تعلیم یافتہ بھی ہو اور دولت مند بھی کس طرح لوگ اسے سراہتے ہوں گے۔ لہذا مختصر میں آپ کو بتاتا ہوں کہ سال بھر پہلے وہ اپنے کسی دوست کی لیبارٹری میں اس کے ساتھ کھڑا تھا کہ وہاں اس کے ساتھ ایک حادثہ ہو گیا۔ کسی کیمیکل کی تیاری کے دوران بوتل پھٹ گئی اور میرا بیٹا جو قریب ہی کھڑا تھا۔ سارا کیمیکل اڑ کر اس کے چہرے کو بری طرح جھلسا گیا۔ پھر گوکہ علاج سے وہ ٹھیک تو ہو گیا لیکن اس کے چہرے کی ہیئت ہی بدل گئی۔ مجھے یہ کہتے ہو دکھ ہوتا ہے کہ عام آدمی اسے دیکھ کر اڑ کر ڈرتا نہیں تو مندر ضرور پھیر لیتا ہے۔

وہ گہری سانس لے کر کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے یوں جیسے بیٹے کا دکھ رگ رگ میں سرایت کر رہا ہو۔ وہ اسی خاموشی سے ان پر نظریں جمائی بیٹھی رہی جبکہ اندر دل کی رفتار اور دم بدم ہو جا رہی تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے بچپن میں کہانی کے دوران اچانک خوفناک جن کی آمد پر اس کی کیفیت ہوتی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ بھر گیا ہو۔

وہ جو بہت مقبول تھا لوگ اس سے محبت بلکہ جان دینے کے دعوے کرتے تھے، وہ سب

اس سے دور ہو گئے اور دوستوں کی بے اختتامیوں نے اسے بری طرح توڑ کر رکھ دیا ہے اور بات صرف دوستوں کی نہیں عام آدمی بھی اسید کچھ کر مزہ موزیلتا ہے۔ اپنے لیے لوگوں کا یہ رویہ دیکھ کر وہ اتنا دلہداشتہ ہوا کہ خود کو اپنے کمرے تک محدود کر لیا۔ ابھی بھی وہ کہیں آتا جاتا نہیں ہے۔ نہ ہی گھر میں کسی کی آمد پسند کرتا ہے عجیب بدمزاج سا ہو گیا ہے۔ اکھڑا اکھڑا اپنی آپ سے اور ساری دنیا سے خفا سا لگتا ہے۔ حالانکہ سر جری سے اس کا چہرہ ٹھیک ہو سکتا تھا لیکن وہ اس پر تیار نہیں ہوتا۔

وہ یوں بول رہے تھے جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہے ہوں اور اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ سب اسے کیوں بتا رہے ہیں۔۔۔؟ ابھی وہ خود سے قیاس کرنے لگی تھی کہ وہ کہنے لگے۔

اس کی گنجائش کے خیال سے میں نے سنی کو اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ سنی میرا نواسہ ہے، چھ سال کا چھوٹا بچہ اور میرا بیٹا اس کے ساتھ قدرے خوش رہتا ہے۔

ایکس کیوزی سر۔۔۔ وہ بے حد الجھن محسوس کر رہی تھی۔ بلا خرہ بول پڑی۔

میری جاب کیا ہے۔۔۔؟
آپ کو میرے ٹیکس جانا ہے اور آغا کو دیکھ کر نہ توڑنا ہے اور نہ منہ مڑنا ہے بلکہ اپنے رویے سے آپ کو اسے یقین دلانا ہے کہ وہ قابل نفرت نہیں ہے۔

جی۔۔۔؟ وہ کچھ سمجھی کچھ نہیں سمجھی اور وہ اس سے خیال سے کہ کہیں وہ صاف انکار نہ

کر دے، کہنے لگے۔

یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے۔۔۔ پھر آپ کو جاب کرنی ہے اور یہی آپ کی جاب ہے۔

جاب۔۔۔؟ وہ پریشان ہو گئی۔ بھلا یہ کیا جاب ہوئی۔۔۔؟ اور وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہے شاید اپنی بات ٹھیک طرح سے سمجھا نہیں سکے تھے اسی خیال کے تحت کہنے لگے۔

دیکھیں بی بی۔۔۔ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ آپ کو کہیں اور جاب نہیں ملے گی لیکن بہت مشکل ملے گی۔ اس لیے کہ ایک تو آپ سہیل گروپ میں ہیں، دوسرے آپ کے پاس تجربہ

نہیں۔۔۔ پھر نہ کوئی کورس کیا ہے آپ نے۔۔۔ تو اس حساب سے کوئی پرائیوٹ اسکول سی آپ کو پھر رکھ سکتا ہے اور میں سمجھتا ہوں پرائیوٹ اسکول کی جاب سے جاب لیس ہونا بہتر ہے

جس سے ایک اکیلے انسان کی ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں۔ خیر یہ الگ بات ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہوں گا کہ اس جاب سے آپ نہ صرف کچھ سکھیں گی بلکہ تجربے کا شوقیت بھی

آپ کے پاس آ جاگا۔

ایکس کیوزی سر۔۔۔ میں آپ کی بات بالکل نہیں سمجھ رہی۔ بھلا آپ کے گھر آنے جانے میں کیا سیکھوں گی۔۔۔؟ اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا تو انہیں قدرے اطمینان

ہوا کہ اس نے صاف انکار نہیں کیا۔ گہری سانس کھینچ کر بولے۔

بی بی۔۔۔ آفس ٹائم صبح نو سے شام پانچ بجے تک ہے اور یہ سارا وقت آپ کو میرے گھر

نہیں رہنا۔ آپ صبح آفس آئیں گی۔ یہاں میں کسی بھی شے میں بطور سیکر آپ کو لگا دوں گا خود اپنا ڈیوٹی خوار کیسپوٹر آپریٹ کرنا جو بھی شعبہ آپ کو مناسب لگے۔ آپ بڑے آرام سے سکھ

سکتی ہیں۔ پھر اول تو ہیں آپ کی جاب کبھی ہو جائے گی اور جانے کی ضرورت نہیں یا پھر آپ کی مرضی۔۔۔ بہر حال اس تمام وقت میں سے آپ کو ایک ڈیڑھ گھنٹہ کیلئے گھر جانا ہوگا۔

اب وہ ان کی پوری بات سمجھ گئی تھی اور پروجے انداز میں ذرا سارے بلایا لیکن ہامی نہیں بھری بلکہ خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔۔۔ اور اسے شش و پنج میں دیکھ کر وہ

کہنے لگے۔

میں آپ کو مجبور نہیں کر رہا۔ آپ اچھی طرح سوچ لیں۔ اگر دل مانے تو کل آ جائیے گا میں آپ کو باقی تفصیل سمجھا دوں گا۔

جی۔۔۔ اس نے اچانک خود کو آنا محسوس کیا اور فوراً جانے کی اجازت چاہی۔ پھر باہر آ کر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا بلکہ یوں تیز قدم اٹھانے لگی جیسے جلد سے جلد یہاں سے دور

چلی جانا چاہتی ہو۔ عجیب سی وحشت سوار ہو گئی تھی اس پر اور خوف الگ کہ کہیں وہ اس کے تعاقب میں تو نہیں آ رہے۔



تھیں اماں کی باتوں کا برا نہیں مانتے چاہیے۔ ایک تو عید کی فکر۔۔ دوسرے گھر کی پریشانی۔۔۔

ہاں۔۔ ایک وہی تو جیسے پریشان ہیں ہمیں تو کوئی فکر نہیں۔۔ وہ ننگی سے بولی تو نبیلہ اسے سمجھاتے ہو کہنے لگی۔

پریشانی تو بیک ہم سب کی ہے پھر بھی ہمیں نہیں حوصلہ دینا چاہیے۔ انہیں غصہ اس بات پر نہیں آیا کہ تمہیں نوکری نہیں ملی بلکہ تمہارے مایوس ہونے پر وہ خفا ہوئی ہیں اور میں بھی یہی کہوں گی کہ اتنی جلدی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ قدرے توقف کے بعد کہنے لگی۔

ایک تو مجھ سے اب زیادہ ویر بیٹھا نہیں جاتا۔ خیر ڈیلیوری کے بعد میں کچھ کروں گی۔ آپ کیا کریں گی۔۔ اس نے چونک کر پوچھا۔

سوائی سی کروں گی۔ اگر قسمت میں اسی طرح لکھا ہے تو یونہی سہی، عید تو پتا نہیں۔۔۔

نبیلہ کی آنکھیں اچانک آنسوؤں سے بھر گئیں۔ آواز ساتھ چھوڑ گئی تو وہ جلدی سے اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

رونا نہیں بھابی۔۔۔ بھیا اگر بدل گئے ہیں تو غم نہیں کریں۔ دیکھیے گا ایک دن کتنا بچھتا نہیں گئے۔ اور اس ایک لمحے میں وہ فیصلہ کر کے بولی۔

اور اب آپ کو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے حاب مل گئی ہے۔

کیا۔۔؟ نبیلہ نے غصے سے دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

گھر میں داخل ہوئی تو پر جان میں جان آئی اور فوراً سوچ لیا کہ دوبارہ وہاں نہیں جاگی۔ کیا ہوا۔؟ اماں نے اسے دیکھتے ہی پوچھا تو وہ کندھے سے بیگ اتار کر ایک طرف اچھالتے ہو بولی۔

سانس تو لینے دیں۔ پر گرنے کے انداز میں پٹنگ پر تقریباً آدھی لیٹ گئی اور لمبے لمبے سانس لیتے ہو بولی۔

نوکری اتنی آسانی سے نہیں ملتی۔ چنانچہ قسمت میں کتنی خوار کی لکھی ہے۔

لو۔۔ ابھی تو آج پہلی بار گئی ہو اور ابھی لیے قسمت کو کوکس رہی ہو۔ اماں نے ناگواری سے نوکا پھر کہنے لگیں۔

مجھے پتا ہے نوکری آسانی سے نہیں ملتی لیکن انسان کوشش تو کرتا ہے۔ کھر بیٹھے تو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

لو پانی پیو۔۔۔ نبیلہ اس کی آواز سن چکی تھی، پانی لیے اندر چلی آئی تو اماں بگڑ گئیں۔

تم اور سر چڑھاؤ۔۔۔ کوئی ایسا تیر مار کر نہیں آ رہی۔

آپ تو خواہ تو وہ میرے پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ اب اگر نوکری نہیں ملی تو اس میں میرا کیا قصور۔۔؟ ہاں نہیں تو۔۔۔ وہ نبیلہ کے باہت سمجھا اس لیے ہو وہاں ساٹھ کروڑ دوسرے

کمر نہیں آگئی اور اسی طرح ہر بڑا ترقی رہی۔ کچھ دیر بعد نبیلہ اس کے پاس آ کر چپ چاپ بیٹھ گئی۔ جب اس کا بڑا بڑا ختم ہوا تب کہنے لگی۔

ہو جھجک گئی سی۔

ہاں ہاں کہیے۔۔ انہوں نے حوصلہ دیا تو کہنے لگی۔

دوسرے۔۔ آپ کے گھر میں میرا تعارف کیا ہوگا۔۔؟

آپ سنی کی ٹیوٹر بن کر جائیں گی۔ میں اپنی مسز کو فون کر دوں گا کہ سنی کیلینڈر پر بھیج رہا

ہوں۔۔۔ اور کوئی بات۔۔۔؟

نوسر۔۔ وہ کہتے ہواٹھنے لگی کہ انہوں نے روکا۔

ایک منٹ۔۔۔ پھر دروازے میں سے ایک غافلہ نکال کر اس کی سامنے رکھتے ہو ہوئے۔

اس میں میرے بیٹے کی حالیہ تصویر ہے، اچھی طرح دیکھ لیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے

اچانک سامنے سے دیکھ کر دوسرے لوگوں کی طرح آپ بھی ہلا کر ادھی سہی منہ موڑ لیں۔

جی۔۔؟ پتا نہیں کیوں اسکا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور ان کے سامنے تصویر دیکھنے کی

ہمت نہیں ہوئی کہ کہیں اس کی کوئی غیر اختیاری حرکت ان کے لیے دکھ کا باعث بنے یا انہیں

ناگوار گزرے۔ اسی خیال کے تحت اس نے غافلہ اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ پھر پوچھنے لگی۔

مس یاسمین کہاں بیٹھی ہیں۔۔؟

میں انہیں بلاتا ہوں۔ انہوں نے انتظار کام پر مس یاسمین بلایا اور اس کے آنے پر اس کے

تعارف کے ساتھ بتایا کہ وہ اس کے پاس بیٹھنے گی۔ پھر وہ یاسمین کے ساتھ ہی ان کے کمرے

سے نکل آئی۔

میں سچ کہہ رہی ہوں۔ اس کو تو میں یونہی تنگ کر رہی تھی۔ مجھے کل ہی سے جا مانے۔

توجاؤ۔۔۔ پہلے اماں کو بتاؤ۔

آپ بتاویں مجھے تو وہ ڈانٹیں گی۔ وہ بلیہ کو بھیج کر خود لٹ گئی اور نئے سرے سے ساری

باتیں سوچنے لگی تو اب اس کے ذہن میں کتنے سوال اٹھنے لگے تھے۔



وہ ایک بار پھر انگلیاں مٹے بیٹھی تھی اور انہیں جیسے اس کے آنے کا یقین تھا جب ہی نہ

چوکنے نہ حیرت کا اظہار کیا۔ اس کے برعکس بڑے آرام سے پوچھنے لگے۔

ہاں بوس ربیعہ۔۔۔ آپ نے اپنے لیے کس شے کا انتخاب کیا۔۔۔؟

اور وہ کل سے سارا وقت جا ب کے بارے میں سوچتی رہی تھی لیکن اس طرف دھیان ہی

نہیں گیا تھا۔ جب ہی بیوقوفوں کی طرح دیکھنے لگی۔ تب وہ خود ہی کہنے لگے۔

میرا خیال ہے آپ کیلئے کمپیوٹر ٹھیک رہے گا۔ جلد ہی سکھ جائیں گی۔ میرے پاس

یاسمین کا مہر کر رہی ہیں۔ آپ ان کے پاس بیٹھ جائیں۔ پھر تین ساڑھے تین بجے میرے گھر

چلی جائیں گے۔

لیکن۔۔۔ اب جب یہ طے ہو گیا تھا کہ وہ ان کی ملازم ہے تو کچھ پوچھتے

نہیں۔۔۔ میرے گھر میں اپنے افراد نہیں ہیں۔

خوش قسمت ہو۔۔۔ کتنے آرام سے اس نے اسے خوش قسمت قرار دے دیا اور اس بار وہ ذرا ہنس کر رہ گئی۔

پھر جب تین بجے وہ آفس سے نکلی تو ڈرائیور گاڑی لیے موجود تھا۔ اسے دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا۔ وہ بیٹھ گئی اور جیسے ہی گاڑی چلی اس نے بیگ میں سے تصویر والا لفافہ نکال لیا۔ صبح سے اس کا دھیان اس طرف تھا لیکن آفس میں دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی کیونکہ خود اسے غیر اختیاری حرکت سرزد ہونے کا خدشہ تھا اور ابھی بھی کتنی دیر تک وہ بس لفافے کو ہی گھورتی رہی۔

پھر جب اسے یہ خیال آیا کہ کہیں اسی میں راستہ تمام نہ ہو جا، اس نے دیرے دیر سے تصویر نکالی اور کیونکہ اسی پر نظر میں جہاں بیٹھی تھی تو ج ج اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور ایک لمحے کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ سینے کے اندر دور دور تک کوئی آواز نہیں تھی گویا دل جیسے بند ہو گیا تھا اور انہیں زندہ ہونے کا یقین کرنے کیلئے ہی اس جگہ آنکھیں کھولی تو پھر وہی چہرہ سامنے تھا جو کہیں سیکھی انسان کا چہرہ نہیں لگ رہا تھا اور یہ تصویر تھی ابھی اسے حقیقت کا سامنا کرنا تھا جو واقعی اسے بہت مشکل لگ رہا تھا۔ دل چاہا گاڑی روک کر کہیں اتر جا اور اس جاب کا خیال دل سے نکال کر سیدھی گھر کی راہ لے۔ یوں بھی وہ خاصی بزدل واقع ہوئی تھی اور اس تمام عرصے میں پہلی بار اسے یہ خیال آیا کہ آخر اس کا انتخاب کیوں کیا گیا۔۔۔؟ اور بھی تو

پاؤں تھا۔ وہ بس یا سیمین کو کمپیوٹر کیا تھا کہہ دیتے۔ وہ دیکھتی رہی۔ اسے وہ کھینچی ہوئی لگ رہی تھی اور دلچسپ کھیل تھا کہ بٹن دبائے سے کبھی کوئی فیکر سامنے آبا کبھی کوئی چارٹ اور کبھی جیسے سارا کچھ گنڈہ ہو جاتا۔ ایک دو بار وہ اس کا دل چاہا وہ آنکھیں بند کر کے کی بورڈ پر انگلیاں چلانا شروع کر دے۔ اس کے بعد دیکھے کیا ہوتا ہے۔۔۔؟

تم نے ابھی کرکے بکیشن کیا ہے۔؟ یا سیمین نے پوچھا تو وہ اپنی سوچوں سے نکل کر بولی۔
نہیں۔۔۔ گزشتہ سال۔

ایک سال کیا کرتی رہیں۔۔۔؟

کچھ نہیں۔۔۔ اطمینان سے گھر بیٹھی رہی۔

گھر میں بھی کہیں اطمینان ہوتا ہے۔۔۔؟ اسکرین پر نظر میں جہاں یا سیمین نے کہا تو وہ حیران ہو کر بولی۔

کیا مطلب۔۔۔؟ اور کہاں ہوتا ہے اطمینان۔۔۔؟

گھر میں بہر حال نہیں ہوتا۔ سو کھڑے۔۔۔ خواہ تو ادا کی ٹینشن۔۔۔ بچوں کا شور۔۔۔ بھاد جوں کی چیخ چیخ۔۔۔ اماں کا ٹوکنا۔۔۔ ابا کا چلانا۔۔۔ شام میں بھائی آئیں تو ان کی بک بک۔۔۔ خدا کی پناہ۔۔۔ ایک لمحہ کا اطمینان نہیں ہوتا۔ اس نے ایک منٹ میں اپنے گھر کا نقشہ کھینچ دیا اور وہ کیا کہنی ہنس بھی نہیں سکی۔ تب یا سیمین اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔
تمہارے گھر میں یہ سب نہیں ہوتا کیا۔۔۔؟

تم سنی کو پڑھاؤ گی۔ بغور اس کا جائزہ لیتے ہو ان کا انداز سوالیہ نہیں تھا۔ اس نے ذرا سا اثبات میں سر ہلادیا۔ یوں بھی کچھ کم عجب سے ہو رہی تھی۔ انہوں نے ملازمہ کو بلا کر اسے سننگ روم میں لے جانے کو کہا پھر اس سے کہنے لگیں۔

تم چلو۔۔۔ میں سنی کو بھیجتی ہوں۔

وہ چپ چاپ اٹھ کر ملازمہ کے پیچھے چل پڑی۔ پھر سننگ روم میں بیٹھتے ہی اس نے کافی حد تک نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ کمرہ بہت سادہ تھا یعنی نہ فرنیچر کی بہتات نہ کوئی ڈیکوریشن ہیں۔ البتہ گلاس وال سے پرے کا منظر انتہائی دلکش تھا جہاں سے غالباً ابھی کچھ دیر پہلے وہ گزر کر آئی تھی لیکن اس وقت دھیان نہیں دیا تھا۔ برآمدے اور چار اسٹیپ پر وائٹ ماربل کا فرش تھا۔ اس سے آگے سرخ اینٹوں کی روش پھر بہت خوبصورت لائن۔۔۔ وہ اس دلکشی کو دل ہی دل میں سراور رہی تھی کسی اس کے سامنے آ کر بولا۔

ہیلو ٹیچر۔۔۔ وہ خوبصورت سے بچے کو دیکھ کر بیساختہ مسکرائی۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھاتے ہو بولی۔

مجھے تمہارا ہیلو کہنا بھی اچھا لگا ہے لیکن آئندہ ہم ایک دوسرے کو سلام کیا کریں گے۔

ٹھیک۔۔؟

آپ روزانہ آئیں گی۔ بچے نے مصیبت سے پوچھا۔

لڑکیاں تھیں اس کے مقابلے میں بہت اچھوتی۔ اس نے بیٹھے سے باہر نظر دوڑا لی۔ پتا نہیں کون سا علاقہ تھا اور وہ یہیں سیوا سنی کا سوچنے لگی تھی کہ عالمگیر صاحب کی بات یاد آئی۔ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ آپ کو جاب نہیں ملے گی لیکن بہت مشکل سے ملے گی کیونکہ ایک تو آپ سہیل گریجویٹ ہیں دوسری طرح وغیرہ وغیرہ۔ یعنی واقعی خواری اور وہ نئے سرے سے گنگ وود کر سکتی تھی لیکن حالات اس کی اجازت نہیں دے رہے تھے ابھی جو جاب مل گئی تھی، وہی غنیمت تھی۔ گہری سانس کھینچتے ہو اس نے دوبارہ تصویر پر نظریں جمادیں۔ تجھی گاڑی ایکوڑ مٹر کرگ لگی اور ڈرائیور نے اتر کر اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا۔ اس نے جلدی سے تصویر کو لفافے میں ڈال کر لفافہ بیگ میں رکھ لیا اور بچے اتر کر اسٹیشن پر بٹنگے کو دیکھنے لگی۔

چوکیدار۔۔۔ مس صاحب کو نیگم صاحب کے پاس لے جاؤ۔ ڈرائیور نے چوکیدار کو پکار کر کہا تو وہ جیسے زبردستی خود کو کھینچتی ہوئی چوکیدار کے پیچھے چل کر اتر آئی۔ وہ قصد ادھر ادھر دیکھنے سے گریز کر رہی تھی اور مرنجی جھکا ہوا تھا جب ہی اسے اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کن مرحلوں سے گزر کر نیگم صاحبہ کے کمرے تک پہنچی ہے۔

تم رعبہ ہو۔۔۔؟ اس آواز پر اس نے سر اٹھایا تو سامنی صبی گریس نل حاتون موجود تھیں، قدرے شہنشاہان کی بات کا جواب دینے کے بجائے سلام کر دیا۔

جنتی رہو۔۔۔ آؤ بیٹھو۔ انہوں نے کہا تو وہ ان کے بیڈ کے کنارے خاصے تکلف سے

اس ٹیچوک کراس کے ہاتھ سے ڈائری لے لی۔ پھر اسی کے مطابق اسے ہوم ورک کروانے لگی۔ اس کام میں اسکا بالکل دل نہیں لگا۔ اگر ایسا یہ کوئی شوق ہوتا تو وہ بڑے آرام سے لکھ پڑھ کر بچوں کو ٹیوشن پڑھا سکتی تھی۔ البتہ کمپیوٹر کا کھیل ایسا چھالاک تھا۔ اس نے سوچا وہ جتنی جلدی ہو کر کمپیوٹر سیکھ کر کہیں اور جاب تلاش کر لے گی۔ بہر حال بری بیدی سیاست یا دوسے گھٹے میں ہی بچے کو فارغ کر دیا۔ اس کے بعد بیگم صاحبہ سے اجازت لینے کی غرض سے ان کے کمرے کی طرف آئی تو اندر سے اسکی آواز آرہی تھی۔

سنی کو میں خود پڑھا دوں گا۔ آپ اس لڑکی سے کہیں آئندہ یہاں نہیں آئیں۔
 بیٹا۔۔۔ سنی تمہارے ساتھ صرف شرارت کرتا ہے پڑھ نہیں سکتا۔ کیا پہلے تم کوشش نہیں کر چکے؟

وہ تو میرا اپنا موڈ نہیں تھا۔ اب سنجیدگی سے پڑھاؤں گا۔

ٹھیک ہے۔۔۔ تم بھی پڑھالیں اور گھنٹہ بھر ریج بھی۔

نہیں مما۔۔۔ اور کوئی نہیں بس آپ اسے منع کر دیں۔ وہ بچوں جیسے ضدی لہجے میں بولا اور ان کی مزید کوئی بات سننے بغیر کمرے سے نکلا تو اسے دیکھ کر ٹھنک گیا اور وہ بالکل غیر ارادی طور پر سر ہچکا گئی۔ یوں بھی زیادہ دیر تک اس پر نظر نہیں جمانا ممکن نہیں تھا۔ جب وہ قریب سے نکل کر چلا گیا تب وہ کمرے میں داخل ہو کر بولی۔

میرے کیا حکم ہے بیگم صاحبہ؟

تم اس کی باتیں سن چکی ہو اب میں کیا کہوں۔۔۔ انہوں نے کچھ بھی کہنے سے معذوری ظاہر کی تو اس نے انجان بن کر پوچھا۔

وہ کیوں منع کر رہے ہیں۔۔۔؟

بس بیٹا۔۔۔ اصل میں وہ کسی کا گھر میں آنا پسند نہیں کرتا۔ سمجھتا ہے سب اس کا مذاق اڑائیں گے۔ انہوں نے تاسف سے بتایا تو وہ کچھ دیر رک کر بولی۔

اگر آپ اجازت دیں تو میں خود ان سے بات کر لوں۔

تم۔۔۔؟ انہوں نے حیران ہو کر اسید کچا پھر دکھ سے بولیں۔

وہ تم سے ٹھیک سے بات نہیں کرے گا۔ میرا مطلب ہے، ہو سکتا ہے تم پر غصے جلانے لگا اور تم سے فوراً نکل جانے کو بھی کہہ سکتا ہے۔

پھر بھی میں ایک کوشش کر لے دو کچھ کہتی ہوں۔ وہ ان کی باتوں پر اندر ہی اندر جڑ بڑھ کر بولی اور یہ اس کی مجبوری تھی ورنہ اس کا اپنا دل چاہ رہا تھا کہ فوراً یہاں کچلی جا اور دوبارہ کبھی پلٹ کر نہ آئے۔

تمہاری مرضی۔۔۔

ان کی اجازت ملنے ہی وہ ان کے کمرے سے نکل آئی۔ لاؤنج میں کھڑے سنی سے اس نے اس کے ماما کو پوچھا اور اس کے کمرے کی طرف آگئی۔ کمرے کا دروازہ لاک نہیں تھا پھر بھی اس نے ہچکے سے ناک کیا اور کم آن کی آواز پر دل مضبوط کر کے اندر داخل ہوئی۔ غالباً

میں جانتی ہوں، آپ بڑے آدمی ہیں۔ ہزاروں کی ضرورتیں پوری کرتے ہوں گے
لیکن معاف کیجیے گا نا جہانگیر۔۔۔ میں بھیک لینے سے پہلے مر جانا پسند کروں گی۔
میں بھیک نہیں دے رہا۔

بنامحنت کے لیا، وہ ایک پیسہ میرے لپٹو میں رکھ دے گا۔ وہ اپنی بات کہہ کر جانے لگی کہ اس نے
پکار لیا۔

سینس۔۔۔ وہ رک گئی لیکن اس کی طرف ہلچلی نہیں۔ اچانک آنکھوں میں جوئی اتر
آئی تھی اسے صاف کرنے لگی اور کچھ دیر انتظار کے بعد وہ کہنے لگا۔

آپ کی مرضی۔۔۔ شوق سے سنی کو پڑھائیں لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ
زیادہ دن تک یہ جاب جاری نہیں رکھ سکیں گی۔

آپ کس بنا پر اتنے یقین سے کہہ رہے ہیں۔۔۔؟
میری طرف دیکھیں۔ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اسی طرح کھڑی رہی۔ تب وہ
قدر سے تنگی سے بولا۔

آپ میں تو مجھے دیکھنے کا حوصلہ ہی نہیں ہے۔۔۔ جبکہ میں یہاں ہر قدم پر نظر آؤں
گا۔

(اف۔۔۔) پتا نہیں کس استخوان میں ڈال رہا تھا۔۔۔؟ حوصلہ تو واقعی اس میں نہیں تھا۔
پھر اس کی طرف پلٹ کر بولی۔

اس کا اسٹڈی روم تھا۔ دیوار گیر الماریوں میں ترتیب سے کتابیں تھیں۔ کمرے کے درمیان
میں بڑی سی ٹیبل جس کے اطراف چھ کرسیاں رکھی تھیں وہیں وہ بیٹھا تھا۔ دروازے کی طرف
اس کی پشت تھی۔ کچھ دیر پہلے وہ اسی طرح منبھی تھی اور وہ عقب سے آیا تھا۔ اب وہ عقب میں
کھڑی تھی۔ بڑی دقتوں سے خود کو بولنے پر آمادہ کیا تو اس قدر کہہ سکی۔

سینس۔۔۔ اس کا چونکنا وہ دیکھ رہی تھی۔ پھر ہاتھوں کی مٹھیاں زور سے بھینچ کر اس نے
ٹیبل پر رکھیں جیسے خود پر ضبط کر رہا ہو اور اپنی کوشش میں کسی حد تک کامیاب ہو کر بولا۔

فرمائیے۔۔۔

کیا آپ و میرا نا اچھا نہیں لگا۔؟ وہ جلدی میں بیٹھی کہہ سکی۔
مجھے کسی کا بھی نا اچھا نہیں لگتا۔

میں صرف اپنی بات کر رہی ہوں۔ اس نے کوئی ایسی بات تو نہیں کی تھی پھر بھی پتا نہیں
کیوں وہ ایک دم کھڑا ہو کر اسے دیکھنے لگا اور وہ مسلسل اس کوشش میں مصروف تھی کہ نظریں اس
کے چہرے پر جمار کے لیکن بار بار زاویہ بدلتا پڑتا۔ تب وہ قدم بڑھا کر اس کے مقابل آ کر
بولا۔

کہاں تک خود پر جبر کریں گی آپ۔۔۔؟ مجھے بتائیں کیا مجبوری ہے آپ کے ساتھ۔
۔۔۔؟ کیا ضرورت ہے۔۔۔؟ میں یونہی پوری کروں گا۔

وہ اچانک کم مانگی کے احساس میں گھر کرتا سف سے بولی۔

آپ کو میری آؤنڈس مطلوب ہے۔ کیسے کہاں تک دیکھوں۔۔؟ نظریں اس کے چہرے پر تو جمادیں لیکن اندر دل کا عالم یہ تھا کہ ابھی اچھل کر حلق سے باہر جا کرے گا اور اس نے سوچ لیا آریا پار۔۔۔ کتنی دیر گزر گئی پھر وہ خود ہی رخ موڑ گیا تو اس کے چوڑے شانوں کے پیچھے اسے اپنا وجود بہت چھوٹا سا لگا۔ اب مزید کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ دوسرے رومی سے اس کے کمرے سے نکل آئی اور سنی لوگ دن آنے کا کہہ کر باہر آ گئی۔

گھر میں داخل ہوئی تو غیر معمولی خاموشی کا احساس ہوا۔ گھر میں اگرچہ پہلے بھی شور تو نہیں ہوتا تھا پھر بھی اماں کچھ نہ کچھ کرتی رہتیں اور انہیں اپنے آپ بولنے کی عادت تھی جبکہ اب ایک دم خاموشی تھی۔ اس نے پہلے اماں کے کمرے میں جھانکا وہ جانماز پر بیٹھی تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں۔ تب وہ اٹنے بیرون نبیلہ کے پاس آ گئی۔ وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے کانہیں مود رہی تھی یا یونہی لیٹی تھی۔

بھابی۔۔ اس نے آہستہ سے پکارا کوئی جواب نہیں آیا لیکن اس نے محسوس کر لیا کہ وہ سو نہیں رہی تب آ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

یہ کون سا سونے کا وقت ہے۔۔۔؟ اس نے کہتے ہوئے نبیلہ کی آنکھیں سپاڑو بنایا تو وہ ٹھٹھک گئی۔ شدت گرہ سے اسکی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور پہلے ہی آغا جہانگیر کو دیکھ کر اس کے حساسات عجیب سے ہورہے تھے۔ مزید دل سہم سا گیا۔ نبیلہ کے بازو پر اس کے ہاتھ کی گرفت آپ ہی آپ مضبوط ہو گئی اور اس سے کچھ پوچھنے سے پہلے وہ خود کو ہر قسم کی صورت حال

کے لیے تیار کر رہی تھی۔ اچانک فضا کتنی بوجھل ہو گئی تھی۔ اس کا ذہن کچھ بھی سمجھنے سے قاصر رہا تب نبیلہ کو دیکھ کر پوچھا۔

کیا ہوا ہے بھابی۔؟ اماں نے کچھ کہا ہے۔۔؟
نفی میں سر ہلاتے ہوئے نبیلہ کی آنکھیں پھر جھٹکنے لگیں اور اس نے ٹھیکے کے نیچے سے لغافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

کس کا خط ہے۔۔؟ اس نے لغافہ لیتے ہوئے یونہی پوچھا پھر خط نکال کر جلدی جلدی پڑھنے لگی۔ ہسٹیا کا خط تھا اور انہوں نے لکھا تھا۔
پیاری اماں۔۔۔

امید ہے گھر میں خبریت ہوگی۔

اپنی بارے میں کیا لکھوں اچھے دنوں کی تلاش میں نکلا تھا لیکن جانے خدا کو کیا منظور ہے سناگا پور تک تو خیریت سے پہنچ گیا۔ میرے ساتھ تین چار لڑکے اور بھی تھے۔ سارا دن ہم نے سناگا پور میں گزرا اور طے یہ ہوا تھا کہ رات میں ابجی نہیں جنگل کے راستے لائیشیلے جا گا۔

بہر حال وقت مقررہ پراجنٹ ہم پانچوں کو لے کر چل پڑا۔ راستے اس کے جانے پہچانے تھے۔ اس لیے ہم بھی مطمئن تھے۔ سہرات کے کسی پہر ہم نایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور سو گئے۔ بس یہیں سے ہماری بد قسمتی کا آغاز ہوا۔ صبح آنکھ کھلی تو بجٹ غائب۔ خود تو بھاگا جی سا ساتھ ہمارے پاسپورٹ اور جس بیگ میں جتنی رقم تھی سب لے گیا۔

آپ اندازہ کر سکتی ہیں کہ ہم کس مشکل میں گھر گئے۔ نہ آگے جا سکتے تھے نہ واپسی کا راستہ تھا۔ پھر بھی اللہ کا نام لے کر چل پڑے اور ملائیشیا میں داخل ہوتے ہی غیر قانونی داخلے کے جرم میں گرفتار ہو گئے۔ ایک سال کی سزا سنائی گئی۔ چھ ماہ گزر چکے ہیں اتنا ہی عرصہ باقی ہے۔ میں نے آپ کو خط اس لیے نہیں لکھا کہ آپ لوگ پریشان ہوں گے لیکن آج اچانک خیال آیا کہ یہ پریشانی تو اور زیادہ ہوگی کہ میری کوئی اطلاع نہیں۔ پتا نہیں کیا گناہ ہوا تھا یا شاید آپ کی نافرمانی کرنے کی سزا مل رہی ہے۔ اچھا بھلا گھبرا چھوڑ کر نکل آیا۔ میرے ساتھ بلکہ مجھ جیسے سب لوگوں کیساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اپنی مٹی کا کھا کر جوان ہوتے ہیں اور جب اسے کچھ دینے کا وقت آتا ہے تو منہ موڑ کر چل دیتے ہیں۔

ہو سکے تو آپ مجھے معاف کر دیں اور میرے لیے دعا کریں۔ نبیلہ اور ربیعہ کہتی ہیں میں ان دونوں سے بھی شرمندہ ہوں۔

آپ کی دعاؤں کا محتاج۔۔۔ عبید

اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔ بڑی مشکل سے اس سے خط تمام کیا اس کے بعد وہ کتنی دیر تک کی طرح گم سم بیٹھی رہی۔ ہمسایہ کے پارے میں تشویش تو تھی لیکن اس قسم کی کوئی بات تو بھلے سے بھی نہیں سوچتی تھی۔ کتنی مشکل میں تھے وہ اور تم یہ کہ یہاں سے کوئی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ زندگی میں بعض مقام ایسے بھی آتے ہیں جب انسان بالکل بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نبیلہ کو و عرف تسلی کے کیسے کہے۔ بہت کوشش کرنے کے بعد بھی وہ

ایک لفظ نہیں کہہ سکی تو ٹھہر کر کچن میں آ گئی۔ چوہے پر چا کر پانی کھا اور سیرجی پر بیٹھ کر پیشانی گھٹنوں سے نکالی۔ آنسو جیسے پھلکنے کو بیتاب تھے اور اب اس نے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ کتنی دیر بعد اماں نے آ کر جھانکا۔ چوہے پر چا کر پانی سوکھ چکا تھا اور اسے اپنا ہوش نہیں تھا۔ ربیعہ۔۔۔ اماں نے اس کے کندھوں سے تمام کر ہلایا تو وہ ان کے سینے میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔ آواز سن کر نبیلہ بھی وہیں آ گئی اور اب اماں ہی کو انہیں سنبھالنا تھا۔ کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہو دو دنوں کو چپ کرایا پھر ڈائٹ لگیں۔

شکر کرو۔۔۔ اللہ نے کسی بڑے امتحان میں نہیں ڈالا۔ کچھ وقت گزر گیا ہے کچھ گزر جا گا۔ دعا کرو اللہ ساتھ خیریت کے اسوا پس لا۔۔۔ اور دیکھو۔۔۔ خبردار کسی کو بتا نامت۔ لوگوں کو تو یوں بھی کوئی موقع چاہیے ہوتا ہے۔ جاؤ جا کر منہ ہاتھ دھو لو میں کھا اگر گرم کر کے لاتی ہوں۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے نظریں چراتی ہوں کچن سے نکل آئیں۔ اس کی نظریں کی بورڈ پر حرکت کرتی یا یمن کی انگلیوں پر جمی تھیں لیکن ذہن اپنی ہی پریشانیوں میں الجھا تھا۔ کتنی سوچیں تھیں اور ہر سوچ کے اختتام پر سوالیہ نشان۔ تمہیں کیا پریشانی ہے۔؟ یا یمن نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ حیران بھی ہوئی کہ اسے کیسے پتا چلا کہ وہ پریشان ہے۔

نہیں بتانا چاہتیں تو مت بتاؤ۔ اس کے خاموش رہنے پر یا یمن نے اس انداز سے کہا

گلد۔۔۔ انہوں نے پر سوچ انداز میں سر ہلایا پھر کہنے لگے۔

ایک بات یاد رکھیے گا۔۔۔ سب کچھ ایک دم نہیں ہو جاتا۔ دھیرے دھیرے اور جب مواقع یکمیں اس سمیٹ کریں اور جب وہ آپ کو اپنا دوست سمجھنے لگے تب آپ اسے چہرے کی سر جری پر آمادہ کر سکتی ہیں۔ اس سے پہلے اگر کوئی بات کریں گی تو وہ ہتھے سے اکھڑ جا گا۔ لہذا بہت محتاط رہیے گا۔

جی۔۔۔

اور ہاں۔۔۔ گھر آپ نے دیکھ لیا ہے اب آپ خود چلی جائیے گا۔ وہ کچھ نہیں بولی تب انہوں نے جانے کے لیے کہا تو وہ دوبارہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ انتہائی بیدلی سیجگ اٹھایا اور بڑے سے دوپٹے کو پھیلا کر اوڑھ رہی تھی کہ یاسمین پوچھنے لگی۔

جاری ہو۔؟

ہاں۔۔۔ یہاں کی ڈیوٹی ختم۔۔۔ وہ بے صہیانی میں کہہ گئی۔

کیا مطلب۔۔۔؟ پارٹ ٹائم بھی کہیں جاب کر رہی ہو۔ ارے نہیں۔۔۔ وہ ہنسی اور وضاحت کیے بنا باہر آ گئی۔

پھر سی کو کوئی غصہ پھر اس نے پڑھ لیا۔ کچھ دیر بیٹنگ صاحبہ کے پاس بھی بیٹھی لیکن اس تمام وقت میں وہ نظر نہیں آیا اور نہ صرف اس دن بلکہ اگلا پورا ہفتہ اس پر نظر نہیں پڑی۔ غالباً وہ جان

جیسے اسے کوئی پروا نہیں۔ تب وہ ڈرا سا ہنسی۔۔۔ مجھے کیا پریشانی ہو سکتی ہے بھلا۔۔۔؟

خیر۔۔۔ یہ تو نہ کہو۔۔۔ یہاں ہر شخص پیدائش کے وقت سے ہی اپنے ساتھ ایک عدد پریشانی لے کر پیدا ہوتا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس پریشانی سے نجات کی کوشش میں وہ مزید پریشانیاں اپنے سر لا دیتا ہے۔ یاسمین بڑے جھلکے جھلکے انداز میں کہہ کر خود ہی ہنسی پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔۔۔؟

نہیں۔۔۔ لیکن تم نے ہر شخص غلط کہا ہے۔ یہ سونو تم میں تو ہم ٹل کلاس والوں کے حصے میں آتی ہیں جبکہ بڑے لوگ۔۔۔

آں ہاں،،، یاسمین فوراً ٹوٹے ہو بولی۔

بیوقوف ہو تم۔۔۔ بڑے لوگوں کے دکھ بھی بڑے ہوتے ہیں اور ان کی ایک پریشانی ہماری سو پریشانیوں پر بھاری ہوتی ہے۔ اس حساب سے تو مجھو ہم خوش نصیب ٹھہرے۔

واقعی۔۔۔ وہ قائل ہو کر بولی۔ تبھی انزکام پر ہاس کی طرف سے اس کا بلاوا آ گیا تو ذہن کو پوری طرح حاضر کرتے ہو ان کے کمرے میں آ گئی۔ وہ فون پر بات کر رہے تھے۔ اعلیٰ نظر اس پر ڈالی ضرور لیکن بیٹھے کیلئے نہیں کہا۔ جب فارغ ہو گئے تب اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔ ہاں بی بی۔۔۔ کل آپ کو کوئی پراہم نہیں ہوئی۔۔۔؟

بو جھ کر اس کی آمد پر خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیتا تھا اور اس طرح تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اگر اس کا کام صرف سنی کو پڑھانا ہوتا تو حقیقتاً وہ اس کا سامنا نہ ہونے پر شکر کرتی لیکن وہ تو بھیجی ہی اس کے لیے لگی تھی اور وہی غائب۔ اس روز سنی کو ہوم ورک کرواتے ہو اس نے پوچھ لیا۔

سنو۔۔ تمہارے لاما کہاں ہیں۔؟

لاما اپنے اسٹڈی روم میں ہیں۔ سنی نے لکھنے میں مصروف رہ کر جواب دیا تو وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔

تم ہوم ورک کرو میں ابھی آتی ہوں۔

آپ لاما کے پاس جا رہی ہیں۔۔۔ سنی کے پوچھنے پر وہ ذرا مسکرائی۔

ہاں۔۔ مجھ ان سے ایک کتاب لینے ہے۔ بس ابھی آتی ہوں۔

وہ اس کا گال ٹھپک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اس کے کمرے کی طرف جاتے ہو وہ خاصی پرل سی ہو رہی تھی اور کچھ عجیب سا بھی لگ رہا تھا لیکن جابنا چارہ بھی نہیں تھا۔ بہت ہلکے سے دروازے پر دستک دی اور کم ان کی آواز پر اندر داخل ہوئی تو وہ اسی ک طرف دیکھ رہا تھا۔ غالباً اس کی آمد غیر متوقع تھی جب ہی پہلے حیران ہوا پھر ناگواری سے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا تو وہ بہت سنبھل کر بولی۔

شاید آپ کو میرا آنا ناگوار گزارا ہے۔؟

فرمائیے۔۔ کیا کام ہے۔۔؟ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔
 کام تو کوئی نہیں البتہ ایک بات پوچھنی تھی۔ اس نے بے اختیار اس کی طرف چہرہ موڑ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا تو صرف اس پر سے نظریں ہٹانے کی خاطر وہ ناخنوں سے کھلیچے ہوئی۔

اول روز آپ نے کہا تھا کہ آپ ہر جگہ نظر آئیں گے لیکن اس کے بعد سے نظریں نہیں آ
 میرا مطلب ہے اگر آپ نے میری وجہ سے خود کو پابند کر لیا ہے تو۔۔ وہ قصداً خاموش ہو گئی اور ذرا سی پلکیں اٹھا کر دیکھا تو وہ صاف گئی سے بولا۔

آپ ٹھیک سمجھی ہیں۔ آپ ہی کی وجہ سے میں خود کو تنقید کر لیتا ہوں۔
 تو اس کا مطلب ہے میں یہاں نہ آیا کروں۔۔۔؟
 میں آپ کو منع نہیں کر رہا۔

تو اور کیسے منع کیا جاتا ہے۔۔۔؟ آپ زبان سے نہ کہیں لیکن آپ کا رویہ تو یہی ظاہر کر رہا ہے۔ خلاف مزاج وہ بڑی جرات کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

آپ سنی کی ٹیچر ہیں صرف اسی سے مطلب رکھیں۔ دوسروں کے روپے سے آپ کو کیا غرض۔؟ وہ قدرے اکھڑے لہجے میں بولا تو وہ کچھ یرو سوچنے کے بعد کہنے لگی۔
 ٹھیک ہے۔۔ مجھے صرف سنی سے مطلب رکھنا چاہیے لیکن کیا آپ کو سنی سے کوئی دلچسپی

نہیں۔

کیوں نہیں۔؟

پھر تو آپ کو آکر دیکھن چاہیے کہ میں اسے کیا بڑھائی ہوں۔۔۔؟ بیگم صاحبہ تو غالباً اس وقت سو رہی ہوتی ہیں اور آپ کو بھی کوئی پروا نہیں۔ اس طرح تو شاید میں خود اپنے کام سے انصاف نہیں کر سکوں گی۔ ظاہر ہے جب کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہوگا۔۔۔

لیکن میں۔۔۔ وہ اس کی بات پر الجھ گیا۔ اندازاً ایسا تھا جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کیا کہے۔ تب وہ ادھر ادھر دیکھتے ہو ہوئی۔

ٹھیک ہے۔۔۔ آپ اس کمرے سے نکلتا نہیں چاہتے تو کل سے میں سنی کو یہیں بیٹھ کر پڑھایا کروں گی۔ وہ اپنی بات ختم کرتے ہی کمرے سے نکل آئی۔

(اب کل جو ہوگا دیکھا جاگا)۔ سنی کے پاس بیٹھتے ہو اس نے سوچا۔ پھر توجہ سے اسے پڑھانے لگی۔ بچہ خاصاً ذہین تھا ممنوں میں سبق یاد کر لیتا تھا۔ پھر اس سے سوال کرنے لگتا۔ اس وقت پوچھنے لگا۔

نچر۔۔۔ آپ کا گھر کہاں ہے۔؟

میرا گھر۔۔۔؟ اور گھر کیساتھ ہی اسے یاد آیا کہ آج ماں نے جلدی آنے کو کہا تھا کیونکہ صبح نیلہ کی طبیعت کچھ خراب تھی اور اماں کا خیال تھا اسے باسٹل لیجانا پڑے گا۔ بس وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ سنی سے ہاتھ داکر خدا حافظ کہا اور باہر نکل آئی۔ تمام راستہ اپنی یادداشت کو کوئی دہائی میں ایک بار بھی اسے خیال نہیں آیا اور اب پتا نہیں اماں اور نیلہ کہاں ہوں گی۔ پھر

گھر کا کھلا دروازہ دیکھ کر اسے اندازے اٹھیاں ہوا۔ اندر آئی تو اماں بچن سے نکل رہی تھیں اسے دیکھتے ہی خوش ہو کر بولیں۔

بھتیجا مبارک ہو۔۔۔

بھتیجا۔۔۔؟ وہ یکدم ہلکی ہلکی ہو گئی پھر فوراً پوچھا۔

بھائی کہاں ہیں۔۔۔؟

اندر۔۔۔ اللہ کا شکر ہے وقت پر دانی مل گئی تھی کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ اماں اسے تفصیل بتانے لگیں لیکن اس کا دھیان نو موڈ کی طرف تھا۔ اچھا اچھا کرتی ہوئی اندر بھاگ گئی اور بیگ ایک طرف پھینک کر پہلے بچے کو بازوؤں میں اٹھایا پھر نیلہ کو دیکھ کر شرارپ سے ہنسی اور اس کے چھینپنے پر اسی انداز میں بولی۔

ج کبوں بھائی۔۔۔ بچہ نہ آپ پر ہے نہ بھیا پر۔

پھر کس پر ہے۔۔۔؟

یہ اپنے دادا پر ہے۔ بالکل بابا کی شکل کا لگ رہا ہے۔ وہ بچے کو دیکھتے ہو بولی۔ پھر اس کے نرم نرم گل پر ہونٹ رکھ دیے۔

اے پہلے منہ تو دھو لو۔ اماں نے اسے ٹوکا تو وہ مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کرتے ہو بولی۔

کیا مطلب ہے آپ کا۔۔۔؟ کیا بغیر وضو کے اسے پیر نہیں کیا جاسکتا۔۔۔؟

لو۔۔۔ میں نے وضو کرنے کو کب کہا۔۔۔؟

تو اب کہہ دیجیے۔

باتیں بنانے کے بجائے کرکچن میں دیکھو۔ صبح سے کمر اتر گئی ہے۔ ماں کمر پکڑ کر بیچہ نکلتی تو اس نے بچے کو ان کی گود میں ڈال دیا پھر خصوصاً نبیلہ کے کھانے کا پوچھ کر کچن میں آ گئی۔

کچھ دیر بعد بچے کے رونے کی آواز آئی تو اسے لگا کتنے دنوں سے اس گھر میں چھاپا جامود ٹوٹنے لگا ہے۔ نفصا بھی رنگ بدل رہی تھی۔ جب اسے بھیا کا خیال آیا اور یہ کہ اگر وہ یہاں ہوتے تو اس خوشی کا رنگ بھی کچھ اور ہوتا اور نبیلہ بھی یقیناً ان کی کمی کو شدت سے محسوس کر رہی ہوگی۔ پتا نہیں کیا کیا ارمان ہوں گے۔ اس کے دل میں وہ سوچتے ہوئے اندر آئی اور دراز میں سے اپنی قمیض پونجی نکال کر ماں کے آگے رکھتے ہو بولی۔

اماں۔۔۔ کچھ مٹھائی وغیرہ منگوائیے ناں۔۔۔ اور اماں ماسٹے پر ہاتھ مارتے ہو بولیں۔

لو۔۔۔ میری بھی مت ماری گئی ہے۔ کتنی بار پڑوس کے بچے کو بازار بھیج، مٹھائی منگوانا بھول گئی۔

اب منگوا لیجیے۔۔۔ بلکہ آپ خود لے آئیں۔ وہ اماں کو بھیج کر نبیلہ کے پاس آ بیٹھی اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔



اگلے دن اس کا آفس جانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اماں نے بھی کہا کہ چھٹی کر لو لیکن نئی نئی جاب تھی۔ ابھی پورا ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا اس لیے دل نہ چاہتے ہو بھی جانا پڑا۔ آفس آئی تو معلوم ہوا یا مین چھٹی پر چلی گئی ہے۔ وہ خاصی بدول ہوئی کیونکہ وہ تو ابھی سینکھنے کے مراحل میں تھی اور جب یا مین ہی نہیں تھی تو اس کا کیا کام۔۔۔ کچھ دیر یونہی فارغ بیٹھی رہی پھر سر سے چھٹی لینے کی غرض سے ان کے کمرے میں چلی آئی اور ان کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی کہنے لگی۔

سر۔۔۔ یا مین تو نہیں آئی۔۔۔ کیا میں بھی چلی جاؤں۔

جانا چاہیں تو چلی جائیں لیکن میرے گھر سے ہو کر جانی گا۔ انہوں نے سہولت سے اسے اس کی اصل کام یاد دلایا اور وہ بہت جھنجھاتی ہوئی باہر نکلی۔

(بھلا یہ کون سا وقت ہو جانے کا۔۔۔؟ اس وقت تو سنی بھی اسکول میں ہوگا اور کیا بہانا کرے گی۔۔۔؟) تمام وقت یہی سوچتی رہی۔ گیٹ سے داخل ہوئی تو وہ لان میں کھڑا نظر آیا۔ ایک ہاتھ میں ردل کیا ہوا اخبار تھا اور جانے کس خیال کی گرفت میں تھا کہ پیشانی پر لکیر گہری ہو گئی تھی۔ وہ اسے متوجہ کرنے کیلئے ذرا سا کھانسی تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا اور بوکھا ہٹ میں وہ یہی کہہ نکلی۔

وہ سنی۔۔۔؟

سنی تو اس وقت اسکول ہوتا ہے۔ خلاف عادت اس نے نرمی سے جواب دیا لیکن وہ اپنی

بوکھا ہٹ پر قابو نہیں پاسکی۔

جی۔۔۔ مجھے معلوم ہے۔

پھر۔۔۔ اس نے پوچھا پھر فوراً حساس ہونے پر کہنے لگا۔

آپ پلیز۔۔۔ اندر چلیں۔

نہیں بس۔۔۔ سہیل ٹھیک ہے۔

کیا ٹھیک ہے۔۔۔؟

میرا مطلب ہے میں ذرا جلدی میں ہوں بس یہ بتانے آئی تھی کہ میں آج سنی کو
پڑھانے نہیں آسکوں گی۔ اپنی بات ختم کر کے اس کی طرف دیکھا تو وہ قدرے تعجب کے اظہار
کیا تھا بولا۔

کمال ہے۔۔۔ صرف یہی بتانے کیلئے آپ نے زحمت کی۔۔۔؟

میں جاؤں۔۔۔؟ اسے جانے کی جلدی تھی۔

ایز بولا ایک۔۔۔ دو ڈرامے کندھے اچکا کر لاقطع سا ہو گیا تو وہ جلدی سے پلٹ کر باہر

نکل آئی۔ اچانک ہی اس شخص کا دکھ محسوس ہونے لگا اور بلا ارادہ اس کے بارے میں سوچنے لگی

کہ پتا نہیں پہلے کیسا ہوگا۔۔۔؟ ہاس نے بتایا تھا کہ وہ اپنے حلقے میں بہت مقبول تھا اور اب ایک

دم سے تباہ ہو کر پتا نہیں وہ کیسے زندہ تھا۔۔۔؟ دو چمچ مچاس سے ہمدردی محسوس کرنے لگی۔

پھر سارا دن وقفے وقفے سے اس کا دھیان آپ ہی آپ اس کی طرف چلا جاتا۔ کبھی

اس کے کل کو سوچتی جب زندگی اپنی تمام تر خوبصورتیوں سمیت اس پر مہربان تھی۔ گو کہ وہ اس
وقت اس سے نہیں ملی تھی پھر بھی سوچ سکتی تھی کہ جو وہ چاہتا ہوگا پالیتا ہوگا۔ سب کچھ اسے
حاصل ہوگا اور آج دو کتنا تہی دست تھا۔ سب کچھ ہوتے ہو بھی غالباً لوگوں کے رویوں نے
اسے اس درجہ مایوس کیا تھا کہ وہ خود پر زندگی کے دروازے بند کر رہا تھا۔

ابھی تک تو یہ چاب اس کی مجبوری تھی لیکن اس روز وہ ایک نئے عزم کیساتھ اس گھر میں

داخل ہو رہی تھی۔ سنی اپنا بیگ لے کر آیا تو وہ برلا رام سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے اسٹڈی روم

میں لے آئی اور وہ جس نے اس کی بات کو اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ واقعی حیران ہو گیا اور اس

سے پہلے کہ کچھ کہتا وہ بول پڑی۔

ہم آپ کو ڈسٹر ب نہیں کریں گے۔

وہ سر جھٹک کر دوبارہ کتاب میں مصروف ہو گیا۔ تب وہ ٹیبل کے دوسرے سرے پر

جا بیٹھی اور سنی کو دائیں طرف بٹھا کر فوراً اس کی ڈائری دیکھنے لگی۔

ٹچر۔۔۔ آپ کل کیوں نہیں آئی تھیں۔۔۔؟ سنی بیگ میں سے کا پیاں نکالتے ہو

پوچھنے لگا۔

کل مجھے کچھ کا تھا۔ اس نے جواب دینے کے ساتھ ڈائری اس کے سامنے رکھ دی اور

ایک ایک سبکیٹ کا ہوم ورک سجا ہنے لگی۔ پھر جب سنی کہنے میں مصروف ہو گیا تو اس کی نظریں

شیشے کی الماریوں میں بیٹھنے لگیں۔ موٹی موٹی جلدوں میں پتا نہیں کون سے اسرار بند تھے۔۔۔

؟ اس کا دل چاہا قریب جا کر دیکھ لے لیکن یہاں نہیں وہ اجازت دے گا یا نہیں۔ اس خیال کیساتھ ہی بے اختیار اسے دیکھا۔ وہ حد درجہ اعلق نظر آیا۔ جیسے اس کے علاوہ کمرے میں کوئی موجود ہی نہ ہو اور بہت کوشش کے بعد بھی وہ اسے متوجہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکی تو سارا دھیان سنی پر مرکوز کر دیا۔ وہ ہوم ورک کر چکا تھا۔ دہشتی آواز میں اسے نظم (poem) یاد کرانے لگی۔

youthank

sweet.soworldthefor

youthank

eat.wefoodthefor

youthank

sing.thatbirdsthefor

youthank

thing.everyfor

پر سکون خاموشی میں اس کی جسمی و جسمی آواز نے خوبصورت ارتعاش پیدا کر دیا تھا اور بنا حرکت کیے وہ کتاب پر سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھنے لگا۔ ہلکے ہلکے سر ہلاتے ہو اس کا پڑھنے کا انداز بے حد دلنشین تھا۔ سنی کو ہر دے کا اشارہ کرتی پھر اس کے ایک ایک لفظ پر اس کا سراپی انداز سے ہلنا۔ آنکھیں سنی کے معصوم چہرے کو بڑے پیار سے تیک رہی تھیں۔ ہونٹوں کا کبھی

پہلے ابھی سکڑنا اور کبھی ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو جانا، وہ کوشش کے باوجود اس پر سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ یہ تو نہیں تھا کہ وہ پہلی بار کسی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ سال بھر پہلے کتنی لڑکیاں اس کی دوست تھیں اور ان میں نیا اور یعنی کے ساتھ اس کی اچھی خاصی انڈرا سٹینڈنگ تھی لیکن انہیں دیکھ کر بھی وہ کبھی اس طرح بے اختیار نہ ہوا تھا اور شاید اس نے اپنے چہرے پر اس کی نظریں محسوس کر لی تھیں۔ کچھ عجیب سا لگا اور سنی کے ہاتھ سے کتاب لے کر اس طرح سامنے کی کدور میان میں پردہ سا حائل ہو گیا۔ وہ ذرا سا چونکا اور خود کو سخت سرزنش کرنے لگا۔ تبھی اس کی آواز آئی۔

شبابش۔۔۔ دوسنی سے مخاطب تھی۔ تم بہت اچھے بچے ہو۔ بہت جلدی یاد کر لیتے ہو۔ اب ذرا یہ بتاؤ کہ اس نظم (poem) میں تمہیں کیا بتایا گیا ہے۔۔۔؟
تھینک یو گاڈ بچے نے اپنی عمر اور سمجھ کے حساب سے کہا تو وہ اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہو ہوئی۔

ہاں۔۔۔ ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اس نے ہمیں اتنی بہت ساری چیزیں دی ہیں۔ اسنے بہت پیارنے رنگوں سے بھی پیدیا، اتنی پیاری زندگی۔۔۔
لیکن ٹیچر ماما تو کہہ رہے تھے یہ دنیا اچھی نہیں ہے۔ سنی نے اس کی بات درمیان میں اچک لی۔

آپ کے ماما غلط کہہ رہے تھے۔ وہ غور کا کہہ گئی اور اس نے جس انداز سے کتاب کو زور

سے بند کیا اس سے وہ اندر ہی اندر سہم گئی کہ اب پتا نہیں اس کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ کچھ دیر تک انتظار کرتی رہی اور جب ادھر سے کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہوا تب بہت کر کے بولی۔

ذرا اپنے ماما سے پوچھو سال بھر پہلے انہیں دنیا کیسی لگتی تھی۔۔۔؟ سنی نے نا سمجھی کے عالم میں اپنے ماموں کو دیکھا پھر اسے دیکھنے لگا۔ بولا کچھ نہیں۔ تب وہ جو ایک کتاب سے درمیان میں پردہ مٹاتے بیٹھی تھی، اسے ٹھیل پر رکھتے ہو بولی۔

بیٹا۔۔۔ ہم انسان بڑے ناشکرے ہیں۔ جب تک خوبصورت جوان اور توانا ہوتے ہیں۔ دنیا کے ساتھ بلکہ دنیا کو اپنے ساتھ چلا رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت تک دنیا ہمیں بڑی اچھی لگتی ہے۔ اس کی رنگینوں میں کھو کر ہم تھینک یوگا ڈکھنا ہی بھول جاتے ہیں۔ پھر جب کسی وجہ سے ہم دنیا کا ساتھ نہیں دے پاتے تو اسے برا کہتے ہیں۔ چہ چہ۔۔۔ یہ تو اچھی بات نہیں ہے نا۔۔۔؟ سنی اس کی باتیں نہیں سمجھ رہا تھا پھر بھی آخر میں اس کے پوچھنے پر یونہی سر ہلانے لگا اور وہ سنی کو کب سنارہی تھی، اس کی آڑ میں اس سے مخاطب تھی۔

آپ کے ماما کو کم از کم آپ کیسے دنیا کو برا نہیں کہنا چاہیے۔ اس لیے کہ آپ کے سامنے طویل زندگی ہے۔ اس میں آپ کو بہت کچھ پانا ہے اگر ابھی سے آپ کا معصوم دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا تو اپنے ماما کی طرح آپ بھی ایک کمرے میں بند ہو کر مرنے جاؤ گے اور یہ اچھی بات نہیں ہے۔ آپ باہر نکلو، سارے رنگ آپ کے ہیں لیکن ایک بات یاد رکھنا بیٹا کہ ان رنگوں میں کھو کر کبھی تھینک یوگا ڈکھنا نہیں بھولنا۔۔۔ اوکے؟

وہ سنی کا کال تھپک کر پلٹے سے مسکرائی اور جانے اس کی اپنی زندگی پر اس وقت کون سا رنگ تھا کہ مسکراتے ہو بھی وہ بے حدا اس اور تنہائی لگ رہی تھی۔ بندہ خود تار یک راہوں پر کھرا ہوا اور دوسروں کو روشنی کی بشارت دے۔ کہ تو تھا۔ وہ اچانک اس کے سامنے خود کو بہت چھوٹا محسوس کرنے لگا۔ کچھ مضطرب سے انداز میں اٹھتے ہو بولا۔

سنی۔۔۔ آپ کی ٹیجر تھیک کہہ رہی ہیں۔ دیکھا تو آج بھی اسی طرح خوبصورت ہے بس ہم۔۔۔ اس کے دیکھنے پر وہ ہونٹ بھیج کر الماری کی طرف بڑھ گیا۔ تب اس نے گھڑی پر نظر ڈالی پانچ بج رہے تھے۔

چلو بیٹا۔۔۔ اپنی کتابیں سمیٹو ماما میں جارہی ہوں۔ وہ کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئی اور سنی سے ہاتھ ملا کر دروازے تک آئی تھی کہ اس نے پکار لیا۔

سنیں ٹیجر۔۔۔ اس نے رک کر سوالیہ نظروں سے دیکھا تو فقط اتنا بولا۔
تھینک یو۔۔۔ وہ نہیں سمجھی اور وضاحت سننے کے لیے پوری اس کی طرف گھوم گئی جب اسے اپنی بات کہنی پڑی۔

آپ نے بروقت احساس دلادیا میری منہ مناجانے میں اس معصوم ذہن کو۔۔۔ آپ پلیز۔۔۔ ٹھیکس ناں۔۔۔ میں چامگواتا ہوں۔ وہ اپنی پہلی کامیابی پر ذرا سہا مسکرائی پھر معذرت کرتے ہو بولی۔

سوری۔۔۔ چاکے لیے رکی تو دیر ہو جا گی۔

ڈرامیور چھوڑ آ گا۔

سوری آگین۔۔۔ میں گڑی میں جانا افور نہیں کر سکتی۔

آپ سمجھیں نہیں۔۔۔ میں نیکی کی بات نہیں کر رہا۔ وہ اس کے الجھنے پر مظلوم ہو کر بولی۔

میں سمجھ گئی ہوں لیکن اپنی بات آپ کو نہیں سمجھا سکتی۔۔۔ اوکے۔۔۔ خدا حافظ۔۔۔ وہ بڑے آرام سے اسے الٹھتا چھوڑ کر باہر نکل آئی۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ وہ جواتی ڈرپوک اور بزدل ہوا کرتی تھی۔ وہ اس خوبی سے حالات سے نہر آ زما تھی کہ کسی کی وقت اسے خود اپنے آپ پر حیرت ہوتی کہ وہ خود اندر سے شکستہ اور مایوس ہونے کے باوجود کسی طرح دوسروں کو حوصلہ دینے کھڑی ہو جاتی ہے۔ بھیا کے لیے وہ خود بہت مگر مند تھی۔ گو کہ اب ان کے خط باقاعدگی سے آتے تھے لیکن وہ آئندہ کا سوچتی تھی یعنی عزیز رشتہ دار سب اتنا جانتے تھے کہ بھیا باہر گئے ہو ہیں۔ یہ کسی کے علم میں نہیں تھا کہ وہاں وہ ایسری کے دن کاٹ رہے ہیں اور ان کی واپسی پر ظاہر ہے لوگ اسی حساب سے ان کی پذیرائی کریں گے جیسے باہر آنے سے والوں کی کی جاتی ہے۔ پھر ان سے جھوٹے مولے تحائف کا مطالبہ بھی کیا جا گا اور وہ جو خود تہی دست ہوں وہ کسی کو کیا دیں گے بھلا۔۔۔؟

(چنانچہ اماں کی دور رس نگاہ میں ان حالات تک رسائی حاصل کر چکی تھیں یا نہیں۔؟)

وہ ضرور سوچتی اور کڑھتی تھی اس کے باوجود جب بھی نبیلہ کو آ زردہ یا مایوس دیکھتی اسے سمجھانے بیٹھ جاتی۔ اس طرح اس کی اپنی زندگی میں دور دور تک کوئی دیا نہیں جلتا تھا۔ کچھ لوگ جو اس کے انتظار میں تھے کہ اس کا بھائی باہر سے اس کے لیے بہت سارے سامان لے کر آ گا وہ یقیناً بھیا کے خالی ہاتھوں کو دیکھتے دیمہ موز میں گے اس لیے کسی خوش فہمی کا دامن تمام کر کچھ دیر کو ہی سہی اپنی اندھیری راہوں میں کوئی دیا نہیں جلا یا تھا۔ اس کے باوجود آغا جہانگیر کے راستے میں چراغ رکھ رہی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ ان چراغوں کی روشنی میں جب وہ اپنا راستہ پالے گا تو پھر اسے اپنا اس دنیا میں مہو جا گا اور یہاں کچھ زیادہ حقیقت پسندی سے سوچتے ہو وہ کچھ غلطی کر رہی تھی۔ اسے خبری نہیں تھی کہ وہ چراغوں کی گواہی کی آنکھوں میں دیکھتا ہے۔

اگر دنیا پھر سے حسین نظر آ نیلگی ہے تو سارا حسن صرف اس کے وجود کا مرہون منت ہے۔ اگر زندگی سے پیار ہونے لگا ہے تو صرف اس کے لیے لیکن وہ اپنے جذبوں پر بند باندھنے پر مجبور ہے بلکہ بے حد خوفزدہ کہ ایسا نہ ہو کبھی انجانے میں ہی احتیاط کیوں تک آ جا اور جواب میں اگر لحاظ مروت کا دامن تمام کر دے کچھ بھی نہ کہے گی جب بھی اس کی ایک نظر اسے مار ڈالنے کیلئے کافی ہوگی۔ سارا دن اسے سوچتے اس کا انتظار میں گزرتا اور جب وہ آتی تو خود پر ہزار پہرے بٹھا دیتا۔ کبھی بے اختیار بولنے میں پہل کر تا تو کبھی رک رک جاتا اور وہ کیونکہ بہت کم اسے براو راست دیکھتی تھی اس لیے سمجھ نہیں پاتی تھی۔ قصداً سر جھکا کر کبھی ادھر ادھر دیکھتے ہو اور اکثر سامنے رکھے گلدستے پر نظریں جمادہ روانی سے بول جاتی تھی۔ بہر حال اس

عرصے میں وہ اس کے ساتھ ہلکے ہلکے مشغولات پر بڑے آرام سے بات کرنے لگا تھا اور ظاہر ہے سنی کو پڑھانے کا تو بہانا تھا ورنہ اس کا اصل کام اسے مایوسیوں سے نکال کر یہ یقین دلانا تھا کہ وہ قابلِ لغزت نہیں ہے۔ اس لیے اب وہ بڑے آرام سے سنی کو پندرہ منٹ میں ہوم ورک کروا کر فارغ کر دیتی پھر اس کیساتھ کوئی موضوع چھیڑ دیتی اور ہر معاملے میں خود اس کی اپنی معلومات صفر ہوتی کیونکہ اس نے بہت محدود زندگی گزارنی تھی جبکہ اس کی نہ صرف معلومات بلکہ مشاہدہ بھی بے حدود وسیع تھا پھر بھی وہ ظاہر نہیں کر رہا تھا بلکہ کم بولتا اور اسے زیادہ موقع دیتا۔ پتا نہیں شاید وہ بولتی ہوئی اچھی لگتی تھی۔ اس وقت بات کرتے کرتے وہ اچانک اسے پوچھنے لگی۔

آپ اتنے الگ تھلک کیوں ہو گئے ہیں۔۔۔؟ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو خود ہی کہنے لگی۔
غالباً لوگوں کے رویوں سے دلبرداشتہ ہو کر آپ نے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے لیکن یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔۔۔؟

یہ آپ اس لیے کہہ رہی ہیں کہ یہ سب آپ کیساتھ نہیں ہوا۔ آپ تصور بھی نہیں کر سکتیں کہ مجھے کیسی کسی نظروں کا سامنا کرنا پڑا۔۔۔ پھر لوگوں کے رویہ مار کس۔۔۔ اس کے اندر ڈھیر ساری تنہائی تھی جو اس کے لہجے میں درآئی تھی اور وہ بہت خاموشی سے اسے سننے لگی۔
شروع میں میں یوں الگ تھلک نہیں ہو گیا تھا۔ کیونکہ مجھے تجاہر بننے کی عادت ہی نہیں

تھی۔ خود سے دوستوں کے پاس چلا جاتا لیکن مجھے دیکھ کر سب منہ مڑا لیتے اور پیسے میں نے اس بات کو اتنا محسوس نہیں کیا کیونکہ میں خود بھی آئینے میں اپنے آپ دیکھ سکتا تھا اور ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ جب تک میرے چہرے کے زخم اچھی طرح نہیں بھر جاتے سرجری ممکن نہیں ہے۔ بس پھر زخم بھرنے تک ایسے ایسے واقعات ہو کہ میں الگ تھلک ہو گیا۔ اب آپ کہیں گی یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔

جی۔۔۔؟ دو سچ کچھ پٹھانی اور قدرے توقف سے وہ کہہ کر ی سانس لے کر بولا۔
اب کیا اچھا ہے کیا برا۔۔۔؟ یہ تو میں نہیں جانتا۔ بس میں نے اپنی الگ دنیا بسالی ہے۔
تہنائیاں بھی اچھی لگنے لگی ہیں۔ ایک عمر مشورہ اور ہنگاموں میں گزری اور جیسا کہ آپ نے کہا تھا کہ رنگینیوں میں کھو کر انسان تھیک ہوگے ڈاکٹر بھول جاتا ہے تو میں بھی بھولا رہا، یاد اس وقت آیا جب سب ساتھ چھوڑ گئے۔

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہم سب کسی نہ کسی حادثے سے دو چار ہونے کے بعد ہی خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اس سے پہلے تو وہی جہنمی کلاس میں رہا ہوا سبق زبانی اوہراتے ہیں کہ اللہ ایک ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، وہ بڑی قدرت والا ہے اور ہم ماننے اس کی قدرت کو اسی وقت ہیں جب ہمارے ساتھ کوئی انہونی ہو جاتی ہے۔ اس کے لہجے میں غفلتوں کے دکھ بول رہے تھے۔
پھر ایک نظر اس پر ڈال کر کہنے لگی۔

بہر حال۔۔۔ آپ اپنی اس الگ دنیا میں مطمئن کسی پھر بھی آپ کو دوسروں کا خیال

ضرور کرنا چاہیے۔ زندگی صرف اپنے لیے جینے کا نام نہیں ہے پھر آپ تو اپنے والدین کا واحد سہارا ہیں۔ دوسروں کے غلط رویوں کا بدلہ ان سے کیوں لے رہے ہیں۔۔۔؟

کیا مطلب ہے آپ کا۔۔۔؟ وہ جو سگریٹ سلگا رہا تھا۔ ایک دم سگریٹ ہونٹوں سے نکال کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

میں کوئی مشکل بات نہیں کر رہی۔ آپ کو خرد سمجھنا چاہیے کہ آپ کی کنارہ کشی آپ کے والدین کے لیے کس قدر تکلیف کا باعث ہے۔ بیٹا جوان ہو جا تو پھر باپ خود کو پھر سے توانا محسوس کرنے لگتا ہے اور ماں کی تو ایک ہی آرزو ہوتی ہے۔ وہ بات کے اختتام پر قصداً اسے دیکھ کر مسکرائی اور وہ اپنے آپ پر ہنسا۔

میں۔۔۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔۔۔؟

کچھ کر سکتے ہیں بشرطیکہ خود کو اس زندگی سے باہر نکال لیں۔

نہیں۔۔۔ وہ کسی بچے کی طرح خوفزدہ ہوا اور دوبا قاعدہ اس کے سامنے جھمکی۔

کیوں نہیں۔۔۔؟

مجھ میں مزید تھنیک کا نشانہ بننے کا حوصلہ نہیں ہے۔ اس عیاض گوئی سے اپنی کمزوری کا اعتراف کیا۔

اتنے کم حوصلہ لگتے تو نہیں آپ۔۔۔؟ وہ جانے کس بنا پر کہہ گئی پھر فوراً سنہیل کر بولی۔

بہر حال۔۔۔ اس طرح نہیں تو پیسے جری کر دایش۔

نہیں۔۔۔

اور اس بار وہ زوج ہو کر بولی۔

کیوں نہیں۔۔۔؟

بس نہیں۔۔۔ وہ ضدی لہجہ میں بولا۔

اپنے اس چہرے کے ساتھ میں نے دنیا کو پہچانا ہے۔

تو پھر اس چہرے کے ساتھ دنیا کا سامنا کریں۔ ویسے میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ سب لوگ آپ کے دوستوں جیسے نہیں ہوتے۔۔۔ صرف ظاہری خوبصورتی پر مرنے والے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر دوسرا شخص زندان میں نظر آتا۔ اس نے ایک ٹکڑھ رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر سامنے گلدستے پر نظریں جماتے ہو بولی۔

آپ پرواہ کیوں کرتے ہیں۔۔۔؟ جو آپ کو دیکھ کر منہ موڑے آپ بھی منہ موڑ لیں۔

آپ صرف اپنے والدین کی پرواہ کرتے ہو ان کی آرزوؤں کی تکمیل کریں۔

وہ بہت خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور اب جیسے اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا جب ہی

کاغذ پھولوں کو چھیرنے میں لگ گئی۔ کچھ پر بعد وہ کہنے لگا۔

میں اپنے ڈیڈی کا بازو بن سکتا ہوں لیکن ممی کی خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ میرے

خیال میں کوئی ڈی ڈی ہوش لڑکی مجھ سے شادی نہیں کر سکتی۔

یہ محض آپ کا خیال ہے۔ وہ بیدھیانی اور روانی میں کہہ گئی تو وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتا

رہا۔ پھر ایک دم اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں جکڑ کر بولا۔

آپ۔۔ آپ کریں گی مجھ سے شادی۔۔؟

وہ اپنی جگہ سن ہو کر رو گئی اور سینے کے اندر دل پتے کی طرح لرزے لگا تھا۔

جواب دیں ربیعہ۔۔ میرے ساتھ چلی جاتی ہیں۔۔ اس کا انداز بے حد جارحانہ تھا

اور اس کے ہاتھ کو اتنی زور سے دبایا کہ تکلیف سے اس کی آنکھوں میں پانی اتر آیا، ہونٹ

کائے ہو چرہ دوسری طرف موڑ گئی تب اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے صاف سے بولا۔

جب آپ میرا ساتھ نہیں دے سکتیں ربیعہ۔۔ تو سمجھ لیں کوئی نہیں دے سکتا۔

وہ پھر سے مایوسیوں سے پامال میں اتر رہا تھا اور اس مقام پر وہ اتنی بے بسی تھی کہ ایک لفظ

نہیں کہہ سک۔ بمشکل تمام قہقہوں کو سہارا دے کر کھڑی ہوئی اور اس کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل

آئی۔

تین دن سے وہ نہ آفس جاری تھی اور نہ سنی کو پڑھانے۔ گھر میں بھی کسی کام میں دل

نہیں لگ رہا تھا۔ عجیب سی بے کلامی تھی۔ پیغام اداسیاں اور ذہن یکسوئی سے کچھ سوچ ہی نہیں پار با

تھا۔ شاید اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ بات بڑھتے بڑھتے اس تک آ جاگی۔ وہ تو اپنی دیوٹی

نہا رہی تھی۔

لیکن نہیں اب اس پر اور اک، ہور ہاتھ اور پیغام سی اداسیاں بھی گواہ تھیں کہ یہ صرف اس

کی دیوٹی نہیں تھی۔ دیوٹی تو صرف آس کی حد تک تھی۔ اس کے بعد کوئی اور سی جذبہ تھا جو

کشاکش کشاں اس کے گھر کی طرف لے جاتا تھا اور اس جذبے کو وہ کوئی نام کیا دیتی خود سے بھی

پوشیدہ رکھتی رہی تھی کہ وہ تو پھر سے دنیا کی رنگینیوں میں گم ہو جا گا تب وہ اسے کہاں ڈھونڈتی

پھرے گی اور اگر ڈھونڈ بھی لیا تو وہ کہاں پہچانے گا بھلا۔۔؟ شاید اپنی یادداشت کھنگالتے ہو

کہہ دے۔ آپ سنی کی نیچر ہیں۔ بے حد آرزوگوں میں گھری وہ مسلسل اسی نیچ پر سوچ رہی

تھی کہ نیلہ نے انہیں کس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔؟ کوئی پریشانی ہے تو بتاؤ۔۔؟ اس نے گہری سانس کھینچ کر

اندر کی آرزوگی سے چھٹکارا پانے کی کوشش کی اور خالی خالی نظروں سے نیلہ کو دیکھا تو وہ پوچھنے

لگی۔

کیا جاب چھوٹ گئی ہے۔۔؟

نہیں تو۔۔۔

پھر آفس کیوں نہیں جا رہیں۔۔۔؟

بس۔۔ کچھ آگتا ہٹ سی ہونے لگی تھی۔ میں نے سوچا ایسا نہ ہو غلطیوں پر غلطیاں کرتی

جاؤں اور ہمیشہ کے لیے چھٹی ہو جاؤں اس سے پہلے خود ہی ہفتہ بھر کی چھٹی لے لی۔ اس نے

خوبصورتی سے بات بنانے کی کوشش کی لیکن نیلہ بغور اسے دیکھ رہی تھی پر سوچ انداز میں بولی۔

مجھے گستاخہ تم کوئی غلطی کر چکی ہو۔ اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا۔ نظریں چراتے ہو

بولی۔

کیا مطلب۔؟ کس بات کا خمیازہ بھگت رہی ہو۔۔؟ بے نیہ کبھی نہیں پھر کبھی تشویش کا

اظہار کیا تو وہ تصداق سے ہنس پڑی اور اسی طرح ہلکے پھلکے انداز میں بتانے لگی۔

بس بھائی۔۔ شروع میں غلطی ہو گئی جو میں نے باس کی بات مان لی تھی۔ گوکہ انہوں نے مجھے سوچنے کو وقت دیا تھا لیکن ہمارے پاس وقت نہیں تھا۔ گھر کے حالات کے پیش نظر مجھے فوراً ہی بھرنی پڑی ورنہ شاید میں منع کر دیتی کیونکہ یہ جاب میرے بس کی بات نہیں تھی۔

بہر حال اب اپنی اسی غلطی کا خمیازہ بھگت رہی ہوں۔ اس بار وہ بات بنانے میں کامیاب ہوئی تو نیلدا اس سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہو ہوئی۔

میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ یہ تم پر ظلم ہے۔ جاب کرنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔

ایسا کرو چھوڑ دو، ایک دو مہینے میں تمہارے بھیا بھی آنے والے ہیں۔

ہاں وہ تو جیسے۔۔ وہ کڑوا چ بولنے جاری تھی کہ ایک دم ہونٹ بچھنے لگے اور نیلدا نادان نہیں تھی، دکھ سے بولی۔

ٹھیک کہتی ہو۔ ان کے آنے سے کون سا ہمارے درد دور ہو جائے گا۔

ارے۔۔ آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ بھیا آجائیں گے یہ کیا کم خوشی کی بات ہے۔ پھر

اس کے بازو میں چٹکی کاٹنے ہو ہوئی۔

بہت دوغلی ہیں آپ۔۔ خط میں تو لکھ رہی تھیں میرا تھم ہو۔۔ تم ہی لوٹ کے

اس میں دوغلا پن کیا ہے۔۔؟

بتاؤں کیا ہے۔۔؟ اس نے لگد لگائے کیلئے ہاتھ بڑھایا لیکن نیلدا اٹھ کر بھاگ گئی۔

رات میں مونے لیٹی تو پھر وہی سوچیں تھیں اور دکھ صرف اس بات کا نہیں تھا کہ وہ بارہری تھی اس شخص کا خیال زیادہ بچکن کر رہا تھا جو اچانک اس کا ہاتھ تمام لگیا تھا اور اس کے منہ موڑ لینے پر پتا نہیں اس پر کیا ہوتی ہوگی۔ ٹھیک تو کہہ رہا تھا وہ کہ جب آپ میرا ساتھ نہیں دے سکتیں رہیجے تو سمجھ لیں کوئی نہیں دے سکتا۔

(اور میں تمہارے ساتھ کیسے دے سکتی ہوں آغا۔۔ میں تو بہت عام ہی لڑکی ہوں۔)

اسے اپنی کم مائیگی کا احساس ملا گیا۔ کتنی دیر تک بیا واز آنسوؤں سے تکیہ بھگوتی رہی پھر سوچا وہ اسے ساری صورت حال سچ بتا دے گی کہ وہ محض تنخواہ دار ملازم ہے جو یونیٹ اسے سوچنے لگی، وہ وہی نبھار رہی تھی اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرح اسے دیکھ کر منہ نہیں موڑ سکتی اور یہ ساری باتیں اس کے سامنے کہنے کے لیے بہت ہمت چاہیے تھی جو اس میں نہیں تھی۔ تب اس نے ٹیلیفون کا سہارا لیا۔ اگلی صبح اماں سے آفس فون کرنے کا کہہ کر قہر پی لی سی او سے اسے ریک کر ڈالا۔

آغا جابنگیر اسپیکنگ۔۔ حاصلا غلت بھرا انداز تھا اور وہ اس کی آواز سن کر ہی سب بھول

گئی۔ بمشکل کہہ پائی۔

پوچھنے لگا۔

نچر۔۔ آپ کیوں نہیں آ رہی تھیں۔۔؟

میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ سرسری سے انداز میں کہہ کر اس کی ڈائری دیکھنے لگی۔

صفحہ 131

لیکن ماما کو کہہ رہے تھے آپ ڈر لگی ہیں۔ سنی نے سادگی سے کہا تو وہ چونک کر بولی۔

کس سے۔۔؟

پتا نہیں۔۔ سنی نے لاطینی کا اظہار کیا تو وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر ڈائری اس

کے سامنے رکھ کر بولی۔

چلو۔۔ آپ اپنا ہوم ورک کرو۔ سنی کھٹے میں مصروف ہو گیا اور وہ دل ہی دل میں

دعاؤں مانگنے لگی کہ اس سے سامنا نہ ہو کہ نکلے وہ ہرگز بھی خود میں اتنی اہمیت نہیں پارتی تھی۔

عجیب مشکل تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی وہ ہر شے کو کھوکھلا رہا تھا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوگا

پھر کہے گا۔ جواب دو کیا تم میرے ساتھ چل سکتی ہو۔؟ اور اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

ہاں یا نہیں کہنا آسان تھا۔ بات ہی ختم ہو جاتی جبکہ وہ تیسرے راستے پر کھڑی تھی جہاں کبھی

مصلحتیں دامنِ ختم میں کبھی مجبور یاں اور کبھی کوئی خواہش چپکے سے سرگوشی کر جاتی۔ بہر حال

مسلل دھڑکے سے پریشان ہو کر اس نے کچھ ڈرتے ڈرتے سنی سے پوچھا۔

سنو بیٹا۔۔ آپ کے ماما کہاں ہیں۔؟

جی میں رہی۔۔۔ دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر وہ انتظار کرتی رہی کہ وہ کچھ

کہے تب بات بڑے لیکن وہ کچھ نہیں بولا اور اس کی اور کچھ کچھ نہیں آیا تو کہنے لگی۔

ایسا ہے کہ میں دو تین روز سنی کو پڑھانے نہیں آسکوں گی۔

پچھلے تین روز سے بھی آپ نہیں آ رہیں اور مزید کوئی چھٹی نہیں ہوگی۔۔۔ آپ کو آج

آنا ہے۔ وہ تدریجاً سخت انداز میں حکم صادر کر کے فون بند کر گیا اور وہ پریشان ہو گئی۔ پھر خود کو

کوئی رہی کہ نائق فون کیا۔ آرام سے تین دن بعد جاتی اور اس وقت وہ جو کہتا سن لیتی۔ اب

اگر نہیں جاگی تو گریز ہو جاگی۔

دو پہر تک وہ نہ صرف اس کے لہجے کو سوجھتی رہی جس میں تحکم اور کڑھکی تھی بلکہ یہ بھی کہ

پتا نہیں اب اس کے ساتھ کس طرح پیش آ اور اس معاملے میں وہ خاصی بزدل تھی۔ جیسا کہ

باس نے بتایا تھا کہ خلاف مزاج بات ہو جائیں پر وہ چیخنے چلانے لگتا ہے اور اسے لگ رہا تھا

جیسے اب وہ مرحلہ آ گیا ہے۔

تمام راستہ وہ خرد کو اس نئی صورت حال کے لیے تیار کرتی رہی۔ پھر بھی جب اس کے گھر

میں داخل ہوئی اندر سے بہت سبکی ہوئی تھی۔ سنی اپنا بیگ لے کر اس کے اسٹڈی روم میں

جانے لگا تو اس نے بہت خاموشی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر دھیمی آواز میں بولی۔

آؤ۔۔۔ اور شنگ روم میں چلتے ہیں۔

سنی نے اس سلسلے میں کوئی سوال نہیں کیا چپ چاپ اس کے ساتھ آ گیا پھر جب بیٹھا تو

آفس۔۔ سنی نے ہنوز مصروف رہ کر مختصر جواب دیا اور اسے سچ اپنی بات سمجھ پر مشہد ہوا۔

کیا۔۔؟ کیا کہا آپ نے۔۔؟ کہاں میں آپ کے کما۔۔؟

ماما آفس گئے ہیں۔ اس کے جیتا بھائی پوچھنے پر سنی نے مصیبت سے اسے دیکھا پھر اسی انداز میں بولا۔

تھینک یو گاڈ۔۔۔ ماما آفس جانے لگے ہیں۔ ٹیچر آپ بھی کہیں ناں۔۔۔

ہاں تھینک یو گاڈ۔۔۔ وہ چونک کر بولی اور صوفے کی بیک پر سر رکھا تو اچانک آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ کوئی نیا نوکھا احساس تھا۔ شاید پالینے سے بھی بڑھ کر جس کی گرفت میں آ کر وہ کچھ دیر کو سب کچھ بھول گئی۔ گلاس وال سے پرے پھولوں پر خوبصورت رنگوں کی تہی منڈلا رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں ٹھہری نمی نے اس منظر کو قدرے دھندلا دیا تھا پھر بھی وہ اسی پر نظریں جمائی بیٹھی تھی۔ جی ڈرامیوے پر گاڑی آن رکی۔ پھول، تہی پس منظر میں چلے گئے اور وہ منظر پر آ گیا۔ آف دہلٹ سفاری سوٹ میں اس کا دراز قدم اور نم لیاں ہو گیا تھا۔ قدم منسوبی سے جھٹکا وہ اس طرف آ رہا تھا اور وہ جیسے اپنی جگہ پتھر کی ہو گئی تھی۔ حواس تک ساتھ نہیں دے رہے تھے بس سینے کے اندر ایک دل تھا جو اس کے ہر قدم کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ پھر عین اس کے سامنے آ کر دوڑ گیا اور سنی کو مخاطب کر کے بولا۔

سنی۔۔ آپ جاؤ۔۔ باقی ہوم ورک شام میں کر لینا۔

لیکن ماما۔۔۔ ٹیچر تو چلی جا نہیں گی۔

میں کرادوں گا۔ تین دن سے بھی تو میں کروا رہا تھا۔۔۔ جاؤ شاہاش۔۔۔

سنی اپنی کتابیں بیگ میں رکھ کر کھڑا ہوا تو اس کے ساکت وجود میں ذری حرکت ہوئی۔ بے حد سبکی ہوئی نظروں سے سنی کو جاتے ہو دیکھنے لگی۔ وہ دروازے سے نکل گیا تب بھی وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

ربیعہ۔۔۔ بالآخر اسے متوجہ کرنا پڑا اور متوجہ ہوتے ہی وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ ٹیکل پر اس نے اپنا بیگ اٹھا۔ پھر جیسے ہی جانے کے لیے قدم بڑھا، وہ بول پڑا۔

میں نے آپ کو جانے کیلئے تو نہیں کہا۔

یہ تو طے نہیں ہے کہ آپ کہیں گے تب ہی میں جاؤں گی۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

لیکن وقت تو طے ہے۔ آپ پانچ بجے سے پہلے نہیں جا سکتیں اور ابھی صرف چار بجے ہیں،

(اف۔۔) وہ پتا نہیں کیا چاہتا تھا۔۔۔؟ وہ خامی جزیرہ ہو کر بولی۔

جب سنی کو پڑھنا نہیں تو میں کیا کروں۔۔۔؟

اس سے پہلے کیا کرتی تھیں۔۔۔؟ سارا وقت آپ کا سنی کو پڑھانے میں نہیں گزارتا تھا۔

۔۔۔؟

ہلکے سے طنز کے ساتھ اس نے جتا یا تو وہ وہابی ہوگئی۔

ہلیر۔۔۔ مجھے جانے دیں۔

مجھ سے خلیفہ ہیں۔ اصمیان رکھیں میں آپ کا محاسبہ نہیں کروں گا کوکہ یہ میرا حق ہے پھر بھی میں آپ سے یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ کیا نوٹے ہو شخص کو مزید تو ذکر کیا ملا آپ کو؟ اس کے لہجے کی کشش کی چھان چھپی اور اسے زیادہ دکھایا بات کا تھا۔ بہت بے قرار ہو کر اس کی طرف دیکھا تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر بولا۔

جاسکتی ہیں آپ۔۔۔

وہ بہت بوجھل قدموں سے باہر نکل آئی۔ پھر اچھی اس کی چھٹی ہاتھی لیکن جس کی وجہ سے گھر بیٹھ رہی تھی اس سے تو سامنا ہو گیا تھا پھر مزید چھٹی کا کیا فائدہ تھا الٹا فراغت پریشان ہی کر رہی تھی۔ اس لیے اگلے دن وہ آفس چلی آئی۔ اسے دیکھ کر یاسمین نے تعجب کا اظہار کے ساتھ کہا۔

ہائیں۔۔۔ تمہیں تو بیٹھنا تھا۔۔۔؟

تمہارے خیال سے چلی آئی کہ تم بورہو رہی ہوگی۔ اس نے مسکرا کر محبت جتنی لیکن وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

میرا خیال مت کرو بی بی۔۔۔ مجھے تمہاری بہت عزیز ہے۔

بہت ناشکری ہو تم۔۔۔ ایمان سے اگر میرے گھر میں اتنے افراد ہوتے تو میں۔۔۔

شکر کر رہی نہیں ہیں۔ یا یسین نے فوراً لوک دیا پھر ایک فائل اس کے سامنے رکھتے ہو بولی۔
لو اب آئی گئی ہو تو اسے دیکھ لو اور ذرا دھیان سے دیکھنا۔ غلطی ہوگئی تو وہ گورہ گز نہیں

چھوڑے گا۔

کون گورہ یا۔۔۔؟ صفحے پلٹتے ہو اس نے سرسری انداز میں پوچھا۔

ارے ہاں۔۔۔ تم نے تو نہیں دیکھا کہ۔۔۔ خیر آج دیکھ لینا اپنے ہاں کے صاحبزادے ہیں۔۔۔ مسٹر آغا جہانگیر۔ یا یسین نے بتایا تو صفحہ پلٹتے ہو اس کا ہاتھ وہیں رک گیا اور ابھی نئی صورت حال کو مچنے جاری تھی کہ یا یسین اس کی طرف جھک کر بولی۔

اف۔۔۔ کیا بتاؤں تمہیں کیا شخص ہے۔۔۔؟ دیکھ کر جہر جہری آ جاتی ہے۔ سچ مجھ سے تو نہیں دیکھا جاتا فوراً منہ موڑ لیتی ہوں۔ اسے جیسے کسی نے سر دفنانے میں دھکیل دیا۔ بہت چاہنے اور کوشش کے باوجود یا یسین کو لوک نہیں سکی جو باقاعدہ اس کا نقشہ کھینچنے لگی بھی پھر غائب ہاں کو آتے دیکھ کر اپنے کام میں مصروف ہوگئی اور اس سے اب کام نہیں ہو سکتا تھا۔ ہاتھوں میں سکت ہی نہیں رہی تھی جو صفحہ سامنے کھلا تھا نظریں اسی پرا دھر سے ادھر بھٹکتی رہیں۔ کتنی دیر گز گئی۔ چڑا سی چالے آیا وہ بھی پڑی پڑی ٹھنڈی ہوگئی، اسے پتا بھی نہیں چلا اور اسی بات نے یا یسین کو چونکا دیا۔ کیونکہ چاکے معاملے میں وہ ذرا تکلف نہیں کرتی تھی۔ جیسے ہی آتی فوراً کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیتی۔

خیریت۔۔۔؟ یہ تمہاری چاکیسے رکھی رہ گئی۔۔۔؟ یا یسین نے کہتے ہو اسے دیکھا پھر اس

کے ہم انداز پر اس کا ہاتھ بلا کر پوچھنے لگی۔

کیا ہوا ہے۔۔۔؟ تم ٹھیک تو ہو۔۔۔؟ اس نے ایسے ہی انداز میں ذرا سا اثبات

میں سر ہلا دیا۔

نہیں۔۔۔ مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔

میں ٹھیک ہوں۔۔۔ اس نے گہری سانس کھینچی پھر قصد اسکر آکر بولی۔

مجھے تمہاری باتوں نے چکرا دیا تھا۔

پھر تو تم فوراً گھر چلی جاؤ، کیونکہ اسے دیکھ کر تو تمہارا ہارٹ فیل ہو جاگا۔

حکومت۔۔۔ اس نے ناگاری سے ٹوکا پھر کمپیوٹر میں ڈسک لگا رہی تھی کہ انٹرکام پر

باس کا بلاوا آ گیا۔ دو ڈسک یا ایمین کو تھما کر باس کے کمرے میں آ گئی اور انہوں نے بھی وی

کہا۔

ابھی آپ کی دوہوں کی چٹائی باقی تھی۔

لیس سر۔۔۔ لیکن اب مجھے چھٹی کی ضرورت نہیں ہے۔

اچھی بات ہے۔۔۔ بیٹھیں۔۔۔ وہ بیٹھ گئی تو کہنے لگے۔

مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ آپ نے آغا کو گھر سے باہر نکلنے پر آمادہ کر لیا۔ دو آفس

آنے لگا ہے اور گوکہ ابھی لوگوں کیس اتھ اس کا رویہ کچھ اکڑا کھڑا سا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں

آہستہ آہستہ نارمل ہو جاگا۔

جی۔۔۔ ان کے خاموش ہونے پر اسے یونہی کہنا پڑا۔

اور ہاں۔۔۔ مس آپ کے آفس کے ہوم ورک سے بھی بہت خوش ہوں۔ بہت جلدی

سیکھ لیا آپ نے اب آپ۔۔۔ ذرا واہ کھلنے سے ان کی بات اسوری رو گئی اور وہ ادھر دیکھتے

ہو سکرا کر بولے۔

آؤ آغا۔۔۔ ابھی میں تمہاری ذکر کر رہا تھا۔

(اف) اس کا دل اتنی زور زور سے دھڑکنے لگا۔ جی جی اسے لگا جیسے ابھی اس کا ساتھ

چھوڑ جاگا۔

کس سلسلے میں۔۔۔ وہ کہتا ہوا اس جگہ جا بیٹھا جہاں اول روز جب وہ انٹرویو کیلئے آئی تھی

تو باس نے اسے بٹھایا تھا اور بیٹھتے ہی نظر اس پر پڑی تو اپنی جگہ ٹھک گیا۔ پھر اسی انداز میں رک

کر بولا۔

آ۔۔۔ آپ۔۔۔ سنی کی ٹیجر۔

سنی کی نہیں تمہاری۔۔۔ ہر دو کیفیت سے بیخبر باس نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ کاش وہ اتنی

باہمت ہوتی کہ انہیں مزید کچھ کہنے سے روک سکتی اور اپنی بیسی پر اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔

دھند کے اس پار وہ شخص اپنے باپ سے تفصیل سنتے ہوئے نظر آ رہا تھا اور واقعی یہ ستم

ظرفی تھی کہ جب جذبہ اپنا آپ منا چکے تھے باس وی پرانی کہانی لے بیٹھے تھے۔ وہ

بیشکل تمام خود کو گھسیٹتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی اور کرسی پر گرتے ہی دوپٹے کے پلو سے

پکوں تک آئی نمی صاف کرنے لگی۔ کیا ہو رہا ہے۔۔۔؟
 کیا ہوا ربیعہ۔۔۔؟ یا یسمن نے نرمی سے پوچھا تو وہ عاجزی سے بولی۔
 سر یہ کچھ لیٹر زنجبیر تھے دو۔ اتنی بولدھ ہونے کے باوجود پتا نہیں کیوں یا یسمن بوکھلا گئی۔

اور یہ آپ کے ساتھ کون ہیں۔۔۔؟

ربیعہ۔۔۔۔۔ سر یہ پچھٹی پر تھیں آج آئی ہیں۔ یا یسمن نے ہیچر ویٹ کے نیچے رکھے
 کاغذات میں جانے کیا تلاش کرتے ہو جواب دیا تو وہ ایک دم ٹیکل پر اپنے دونوں ہاتھ جھا کر
 قدرے آگے جھٹکا ہوا بولا۔

مس یا یسمن۔۔۔۔۔ اور دیکھیں۔

جی۔۔۔۔۔ یا یسمن نے سٹپا کر دیکھا لیکن پھر فوراً نظروں کا زاویہ بدل لیا تو وہ ذرا سانس کر
 بولا۔

ڈریں نہیں۔۔۔۔۔ میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ نقصان تو وہ پہنچاتے ہیں جو
 بظاہر سادہ اور معصوم نظر آتے ہیں۔۔۔۔۔ کیوں مس ربیعہ۔۔۔۔۔؟ اچا کب اس کی طرف مڑا اور وہ
 جواسے دیکھ رہی تھی اس کی جھپتی ہوئی نظروں سے کٹ کر رو گئی۔

اوکے۔۔۔۔۔ سی یو۔۔۔۔۔ وہ ایسے ہی چپستے ہو لیجے میں کہہ کر چلا گیا تو یا یسمن جھرجھری
 لے کر بولی۔

کہیں تم جج مرٹون نہیں گئیں۔۔۔۔۔؟

مرنا اپنے اہتیار میں کہاں۔۔۔۔۔؟ اس کا انداز اور لہجہ کھویا تھا

مجھے اس وقت نہیں چھیڑنا دہانہ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگوں گی۔
 یا یسمن کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر اس خیال سے کہ کہیں وہ رونے نہ لگے، اپنے کام
 میں مصروف ہو گئی اور وہ اس بری طرح کھڑکی تھی کہ خود کو سینہا مشکل ہو رہا تھا۔ کاش وہ کل ہی
 آغا کو ساری حقیقت بتا دیتی۔ کتنا فرق پڑا تھا اس کے نہ بتانے اور باس کے بتانے سے۔ گو یہ
 حقیقت تو وہی تھی جو باس بتا رہے تھے لیکن اس میں اس کے جذبے شامل نہیں تھے اور اب دھک
 صرف اس بات کا نہیں تھا کہ وہ کبھی اسے یقین نہیں دلا سکے گی زیادہ دھک پھر اس کا تھا کہ وہ بے
 اعتبار ہو گیا تھا نہ صرف اس کا بلکہ کبھی کسی کا یقین نہیں کرے گا۔ مثنیٰ دیر بعد یا یسمن نے پھر اسے
 دیکھا وہ اذیتوں کے پل صراط عبور کرتی نظر آ رہی تھی۔ تب اس نے بڑے خلوص سے مشورہ
 دیا۔

سنو۔۔۔۔۔ ایسا کرو تم گھر چلی جاؤ۔

نہیں۔۔۔۔۔ وہ بنا چوٹے خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی اور اس سے پہلے کا یا یسمن اپنی
 بات دہراتی وہ ان کے سر پر آ کھڑا ہوا، یا یسمن نے فوراً اپنی نظریں اس کے سر پر جمادیں۔ انداز
 سے ظاہر تھا کہ اس کی طرف دیکھنا نہیں چاہتی اور وہ دیکھنا چاہتی تھی لیکن پکلیں اٹھ کر نہیں دیں
 اور وہ پتا نہیں کیا سوچ کر آیا تھا۔ ایک نظر اس پر ڈال کر یا یسمن سے پوچھنے لگا۔

ہائیں۔۔؟ یا سئیں بے حد حیران۔ پھر اس کی آنکھوں کیسا سنہ باتھ لہرا کر بولی۔
کون سی دنیا میں ہو۔۔؟

اسی دنیا کے رنگ دھبک رہی ہو۔ اس نے گہری سانس کھینچ کر اپنے اندر کی آزدگی کم کرنے کی کوشش کی۔ پھر ہلکے ہلکے بڑبڑائی۔

تھینک یو گاڈ۔۔۔ فار ایوری تھنگ۔ پھر روز اند تو دو تین بجے آفس سے نکل جاتی تھی اس کے بعد باس کے گھر جانا ہوتا تھا لیکن اس روز دو تین بجے کے بعد بھی بیٹھی رہی کیونکہ اس کے خیال میں اب اس کا کام ختم ہو گیا تھا۔ دو ایک بار یا سئیں نے نوکا بھی کہ اس کی چھٹی کا وقت ہو گیا ہے اور وہ بس ہوں ہاں کر کے رو گئی۔ آخر یا سئیں نے جھنجھاکر پوچھا۔

کیا باس میٹر تھرا رائیڈ ہم بڑھا دیا ہے۔۔۔؟

آخر تمہیں مرے بیٹھنے سے کیا تکلیف ہے۔۔۔؟ وہ چڑ کر بولی۔

لو۔۔۔ میں تو ایک بات پوچھ رہی ہوں۔ میری بلا سے قیامت تک یہیں بیٹھی رہو۔

یا سئیں نے برا مان کر اس کی طرف رخ موڑ لیا تب احساس ہوئے پر وہ فوراً اس کا بازو تھام کر بولی۔

سو ری یا ر۔۔۔ اصل میں میں۔۔۔

بس۔۔۔ اس وقت مجھے نہیں چھیڑو ورنہ میں تمہارا حشر خرا کر دوں گی۔ یا سئیں نے اس

کی بات دوسرے انداز میں لوٹائی تو وہ ہنس پڑی۔

تھیک ہے نہیں چھیڑوں گی۔۔۔ بس اتنا تھکاؤ ماراں تو نہیں ہوں۔۔۔؟
یا سئیں نے گھورنے پر اکتفا کیا۔ تب وہ اپنا بیگ اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

چلتی ہوں۔۔۔ باس سے کہوں گی میرا کہیں اور انتظام کر دیں۔ تمہیں میرا وجود برداشت

نہیں ہوتا، وہ کہتی ہوئی باہر نکلی تو سوچا باس سے پوچھ لے کہ اب اس کیسے کیا حکم ہے۔ ان کے

کمرے میں آئی تو وہ موجود نہیں تھا اور ان کے پنا سے سے معلوم ہوا کہ وہ سائٹ پر گئی ہیں۔

تب اگلے دن پر ناٹکی ہوئی وہ باہر آ گئی۔ گو کہ دھوپ میں شدت نہیں تھی لیکن گرمی عروج پر تھی

اور آج تو اسے گھر جانا تھا۔ کھڑی پر نظر ڈالی ساڑھے تین ہو چکے تھے۔ پہلا خیال یہی آیا کہ

جلدی جانے پر اماں کو کہیں گی لیکن اب وہ کیا کر سکتی تھی۔ کہیں ادھر ادھر بیٹھ کر تو وقت گزارنے

سے رہی۔ لہذا امر جھک کر اسٹاپ کی طرف چل پڑی اور ابھی چند قدم ہی بڑھی تھی کہ آغا نے

گاڑی اس کے بالکل قریب آن روکی اور باقاعدہ اتر کر بولا۔

آئیے نیچر۔۔۔ آج سے آپ کو لیجانے کی ذمہ داری میری۔ وہ اسے دیکھ کر ہی گھبرا گئی

تھی۔ اس کی بات پر تو پریشان ہو گئی۔ بخشل تھوک نکل کر بولی۔

نہیں۔۔۔ میں چلی جاؤں گی۔

لیکن مجھے یہ اچھا نہیں لگے گا کہ میں تو گاڑی میں جاؤں اور میری نیچر۔۔۔

میں اپنے گھر جا رہی ہوں۔ اسے نوک کر بتانا پڑا۔

کیوں۔۔۔؟ میرا مطلب ہے کہ وقت تو آپ کا میرے لیے مخصوص ہوتا ہے یا آپ

کے خیال میں اب مجھے نیچر کی ضرورت نہیں رہی۔ بظاہر کتنے پھلکے انداز میں بات کر رہا تھا لیکن وہ جانتی تھی انیڈا اندر کیا آتش فشاں لیے کھڑا ہے اور وہ ہرگز بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ خود کو انتہائی محسوس کرتے ہوئے اسے آتی بس کو دیکھنے لگی۔ تب اس کے لیے دروازہ کھولنے سے وہ وہ قدرے تحکم سے بولا۔

بیٹھ جائیں۔۔۔ مجھے آپ کی ضرورت ہے۔ آئی مین نیچر کی جو مجھے دنیا کا سامنا کرنا سکھائے۔

لگتا تھا سانسے حساب بیاہ کر دے گا۔ تھوڑی کوشش سے وہ خود کو سہارا دینے میں کامیاب ہو گئی تو براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ بولی۔

سوری۔۔۔ آپ اپنے لیے کسی اور نیچر کا انتظام کر لیں۔

کہاں ملے گی ایسی نیچر جو میری آنکھوں میں دیکھ کر بات کرے؟ وہ ذرا سا سر اونچا کرے اور دھر نظر نہیں بھڑکاتے ہو بولا تو اسے لگا وہ نہیں ڈھے جا گی۔ پھر قدرے توقف سے اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

بہر حال۔۔۔ جب تک دوسری نیچر کا انتظام نہیں ہوتا تب تک تو آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا ورنہ ممکن ہے میں دوبارہ اپنی تنہا دنیا میں لوٹ جاؤں گا۔

وہ سمجھ گئی کہ وہ ہرگز اسے نہیں بخشے گا جب ہی ہتھیار ڈالتے ہو بولی۔

ٹھیک ہے۔۔۔ آپ چلیں میں بھی آ رہی ہوں۔

آ رہی ہوں سے کیا مطلب۔۔۔؟ کاڑی میں بیٹھیں ورنہ۔۔۔ وہ غالباً اس کا ہاتھ پکڑنا چاہتا تھا اور اس کا ارادہ بھانپ کر وہ خود ہی جلدی سے بیٹھ گئی۔ پھر اپنی طرف کا شیشہ اتارتے ہو پہلی بار اس نے غور کیا کہ گزرت ہو لوگوں کی نظریں آغاز کے بعد فوراً اس پر ٹھہرتی ہیں اور ان نظروں میں ترحم، تاسف، تنقید اور جانے کیا کچھ ہوتا ہے۔ وہ کانپ کر رہ گئی۔ پتا نہیں سب کیا سمجھ رہے تھے اور اسے کوئی پروا نہیں تھی۔ بہت اطمینان سے بیٹھا اور دھیمی رفتار سے ڈراما نو کرنے لگا۔ وہ سخت الجھن میں گرفتار ہو گئی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ قریب سے گزرتے ہو کتیا دارہ لڑکوں نے اسے انتہائی واہیات ناموں سے پکارا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ نہ ہی گاڑی کی اسپید بڑھائی تب ہی اندر ہی اندر جزیز ہو کر وہ خود کھائی کے انداز میں بولی۔

اگر اسی رفتار سے چلتے رہے تو پانچ تو اسے میں بج جائیں گے۔
میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ وہ اطمینان سے بولا۔
کیوں۔۔۔؟

کیونکہ آپ مجھے گھر سمجھنے پر آمادہ کر چکی ہیں اب بتائیے ان لوگوں کو میں کیسے فیس کروں جو مجھے چونک کر دیکھتے ہیں۔۔۔؟ ہر مختلف ناموں سے پکار رہے ہوں گے۔
میرے خدا۔۔۔ وہ اس کا دیکھ محسوس کر کے بے اختیار رو پڑی۔

ارے۔۔۔ وہ ذرا سا ہنسنا۔

یہ سب آپ کو تو کچھ نہیں کہہ رہے ہیں؟۔۔۔
 بس کریں آغا۔۔۔ مجھے یہیں اتار دیں۔ وہ سسک کر بولی تو اس نے گاڑی ایک طرف
 کر کے روک دی۔ وہ یہی سمجھی اسکا اترنے کیلئے روکی ہے جب عی دروازہ کھولنے لگی لیکن اس
 نے ایک بار پھر اسی طرح اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں جکڑ لیا اور قدرے رک کر تلخ لہجے میں بولا۔
 دیکھ لیا آپ نے۔۔۔ کیسے کیسے دھم لگاتے ہیں لوگ۔۔۔ لیکن خدا کی قسم ربیعہ۔۔۔
 کبھی کسی زخم سے اتنی ٹیس نہیں اٹھی جتنی ٹیس آپ ک لگا ہوز خرم سے اٹھی ہے۔
 وہ ایک دم سناٹے میں آ گئی۔

میرے ساتھ اتنا ہی سبک مذاق کیوں کیا آپ نے۔۔۔ اگر مجھے دوبارہ اسی اندھیر نگری
 میں دھکیلا تھا تو میرے راستے میں چراغ کیوں جلا۔۔۔ یا میں ہی حدود درجہ نادان تھا جو ان
 چراغوں کی لو آپ کی آنکھوں میں دیکھ کر کچھ اور سمجھ بیٹھا۔ نہیں رابعہ۔۔۔ آپ کو کم از کم
 میرے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔۔؟
 وہ اسی سناٹے میں جتنی کڑا آنکھوں میں دھیروں پانی جمع ہو کر پکلوں پر چھلکنے لگا تو وہ ایک
 دم خاموش ہو کر ہونٹ بھیجنے لگا۔ کتنے لمبے چپ چاپ سرک گئے اور پتا نہیں ششش کے احساس
 نے اسے بولنے نہیں دیا یا اس کی حالت کے پیش نظر اس نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔
 اس پر سے نظریں ہٹا کر سیدھا بیٹھا تو گہری سانس کھینچ کر بولا۔

چلیں۔۔۔ آپ کو گھر چھوڑ دوں۔۔۔ راستہ بتائیں۔
 جیسے ہوش میں آ گئی۔ اشارے سے گاڑی بیک کرنے کو کہا اور پتیلیوں سے آنکھیں
 رگڑ کر سامنے دیکھنے لگی، پھر تمام راستہ جہاں مڑنا ہوتا وہ اشارہ کر دی اور گھر کیسا منہ بھی رکنے
 کا اشارہ کیا تو وہ بھی خاموشی سے اس کے اترنے کا انتظار کرنے لگا لیکن اترنے سے پہلے اسے
 گویا گویائی مل گئی۔
 آئی ایم سوری آغا۔۔۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میری ذات کسی کی دل آزاری
 کا باعث بنے گی۔ آپ کو جو تکلیف ہوئی اس کے لیے میں کبھی خود کو معاف نہیں کروں گی۔ اس
 کے ساتھ ہی وہ اتر کر اندر چلی گئی۔ اس نے بہت خاموشی سے جاتے ہو دیکھا پھر گاڑی بیک
 کرتے ہو جانے کے کس خیال کے تحت بولا تھا۔
 تھینک یو ربیعہ۔۔۔

اور وہ بہت مضحل بہت ہاری ہوئی کسی اندر آئی تھی۔ اماں ننھے عذیر کو گزروں میں لیے اسی کی
 زبان میں بول رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ دوسرے پبلنگ پر بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگی جبکہ دھیان
 مسلسل اسی کی طرف تھا جو ایک اس کا غم دل میں بسا کر باقی سارے غموں سپیر واہ ہو گیا تھا اور
 اچانک اسے لگا وہ پھر غلطی کر گئی ہے۔ ابھی بھی اس سے کہہ دیتی کہ اس کی آنکھوں میں جلتے
 چراغوں کی لو دیکھ کر جو وہ سمجھا، وہی سچ ہے۔
 ہائیں۔۔۔ تم کب آئیں۔۔۔؟ نبیلہ نے اندر آتے ہوئے اسے دیکھ کر پوچھا تو وہ اپنے
 خیال سے چونک کر بولی۔

ابھی آئی ہوں۔

چاہیو گی۔۔؟

اگر بنی ہوئی ہے تو دے دیں بلکہ میں خود لیتے ہوں۔ وہ اٹھ کر کچن میں آ گئی۔ کیتلی میں چاگرم تھ۔ وہ کپ میں ڈال کر وہیں بیٹھ گئی اور پھر اسے سوپنے لگی تو وہ جیسے سامنے آن کھڑا ہوا۔

(آپ کریں گی مجھ سیٹھادی۔۔؟ اف۔۔) اس نے زور سے آنکھیں بند کر کے دوبارہ کھولیں تب بھی وہ موجود تھا۔

(جواب دیں رہیجہ۔۔ میرے ساتھ چل سکتی ہیں۔۔؟) اور خود کو مجبور اور پھنس محسوس کرتے ہو اس نے منہ موڑا تھا۔ بالکل غیر اختیاری عمل تھا اور وہی اس کے دل میں ترازو ہو گیا جب ہی تو کہہ رہا تھا۔ جب آپ میرا ساتھ نہیں دے سکتیں تو سمجھ لیں کوئی نہیں دے سکتا۔ اور وہ ساری مسافتیں اس کے ساتھ طے کر سکتی تھیں لیکن وہ اپنی کم مانگی کا احساس کہ وہ مل کلاس کی عام سی لڑکی پھر کچھ مسائل میں گھری ہوئی ہے اور اس کے والدین بھلا کہاں اسے اہمیت دیں گے۔ کاش وہ اسے بتا سکتی کہ اس نے انکی طرف سے من نہیں موڑا تھا بلکہ اپنی مجبوریاں اپنی حیثیت اور کچھ معطلیوں کو سوچتے ہو۔ وہ منہ موڑنے پر مجبور ہوئی تھی۔

(لیکن شاید اب تو وہ یقین بھی نہیں کرے گا۔۔؟) دکھ سے سوچتے ہو اس کی پلکیں نم ہوئی تھیں۔

پھر اگلے روز باس نے خود ہی اسے گھر جانے سے منع کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ کسی چھٹیوں کے باعث اپنے والدین کے پاس چلا گیا ہے جبکہ آکواب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ پتا نہیں وہ خود آغا کی طرف سے مطمئن ہو کر کہہ رہے تھے یا اس نے یہ بات کہلائی تھی کہ اس کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ بہر حال نہ صرف برٹ ہوئی تھی بلکہ اسے بے حد دکھ بھی ہو رہا تھا۔

(ٹھیک تو ہے۔۔ میں محض تنخواہ دار ملازم ہی تو ہوں جہاں ضرورت ہوگی وہیں بٹھائی جاؤں گی اور جب کہیں ضرورت نہیں ہوگی تو۔۔) دکھ کے ساتھ اس کے اندر ڈھیروں تنگی بھر گئی۔ اس کا دل چاہا ایک بار باس سے یہ ضرور پوچھے کہ اس کام کے لیے آخر انہوں نے اسی کا انتخاب کیوں کیا تھا۔ کیا مجبوریاں اس کے جبرے پر لکھی تھیں۔۔؟ لیکن وہ اتنی بھی مجبور نہیں تھی۔ کسی بھی طرح گھر کی گاڑی کو دو تین مہینے مزید کھینچا جاسکتا تھا اور اس عرصے میں وہ کہیں اور جاب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی لیکن پہلے ہی مقام باس نے اس کا گھیراؤ کر کے اسے کہیں اور جانے سے روک دیا تھا۔ آپ سہیل بی اے ہیں۔۔ کوئی تجربہ نہیں۔۔ نذ کوئی کام آتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور وہ پہلیں لچھری تھی کہ آخراں کا گھیراؤ کیوں کیا گیا۔۔؟ شاید اس لیے کہ میں شکل ہی سے بزدل اور کم ہمت نظر آتی ہوں۔ اپنا نقصا ہونے پر کوئی سوال اٹھانے کا حوصلہ نہیں مجھ میں۔ کرسی کی بیک سے سر کا وہ دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔ غالباً اسے اتنا بھی ہوش نہیں تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے اور یا یمنین کتنی دیر سے اسے نوٹ

کمر بنی تھی۔ قصد انہیں نوکا کیونکہ وہ کبھی کبھار بتاتی تھی نہیں تھی لیکن اب اس کی خود کلامی سن کر خاموش نہیں رہ سکی۔

اپنے بارے میں تمہاری بالکل ٹھیک ہے۔ شکل ہی سے بزدل اور کم ہمت نظر آتی ہو۔ یاسمین نے قدرے جے بننے انداز میں کہا تو وہ ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ مجھے تم سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ اس لیے کہ تم کسی کو اپنا نہیں سمجھتیں۔ کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟ وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

ٹھیک کہہ رہی ہوں میں۔ اتنے مہینوں کے ساتھ کہ باوجود تم اپنی بنی ہوئی ہو۔ اگر تمہارے خیال میں میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتی تب بھی کہہ لینے سے کم از کم دل کا بوجھ تو ہکا ہو ہی جاتا ہے۔۔۔ یا تو تم میرے سامنے پریشان ہونا چھوڑ دو یا صاف بتاؤ کہ تمہارا پراہم کیا ہے۔۔۔؟ یا یاسمین غالباً بھری بیٹھی تھی یا قاعدہ اس کی کلاس لے ڈالی۔

کبھی روتی شکل بنا کر بیٹھ جاتی ہو۔۔۔ کبھی گم صم۔۔۔ اور دھیان تو تمہارا مسلسل کہیں اور ہوتا ہے۔ اگر اس طرح کام کرو گی تو بہت جلد تمہاری چٹنی ہو جاگی۔۔۔ سمجھیں تم۔۔۔؟ جی نہیں۔۔۔ باس تو میرے کام کی تعریف کر رہے تھے۔

جناب۔۔۔ اسے اپنی نہیں میری تعریف سمجھو اور دعائیں دو مجھے کہ تمہارا سار غلط صحیح کر کے سمجھتی ہوں۔ دو پھر ایک دم خاموش ہو کر یا یاسمین کو دیکھنے لگی تو وہ تپ کر بولی۔

بس۔۔۔ ایک تو تم قیل میں حواس کھو بیٹھتی ہو۔ ذرا سا اور بولوں گی تو رونے لگو گی۔ کچھ

انسان بخیر بیچ۔۔۔ اگر کسی مجبوری کے تحت گھر سے نکلی ہو تو حالات کا مقابلہ کرنا سیکھو۔ ہمیشہ یہ سوچ کر ہتھیار ڈال دینا کہ میں تو ہوں ہی بزدل اور کم ہمت، قصہ ہی نہیں ہے۔ اس نے اسی خاموشی سے سر جھکا لیا تو یاسمین کو غصے کے باوجود اس پر رحم آ گیا۔ کچھ نرم پڑ کر اس کا ہاتھ تھامتے ہو بولی۔

اگر تمہارے ساتھ کسی نے زیادتی کی ہے تو مجھے بتاؤ۔ ایمان سے سر توڑوں گی اس کا۔ نہیں تو۔۔۔ میرے ساتھ کون زیادتی کرے گا بھلا۔۔۔؟

ہاں۔۔۔ تمہیں دیکھ کر تو سب کی پورا نہ شفقت جاگ اٹھتی ہے۔ جس بیساختگی سے یاسمین نے کہا ایسی ہی بیساختہ اس کی ہوتی تھی۔ واہ۔۔۔ کیا خوبصورت ہنسی ہے۔ کبھی راستے میں مت ہنسنا۔

اور اسکی ہنسی کو بریک لگ گئے۔ یاسمین کی بات پر نہیں بلکہ گلاس وال سے پرے آغا جہانگیر کو دیکھ کر وہ جانے کب سے وہاں کھڑا تھا۔ نظریں اس پر جمی تھیں لیکن جیسے ہی اسے دیکھتے پایا فوراً پسے نظروں کا زاویہ بدلا پھر ذرا سا رخ موڑا اور پھر باہر نکلتا چلا گیا۔ اس کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا پھر یاسمین کو دیکھ کر بولی۔

ٹھیک یو یاسمین۔۔۔ تم نے میری بہت مدد کی باوجود اس کے کہ تمہیں مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں۔

مجھے واقعی تم سے ہمدردی نہیں ہے بس ہمیشہ تمہارے گھر والوں کا خیال آیا۔

پوچھ لیا پھر کچرا خدا سے تھماتے ہو بولی۔

ایمان سے اگر یہ کام ہو جا تو میں تمہارا۔۔۔

بس بس۔۔۔ زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یا یسین کے ٹوکے پر وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

پھر کتنے بھتے دن گزر گئے۔ اس نے اماں اور نیلیہ کو بھی بتا دیا تھا کہ یا یسین اپنے چچا کے ذریعے بھیا کی رہائی کی کوشش کر رہی ہے اور اسی روز سے وہ دونوں کسی اچھی خبر کی منتظر رہنے لگی تھیں۔ نیلیہ تو باقاعدہ دن گئے لگی تھی کہ فلاں تاریخ کو یا یسین نے خط لکھا جو فلاں تاریخ تک پہنچے گا اس کے بعد جوانی تاریخ۔ لیکن اس کے اندر اسی جوں کی توں تھی کیونکہ اس روز کے بعد اس نے آغا کو نہیں دیکھا تھا۔ پتا نہیں اس نے آنکس آنا کیوں چھوڑ دیا تھا۔۔۔؟

جب یہ خیال آتا کہ کہیں اس نے پھر سے تو خود کو گرہبند کر لیا، اس کا دکھ سوا ہو جاتا۔ کتنی بار سوچا اس سے پوچھے لیکن اس کی ہمت نہیں پڑی۔ اگر انہیں بتانا ہو تو خود سے بتاتے اس کے پوچھنے پر پتا نہیں کیا سمجھیں یہی سوچ کر رہ جاتی اور کبھی خود کو ٹوکنی کہ جب اسے اس کی ضرورت ہی نہیں رہی تو پھر وہ کیوں اس کے بارے میں اتنا سوچتی ہے لیکن یہ اس کے اختیار میں کب تھا۔ ساری سوچوں پر پہرے بٹھا سکتی تھی ایک اس کے خیال سے دامن بچانا مشکل تھا۔

دن بڑے بوجھل بڑے بے کیف گزر رہے تھے دل کا موسم اچھا نہ ہو تو کچھ بھی اچھا نہیں

ولستہ بارے گھر میں کون ہے۔۔۔؟ یا یسین نے بری خوبصورتی سے اس کا گھیراؤ کر لیا وہ واقعی جانا جانتی تھی کہ اس کے ساتھ پرالہم کیا ہے۔۔۔؟

اماں، بھائی ان کی گود میں چند ماہ کا بچہ اور میں۔ اس نے بتایا تو یا یسین سوچتے ہو بولی۔

بھائی کی گود میں چند ماہ کا بچہ ہے اور تمہارے بھیا کہاں ہیں۔۔۔؟

ساری پریشانی بھیا کی طرف سے ہی تو ہے۔ اس نے بھی جیسے موقع غنیمت جانا۔ اپنی پریشانیوں بلکہ دکھوں کا رخ بھی بھیا کی طرف موڑ دیا۔ مختصر صورت حال کہہ سنائی۔ جسے سن کر یا یسین انہوں کا اظہار کرتے ہو بولی۔

واقعی یہ تو خاصی پریشانی کی بات ہے۔ پردیس کا معاملہ ہے وہاں وہ لاچار ہیں، یہاں تم لوگ نہیں۔

کیا کریں۔۔۔؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

یہں کہاں۔۔۔؟

ملائیشیا میں۔

ملائیشیا۔۔۔؟ یا یسین کچھ دیر تک پر سوچ انداز میں اسے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

میرے ایک چچا ملائیشیا میں رہتے ہیں۔ ایسا کر تم اپنے بھائی کا نام اور جس سے پرانیں خط لکھتی ہوں، وہ لکھ دو پھر میں چچا کو خط لکھتی ہوں۔ شاید وہ کر سکیں۔

تمہارے سگے چچا ہیں۔۔۔؟ ایک کاغذ پر بھائی کا نام اور پتہ لکھتے ہوئے اس نے یونہی

جلنے لگا تھا۔

گلتا اس کے ساتھ یہی معاملہ تھا یوں لگتا تھا جیسے ساری دنیا پر اواسیوں کا راج ہوا ہے میں اگر کوئی راستے میں بھی ہنستا نظر آتا تو وہ چوٹ کر دیکھنے لگی اس روز دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے بظاہر سرسری انداز میں یا تمین سے کہہ دیا۔

سنو۔ اتنے دنوں سے آغا جہانگیر نظر نہیں آ۔

نام مت لو۔۔ ایسا نہ ہو بول کے جن کی طرح حاضر ہو جائیں۔ اپنے تئیں یا تمین نے سے ڈرایا لیکن وہ بڑے آرام سے بولی۔

ایسا ہو جا تو کیا بات ہے۔۔؟

بڑی بہادر بن رہی ہو۔۔ اس روز تو اسے دیکھ کر کہہ رہی تھیں کہ مجھے مت چھیڑنا ورنہ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگوں گی۔ یا تمین نے اس کی نقل اتاری تو وہ حیران ہو کر بولی۔

یہ میں نے آغا کو دیکھ کر کہا تھا۔۔؟

اور کیا۔۔؟ اسی وقت تم باس کے کمرے سے آئی تھیں اور وہ بھی وہیں موجود تھا۔ پھر یہاں آیا تب بھی تمہاری سٹیگم ہو گئی تھی۔ یا تمین جو گھجی اسی حساب سے کہہ رہی تھی۔ تب وہ ذرا سانس لی۔

اچھا۔۔ مجھے پتا نہیں ہے۔ بہر حال ہیں کہاں وہ۔۔؟

سنا ہے باہر چلے گئے ہیں۔

کیا۔۔؟ وہ جیسے جتنی دھوپ میں آکھڑی ہوئی تھی۔ کس قدر تپش تھی۔ تن من سب

اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔۔؟ بڑے لوگ ہیں دنیا ان کی مٹھی میں۔۔ یا تمین اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ اپنی کہے گئی اور وہ کب سن رہی تھی۔ اس کے اندر یہاں وہاں سنا تا ہی سنا تھا۔ بس کہیں ملکی سی آواز تھی۔ جب آپ میرا ساتھ نہیں دے سکتیں تو سمجھ لیں کوئی نہیں دے سکتا۔

(تو کیا وہ مایوس ہو کر چلا گیا؟)۔ اچانک ہی خیال آیا اور دل میں ایسا درد اٹھا کہ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

کہاں جا رہی ہو۔۔؟ یا تمین نے اسی مصروف انداز میں پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہاں سے نکل کر واش روم میں آ گئی۔ بس تنہا ہونے کی دیر تھی آنکھوں کے پینے یوں جھٹکے کہ اسے بند باندھنا مشکل ہو گیا۔ کتنی دیر تک وہ مسلسل ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی رہی پھر واش جین کا ق کھول کر پانی کے تھینے مارے۔ آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا اپنے ساتھ اسے بھی بہا لے جائیں گے بڑی مشکل سے اس نے خود پر قابو پایا پھر آکھینے میں دیکھا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور ایسی حالت میں یا تمین کا سامنا کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ مختلف بہانے سوچتی ہوئی واپس آئی تو یا تمین موجود نہیں تھی اس نے شکر کا سانس لیا اور جلدی سے ایک کانڈہ پانی اچانک طبیعت خرابی کی چند لائٹیں گسیٹ کے اس کے پیپر ویٹ کے نیچے دیا پھر بیگ اٹھا کر باہر نکل آئی۔ گھر میں

داخل ہوئی تو ماحول کا رنگ روزانہ سے مختلف نظر آیا نیلہ برآمدے میں کڑی غریب کو ہاتھوں پر اچھالتے ہو اس کے ساتھ خود بھی ہلکھلا کر بنس رہی تھی اور اماں بچن میں غالباً سوچی سمجھ کر رہی تھیں جس کی ہبک پورے آگن میں پھیلی تھی اور وہ ذہنی طور پر اتنی اپ سیٹ تھی کہ خود سے کچھ قیاس نہیں کر سکی۔ نیلہ کے قریب آئی اور اس سے پہلے کہ کچھ پوچھتی وہ اسے دیکھ کر تشویش سیبونی۔

تمہیں کیا ہوا ہے۔۔۔؟

میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اس نے کہتے ہوئے اختیار ہتھیلیوں سے آنکھیں دھچکالیں۔ جو سارے راز افشا کر دیتی تھیں۔

آؤ۔۔۔ اندر چل کر لیٹو۔ نیلہ نے عذریہ کر دیا اور دوسرا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر اندر لے آئی تو اس نے پیٹنے ہی پوچھا۔

اماں کہاں ہیں۔۔۔۔؟

طوہ نہاری ہیں۔

آج کوئی خاص دن ہے کیا۔۔۔؟

ہمارے لیے تو خاص ہی ہے۔ نیلہ کی شوخی پھر لوٹ آئی۔ فوراً غافلہ کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ سبھی گئی بھیا کا خط ہے۔ نکال کر پڑھنے لگی انہوں نے لکھا تھا کہ ایک نیک دل پاکستانی کی مدد سے دور باہو گئے ہیں اور ابھی انی الحال اسی کیساتھ رہ رہے ہیں گو کہ ابھی بھی ان

کا قیام غیر قانونی ہے لیکن بہت جلد وہ اسی شخص کی مہربانی اور کوشش سے وہیں کا پاسپورٹ بنوا لیں گے۔ اس کے بعد وہ جب تک چاہیں وہاں رہ سکتے ہیں اور بہت زیادہ عرصہ تو نہیں پھر بھی ایک دو سال ضرور رہیں گے۔ پھر ان سب کو تسلی دی تھی کہ اب ان کی طرف سے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے اور یہ کہ ملازمت ملتے ہیں خرچ کے لیے رقم بھیج دیں گے اور واقعی یہ خوشی کی بات تھی۔ نیلہ ہلکھلا رہی تھی۔ اماں بیٹھا ہانے میں لگی تھیں اور وہ کیا کرے جس کا دل ابھی بھی خاموش تھا۔ خط بند کر کے دوبارہ لفافے میں رکھا پھر نیلہ کو دیکھ کر ہنسنے لگی۔

مبارک ہو بھائی۔۔۔ اللہ بھڑا اکرم کیا ہے۔ تمہیں اماں صلوہ لیے اندر چلی آئیں۔ اسے دیکھ تو تعجب سے پوچھا۔

تم اتنی جلدی کیسا گئیں۔۔۔؟

طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

چلو اچھا ہوا آ گئیں۔۔۔ بھائی کا خط پڑھا تم نے۔۔۔؟

اماں کس قدر خوش نظر آ رہی تھیں۔ اس نے گہری سانس کے ساتھ ہاں کہا پھر ان کے ہاتھ سے پلیٹ لے کر ایک پیچہ منہ میں ڈالا اور پلیٹ نیلہ کر تھما کر لیٹ گئی۔

بخار ہو رہا ہے کیا۔۔۔؟ اماں نے تشویش ظاہر کی۔

ہاں۔۔۔ کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔

ابھی تو ڈاکٹر ہوگا۔۔۔ دوا لے آؤں کیا۔۔۔؟

نہیں۔۔۔ شام میں دیکھیں گے بس اب میں سو رہی ہوں۔ وہ انتہی ہلکی کر بول بدل گئی۔ تھکا ہوا ذہن تھا پھر آنکھیں بھی بھاری ہو رہی تھیں۔ جب ہی جلدی نیندا آگئی۔

پھر شام سے پہلے یا سیمین کے آنے پر اماں نے اسے اٹھا دیا۔ اس وقت اس کا جسم بری طرح تپ رہا تھا۔ شاید اندر کی پتیش نے باہر کی راہ دکھ لی تھی۔ چہرہ بھی سرخ ہو رہا تھا اور یا سیمین جانے ک یا سوچ کر اور کس موڑ میں آئی تھی اسے دیکھ کر واقعی پریشان ہو گئی۔

تمہیں اچانک کیا ہو جاتا ہے۔۔۔؟ صبح تو اچھی بھلی تھیں۔

(میں کب اچھی بھلی تھی۔۔۔؟) اس نے سوچا پھر اسے دیکھ کر قصد مسکرا کر بولی۔

بس۔۔۔ جب کام کرنے کو دل نہیں جانتا تو بیمار ہو جاتی ہوں۔

یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔ یا سیمین نے کہا تو اس کی ذہنی رو بہک گئی۔

اب آپ کہیں گی یہ اچھی بات نہیں ہے۔

کیا اچھا ہے کیا برا۔ یہ تو میں نہیں جانتا۔ وہ اسی کی بات یاد کرتے ہویدھیانی میں دہرا رہی تھی کہ یا سیمین اس کے جانتا کہنے پر زور سے ہنسی اور اس کے چونک کر دیکھنے پر ممتحنہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

یہ تم جانتا کب سب ہو گئیں۔۔۔؟

جانتا۔۔۔؟ وہ اپنی بات پر غور کرتے ہو بولی۔

راںجھا راںجھا کر دی میں آپ ہی راںجھا ہو گئی۔

ہاں آں۔۔۔ یہی میں تم سے پوچھنے آئی ہوں کہ کون ہے راںجھا۔۔۔؟ اور کہاں ہے۔۔۔؟ یا سیمین نے ہاں کو اس انداز میں لمبا کھینچا جیسے اس پر جتا رہی ہو کہ وہ واقعی اسی مقصد سے آئی ہے اور وہ بغیر چوٹے بولی۔

پتا نہیں کہاں ہے۔۔۔؟

دیکھو۔۔۔ مجھے کچھ پانے کی کوشش مت کرو آج تمہارے آنے کے بعد سے میں مسلسل

تمہارے بارے میں سوچتی رہی ہوں کہ آخر تمہیں بیماری کیا ہے۔۔۔؟ بیٹھے بیٹھے گم ہو جانا۔۔۔

کام سے لا پرواہی۔۔۔ بات بے بات بلکیں گم نہ کر لینا اور یہ ساری باتیں ایک ہی بیماری کو ظاہر

کرتی ہیں اور وہ ہے عشق۔۔۔۔۔ ہے ناں۔۔۔؟

یا سیمین بڑے یقین سے کہہ کر تائیدی نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی تو وہ

افسردگی سے مسکرائی۔

میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی لیکن ابھی مجھ سے کچھ مت پوچھو۔ بڑی عاجزی تھی اس

کے لہجے میں یا سیمین نے ٹھٹھک کر دیکھا پھر اس کا ہاتھ دبا کے بولی۔

چلو۔ ابھی نہیں پوچھتی۔ تبھی نبیلہ چالے کر آئی تو اسے دیکھ کر یا سیمین پوچھنے لگی۔

تمہارے بھیا کا کوئی خط وغیرہ آیا۔۔۔؟

ہاں۔۔۔ آج ہی آیا ہے۔ اس نے کہا پھر ساری تفصیل بتا کر احسان مندی سے اس کا

شکر یہ ادا کرنا چاہتی تھی کہ وہ بول پڑی۔

بولی۔

کیا مطلب۔۔۔؟ یہاں کیا تکلیف ہے تمہیں۔۔۔؟ پھر وہ خودی قیاس کر کے بولی۔

میرا خیال ہے کہ تم آغا جاہانگیر سے ڈر گئی ہو۔۔۔؟

بکومت۔۔۔ وہ چڑ گئی۔

صف 144

تم نے آغا کو ہوا بنالیا ہے۔۔۔ انسان ہے وہ۔۔۔ اگر اس کے ساتھ کو بچا دے ہو گیا ہے

تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ہم ہر وقت اس کا مذاق اڑاتے رہیں۔

افوہ۔۔۔ میں نے تمہیں تو کچھ نہیں کہا۔

اسے بھی مت کہو۔۔۔ مجھے دکھ ہوتا ہے۔ یا یمن خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر

کند سے اچکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اچھا۔۔۔ میں چلتی ہوں اور تم بھی فوراً ٹھیک ہو کر آفس آؤ باقی باتیں وہیں ہوں گی۔

وہ شاید سمجھ گئی تھی خاصی مشکوک نظروں سے دیکھتے ہو چلی گئی۔ تو بیک سے کمر ہکا کر اسنے

آنکھیں بند کر لیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسا آغا کا نہیں اس کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ تب اسے اپنے

آپ پر حیرت ہوئی کہ اسنے سے وقت میں وہ کتنا فاصلہ طے کر آئی تھی کہ پیچھے مڑ کر دیکھنا محال

لگ رہا تھا۔

پھر دو دن بعد اس نے دوبارہ آفس جانا شروع کر دیا تو وہ وہی روٹین شروع ہو گئی۔ لیکن

بس۔۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ ایک خط ہی تو لکھا تھا چچا کو۔۔۔ دینا کے سارے کام

ایسے ہی تو ہو رہے ہیں بس ایک خط لکھا جاتا ہے، کسی کو رہائی ملتی ہے۔۔۔ کسی کو سیری۔۔۔ کسی

کو فو کری اور۔۔۔ یا یمن نے بھر پور قبضہ لگا یا پھر اسے چھین کر بولی۔

تخلیف ہوتی جا رہی ہو۔

تمہاری محبت کا اثر ہے۔

میری یاد۔۔۔ نبیلہ کی موجودگی کے باعث اس نے فورا بات بدل دی۔

اچھا خیر۔۔۔ اب تم جلدی سے ٹھیک ہو کر آفس آؤ کیونکہ میں تمہاری اتنی عادی ہو چکی

ہوں کہ تمہارے بغیر میرا دل نہیں لگے گا۔

لیکن میں تو جا ب چھوڑنے کا سوچ رہی ہوں۔

ہائیں۔۔۔؟ ابھی تو میں نے تمہیں عقد کہا ہے پھر یہ بیوقوفی کی باتیں کرنے لگیں۔

خبردار۔۔۔ گھر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یا یمن نے پہلے اسے ڈانٹا پھر سمجھاتے ہو بولی۔

کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنے رہنا اچھا ہوتا ہے۔ یہ مت سوچو کہ اب بس کیا تو کری لگ جا

گی تو تم آرام سے بیٹھ جاؤ گی مجھے دکھو میرے ماشا اللہ چار بھائی ہیں۔ سب اچھا کماتے ہیں

اور مجھے بابانہ جیب خرچ بھی دیتے ہیں پھر بھی میں جا ب کر رہی ہوں آخر گھر بیٹھ کر کیا کروں۔

۔۔۔؟

ٹھیک ہے۔۔۔ پھر میں کوئی اور جا ب تلاش کروں گی۔ اس نے کہا تو یا یمن جو تک کر

اب اس کا کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا۔ گو کہ اس نے آغا کو دو تین بار ہی آفس میں دیکھا تھا پھر بھی اس کی کمی محسوس ہوتی تھی۔ یوں جیسے وہ اول روز سے اس کے ساتھ رہا ہو اور اب اچانک کہیں چلا گیا اور ایسا تھا تو لیکن آفس میں تو اس کا ساتھ نہیں تھا۔

یا سمن کو اسے الف سے بے تک سب بتا دیا تھا اور الٹا اس کی گالیاں ہی سننے کو ملیں۔ پھر روزانہ وہ اسے سمجھانا پنا فرض سمجھتی۔

تم جیسی احمق لڑکی میں نے اپنی زندگی میں پہلے کہیں نہیں دیکھی۔ آغا سے ہمدردی تو کی جاسکتی ہے محبت نہیں۔۔۔ چھوڑ دو اس کا خیال۔۔۔ تمہارے لیے کی نہیں ہے۔ وہ جانتی تھی جو بھی سنے گا یہی گتہ گا اور اسے خود پر اختیار نہیں تھا جیسی یا سمن کی باتیں سن لیتی، جواب میں ایک لفظ نہیں کہتی تھی۔

یونہی دن گزرتے چلے گئے۔ اب تو گھر کی طرف سے بھی کوئی پریشانی نہیں تھی کیونکہ بھیا جاب سے لگ چکے تھے اور انہوں نے ڈرافٹ بھی بھجوایا تھا اور اماں نے جو پہلے بیجوری کے تحت اسے جاب کرنے کے لیے کہا تھا، اب چھوڑے و کبھیں لیکن اب وہ چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔ بقول یا سمن گھر بیٹھ کر کیا کرتا ہے۔ وہ بھی یہی سوچتی کہ فراغت سے تو وقت کاٹے نہیں کئے گا، اس سے مصروفیت اچھی کہ کسی طور وقت گزر رہا تھا۔

انہی دونوں یا سمن کی شادی طے پا گئی۔ وہ خود نہ صرف حیران تھی بلکہ بڑے مزے سے بتا رہی تھی۔

واقعی جس کام کا جو بوقت مقرر کیا گیا ہے وہ اسی وقت پر ہو کر رہے گا۔ اب دیکھو میری شادی کی گھر سب کو تھی لیکن دور دور تک امکان نہیں تھا۔ یوں آغا نا رشتہ طے ہوا اور اب میں جارہی ہوں اور ہاں میری شادی میں آغا نہیں بھولنا۔ ہو سکتا ہے وہیں کہیں تمہارا بھی چانس بن جا۔ اس نے صرف ہنسنے پر اکتفا کیا۔

پھر یا سمن کے جانے کے بعد کچھ دن وہ اکیلی رہی اس کے بعد ایک اور لڑکی آگئی اور اب کیونکہ وہ سینئر تھی اور اکثر واپسی میں بھی دیر ہو جاتی اور اماں اب ہات دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئی تھیں کہ وہ جاب چھوڑ دے کیونکہ انہیں دنوں اس کے لیے ایک اچھا پر پولز آیا تھا جو بعد میں لڑکے نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ وہ جاب کرنے والی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا۔ اپنی اپنی سوچ ہے لیکن اماں کو گھر لائق ہو گئی کہ وہ جب تک جاب کرتی رہے گی اس کی شادی نہیں ہو سکتی اور وہ اب جلد ہی اس کے شادی کرنا چاہتی تھیں۔ ادھر بھیا کے خطوں میں بھی یہی تذکرہ ہونے لگا تھا جس سے وہ پریشان ہو گئی۔

اس وقت بھی وہ کچھ ایسی پریشان سوچوں میں گھری تھی کہ برابر بیٹھی لڑکی نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

ربیعہ۔۔۔ آپ کا فون ہے۔

میرا۔۔۔؟ وہ حیران ہوئی اور پریشان بھی کیونکہ گھر سے کبھی فون نہیں آیا تھا۔ قطری طور پر کچھ اندیشوں میں گھر کر رہی ہو۔ پھر پہلے دل میں ایسی خیر کہنے کے بعد بیلوکھا۔

ہیلور بیچ۔۔۔۔۔ کیسی ہیں آپ۔۔۔؟ لگتا تھا مدتوں سے ساتھیوں اسی ایک آواز کو سننا جانتی ہیں۔ بے حد دھیلے ڈھالے انداز میں اس نے سر ہیک سے نکالیا اور رک کر بولی۔

السلام علیکم آغا۔۔۔ آپ کیسے ہیں۔۔۔؟

ارے۔۔۔ اپ نے پہچان لیا۔۔۔ ورنہ میں تو سمجھا تھا۔۔۔ ہمیشہ سے مختلف اس کا لہجہ خوشگوار تھا اور جانے کیوں بات ادھوری چھوڑ گیا۔

اس کا دل چاہا پوچھے۔ کیا سمجھے تھے آپ۔۔۔؟ لیکن خاموش رہی اور اس نے بھی کچھ دیر غائب اس کے اسی سوال کا انتظار کیا پھر کہنے لگا۔

میں نے آپ کو اس لیے فون کیا کہ کل میری برتھ ڈے ہے اور آپ کو آنا ہے۔

اور اگر میں نہ آ سکوں۔۔۔؟

برصورت میں آنا ہے۔۔۔ سمجھیں آپ۔۔۔؟ اس نے فوراً ٹوک کر تحکم سے کہا اور فون بند کر دیا تو وہ کتنی دیر تک اس کے لہجے پر غور کرتی رہ گئی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کس حیثیت سے بلایا ہے۔

اس رات کتنی دیر تک اسے نیند نہیں آئی۔ خود اپنی بیخبری پر حیران تھی کہ نہ اسے آغا کے باہر جانے کا پتا چلا تھا اور اب یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کب آیا ہے۔ اگر آج وہ فون نہ کرتا تو ابھی بھی بیخبری رہتی۔ حالانکہ کوئی ایسا نہیں گزرا تھا جس میں اس کا خیال نہ آیا ہو اور وہ ہر رات اس کے تصور سمیٹا کرتی سوتی تھی۔ پھر اس کے جانے اور آنے سے بیخبر کیوں رہی۔

مجھے کیا فرق پڑتا ہے وہ کہیں بھی رہے۔۔۔؟ میری گرفت صرف اس کی پرچھائیں پر ہے۔ اس نے خود سے کہا تھا۔

اگلے دن صبح اماں سے کبھی ہوئی گئی تھی کہ آج وہ دیر سے آگئی کیونکہ اس کی برتھ ڈے میں جانا تھا اور سارا دن وہ اسے دینے کیلئے گفٹ سوچتی رہی لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ اپنی حیثیت کا تعین نہیں کر پائی تھی اور اس نے بھی واضح نہیں کیا تھا۔ دوست، ملازم یا ٹیچر۔

بہر حال آف ٹائم کے بعد بھی وہ کتنی دیر تک آفس میں بیٹھی رہی۔ جب شام کے سا اترنے لگے تب اس کے گھر کی طرف جاتے ہو اس کے دل نے پہلی بار دھڑکنا سیکھا۔ وہ نہیں جانتی تھی اس کا رویہ کیا ہوگا اور اس سچ پر اس نے سوچا بھی نہیں، بس اسے تو یوں لگ رہا تھا جیسے کسی کو ہورا سے کانٹا نکل گیا ہو۔

لیکن جب اس کے گھر کے باہر گزریوں کی لمبی قطار دیکھی تب وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ بنگلے پر نظر ڈالی برقی قفولوں سے جگمگا رہا تھا۔ بڑے لوگوں اور اعلیٰ بڑی تقریب میں بھلا اس کا کیا کام۔۔۔؟ یہی سوچتے ہو وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔ اگر اسے انتظار ہوتا تو انتظار میں مٹا جبکہ کھلے گیٹ کے راستے پر نظر ڈالتے ہو اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ پھر اس نے اپنے قدم واپسی کے لیے موڑ لیے۔ تبھی کسی بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا۔

ٹیچر۔۔۔ وہ اس معصوم پکار پر رک گئی اور ہلکی جھپک کر آنکھوں کی دھند صاف کرنے

ٹیچر۔۔ میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ ماما نے کہا تھا آپ ضرور آئیں گی۔ سنی نے سادگی سے کہا تو اس نے ایک نظر گیٹ کے اندر ڈال کر پوچھا۔

تمہارے ماما کہاں ہیں۔۔۔؟

اندر ہیں۔۔۔ آپ آئیے ناں۔۔۔ سنی اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگا تو وہ جیسے اس منحنی سی طاقت سے کھینچی چلی آئی۔ ہال کمرے میں داخل ہوتے ہی سنی یہ دیکھ کر ہوا بھاگ گیا کہ میں ماما کو بلاتا ہوں اور وہ اتنے لوگوں اور اتنی جگہ دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ کچھ گنگ و بکا سیلاب تھا۔ ایکس کیوزی۔۔۔ عقب سے کسی نے غالباً اسے راستے سے ہٹنے کے لیے کہا تو وہ دروازے سے ہٹ کر دیوار کے ساتھ جتنی ہوئی کونے میں اکھڑی ہوئی اور متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اتنے لوگوں کے باوجود بیہوشم نہ رہا تھا۔ ہلکی ہلکی آوازیں اور وہ جسے ڈھونڈ رہی تھی۔ اس کی آواز کی بازگشت نہیں اندر سے ابھر رہی تھی۔

(ایک عمر شور اور ہنگاموں میں گزری اور جیسا کہ آپ نے کہا تھا کہ رنگینیوں میں کھو کر انسان تھینک یوگا کہنا بھول جاتا ہے تو میں بھی بھولا رہا۔ یاد اس وقت آیا جب سب ساتھ چھوڑ گئے)۔ اور وہ سوچنے لگی کہ یہ سب دوبارہ اس کی محفل میں کیسے شریک ہو گئے۔۔۔؟ وہ تو بہت تنہا ہو گیا تھا۔ ایک جگہ اس کی نظریں ٹیچر گیس اور دل میں ہلکا ہلکا درد کروٹیں لینے لگا۔ شاید اسی لیے کہ وہ اس سے بہت دور ہو گیا تھا۔

آغا کو دیکھا۔۔۔؟

پہلے سے زیادہ بیہوشم۔۔۔

(جھینوں کے باعث سنی اپنے والدین کے پاس چلا گیا ہے اور آغا کو اب آپ کی ضرورت نہیں رہی)۔ باس نے کہا تھا اور اس وقت بھی اسے دکھ ہوا تھا اور اب تو یقین بھی ہو گیا تھا کہ واقعی اسے اس کی ضرورت نہیں رہی۔ اپنے حلقے میں کس قدر خوش اور مگن نظر آ رہا تھا۔ دروازے تک آتے آتے وہ بڑی طرح بکھر گئی تھی۔ پھر جلدی سے باہر نکل آئی اور ستون کی آڑ میں رک کر اپنی آنکھیں صاف کرنے لگی لیکن دھند چھٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ تب وہ ایسی ہی دھندلائی آنکھوں سے چل پڑی۔

گیٹ سے نکل کر گاڑیوں کے درمیان سے راستہ تلاش کرتی ہوئی روڈ تک آئی تو قدموں کے فرقارتیز کر دی۔ ایک طویل مدت بعد یوں لگا جیسے سب اس کے تعاقب میں چلے آ رہے ہوں۔ وہ کچھ بھاگنے لگی۔ لیکن پیر لڑکھا گیا اور سنبھلتے سنبھلتے بھی وہ گر گئی۔ کئی سڑک تھی۔ ہتھیلیاں چھل گئیں اور گھٹنوں میں الگ چوٹ آئی۔ اٹھنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ انجانی بھسی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھا کسی کو مدد کے لیے پکارے تبھی ایک گاڑی

قریب آن رکی۔ بیچ مرکز پر بھی وہ اپنی حالت پر کرتھی ہوئی جدی سے وہ پڑھ لکھ کرنے لگی کہ وہ گاڑی سے اتر کر اس کے قریب بیٹوں کے بل بیٹھے ہو۔

دیکھ لیا مجھ سے بھاگنے کا نتیجہ۔ اس نے چونک کر سر اوجھایا اور اسے دیکھ کر جانے کیوں سہم گئی۔

اب کیوں ڈرتی ہو۔۔۔؟ اب تو میں خوفناک نہیں ہوں۔۔۔؟ وہ پتا نہیں کیا کہنا پتا تھا۔ وہ ہونٹ بھیج کر اٹھے کی کوشش کرنے لگی۔ تب اس سے پہلے وہ کھڑا ہوا اور اس کی کلائی تمام کر اسے اٹھادیا اور پھر گاڑی کا دروازہ کھول کر بولا۔

مجھے پتا ہے تم میرے بغیر چل سکتی ہو لیکن میں تمہارے بغیر نہیں چل سکتا۔ وہ اسے باہر سے تمام کر گاڑی میں دھکیلتا ہوا اتارا م سے کہہ گیا۔ وہ شدت سے دیکھنے لگی جو اس کی طرف کا دروازہ بند کر کے اب سامنے سے چکر کاٹ کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آ رہا تھا۔ پھر اس کے برابر بیٹھا تو ایک نظر اس پر ڈال کر پوچھنے لگا۔

اس طرح کیوں چلی آئیں۔۔۔؟ مجھ سے ملے بغیر۔

آپ کو کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔ وہ دودھ سے روٹھے لہجے میں کہہ کر رخ موڑ گئی۔

یہ خوف لڑکی۔۔۔ اگر فرق نہیں پڑتا تھا تو تمہارے پیچھے کیوں بھاگا چلا تا۔۔۔؟ ادھر

دیکھو میری طرف۔ وہ اس طرح بات کر رہا تھا جیسے ہمیشہ سے اس کے ساتھ اتنا ہی فریٹ کر رہا ہو۔ وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ دل کا عجیب عالم تھا اور سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

سنو۔۔۔ کیا تم مجھ سے خفا ہو۔۔۔؟ قدرے توقف سے اس نے اس انداز میں پوچھا جیسے اگر وہاں کہہ دے گی تو اسے بہت دکھ ہوگا اور اب وہ اسے دکھ نہیں دے سکتی تھی۔ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

نہیں۔۔۔ میں کبھی آپ سے خفا نہیں ہو سکتی۔ وہ کچھ دیر تک اس کے چہرے پر نظریں جمایا بیٹھا رہا پھر دھیرے سے اس کا ہاتھ تمام کر پہلے ایک نظر آسمان پر ڈالی پھر اسے دیکھ کر دلنشین مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

تھینک یو گاڈ۔۔۔ اینڈ تھینک یو ریجہ۔۔۔ اس کے ساتھ ہی اس نے گاڑی اس کے گھر جانے والے راستے پر ڈال دی۔

آپ مہمانوں کو چھوڑ کر آگئے اور یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اور جو تم مجھے چھوڑ کر جا رہی تھیں یہ اچھی بات ہے۔۔۔؟ وہ مظلوم مسکراہٹ ہونٹوں میں دب کر بولا تو وہ سر جھکا کر رہ گئی اور قدرے توقف کے بعد وہ کہنے لگا۔

پتا ہے اس وقت تم نے مجھے کتنا مایوس کیا ہے۔ میں اس شدت سے تمہارا منتظر تھا تمہاری راہوں میں پھول بچھا نا چاہتا تھا اور تم ایسی ہی آفس سے تنگی باری اٹھ کر چلی آئیں ذرا حلیہ دیکھو پتا۔ اس حلیے میں میں تمہیں اپنی مہمان خاص کے طور پر متعارف کرتا تو سوچو لوگ کسی کسی شکلیں بناتے اور کسی کسی نظروں سے دیکھتے۔ تو آپ کو۔۔۔

ایک منٹ۔۔۔ وہ جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ وہ فوراً لوک کر بولا۔
کوئی بات کہنے سے پہلے اس وقت کو یاد کر لو جب لوگ میرا تسخیر اڑاتے اور مجھے مختلف ناموں سے پکارتے ہو گزر رہے تھے۔ اس وقت بتاؤ تم کیوں روئی تھیں۔۔۔؟
جی۔۔۔ وہ قدرے الجھ کر دیکھنے لگی تو وہ ایک نظر اس پر ڈال کر بولا۔

میں بتاتا ہوں۔ تمہیں میرے دکھ نہ لایا تھا۔ تم سے میری اذیت برداشت نہیں ہوئی تھی اور اسی وقت میں نیجان لیا تھا کہ میرے دکھ کر سینے سے لگا کر تم بہت زیادہ عرصہ مجھ سے نہ نہیں موڑ سکتیں۔ تمہیں لوٹ کر میرے پاس آنا تھا اور اس سے پہلے کہ تم آتیں میں سر جری کے لیے باہر چلا گیا۔ صرف تمہاری خاطر کہ اپنے ساتھ ساتھ میں تمہیں اذیت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لوگ میرا مذاق اڑاتے اور رو تیں تم۔۔۔۔۔ اور ربیعہ۔۔۔ میں ہمیشہ تو تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ قدرے توقف کے بعد پھر کہنے لگا۔

بہر حال۔۔۔ جیسے تم نے میرے دکھ کو محسوس کیا تو ابھی لوگوں کے رویے سے تمہیں جو دکھ ہوتا وہ مجھے مار ڈالتا۔ نہیں ربیعہ۔۔۔ میں ہرگز کسی کو تمہاری طرف ایسی نظر نہیں ڈالنے دوں گا جس میں تمہارے لیے تحقیر کا ہلکا سا شائبہ بھی ہو۔ البتہ رشک اور حسد پر میں پہرے نہیں بٹھا سکتا۔۔۔ سمجھیں تم۔۔۔؟ اور وہ سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ یہ بھی کہ اس نے کس حیثیت سے اسے بلایا تھا اور اس لحاظ سے تو واقعی اس کا حلیہ ٹھیک نہیں تھا۔

اور سنو۔۔۔ وہ اس کے گھر کے سامنے گاڑی روک کر بولا۔

ابھی نہیں دوبارہ میرے ساتھ چلنا ہے۔

اس وقت۔۔۔؟ اس نے قدرے گھبرا کر پر پھیلائی تاریکی کو دیکھا۔

ہاں۔۔۔ کیونکہ میں سب کو بہت تجسس اور انتظار میں چھوڑ آیا ہوں۔ جاؤ جلدی سے چنچ کر کے اور فریش ہو کر آؤ۔

نہیں۔۔۔ اماں اجازت نہیں دیں گی۔

چلو۔۔۔ ان سے میں بات کرتا ہوں۔ وہ بڑے آرام سے کہتے ہو اترنے لگا تو وہ کچھ سہم کر بے اختیار اس کا بازو تھام گئی۔

نہیں آغا۔۔۔ میں نے ابھی گھر میں آپ کا ذکر نہیں کیا۔

کوئی بات نہیں۔۔۔ میں اپنا تعارف خود کروادوں گا۔

وہ اسکی سہمی ہوئی آنکھوں میں دیکھ کر دلکشی سے مسکرایا۔ پھر اپنا بازو چھڑا کر پیچھے اتر گیا اور اس کے اترنے کا انتظار کیے بغیر دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر ہلکی سی دستک کے بعد اندر داخل ہو گیا۔ بالکل اسی طرح جیسے اس کے دل میں داخل ہوا تھا اور جس طرح وہ اسے اپنے دل سے نہیں نکال سکی تھی اس کے اعتماد اور یقین پر وہ ذرا سا مسکرائی پھر اس کے پیچھے آتے ہوا احساس تشکر میں گھر کر زرب بڑبڑائی تھی۔

چینگ یوگا ڈ۔۔۔

نگہت عبد اللہ

کہاں جا رہے تھے

”چاند دیکھ لے تو سیاہ بادلوں سے جھانکنا چھوڑ دے۔“ ارم کی تہنید البتہ ہر روز بدلتی تھی، اس لیے وہ اس کی طرف ضرور متوجہ ہوتی۔

”سچ بتا، راستے میں کتنے لوگ گرتے ہیں؟“ عفت کو یہی تجسس رہتا تھا۔

”بہسی گئے نہیں۔“ وہ اٹھلا کر کہتی۔ اور گو کہ یہی سچ تھا کہ راستے میں کتنے لوگ اسے ٹھہر کر دیکھتے اور کتنے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگتے تھے لیکن اس نے کبھی پروا نہیں کی کیونکہ وہ خود کو کوئی ماورائی مخلوق سمجھنے لگی تھی۔ اور اسی حساب سے اس

وہ جتنی حسین تھی، اس سے زیادہ مغرور اور تکبر می کسی اور کو تو کیا گھر میں اب پنہاں بھائیوں کو بھی سامنے نہیں لاتی تھی۔ اور اس میں قصور بہن بھائیوں کے ساتھ اس کی سہیلیوں کا تھا جنہوں نے اس کے حسن کے قصیدے پڑھ پڑھ کر اس کا دماغ خراب کر دیا تھا۔

”ہائے ثانیہ! خدا کے لیے یہ کالا اسکارف مت لیا کر۔“ صبح کالج میں سب سے پہلا جملہ اسے یہی سننے کو ملتا تھا۔

”کیوں؟“ وہ اوا سے پوچھتی۔

مکمل ناول



کا خیال تھا کہ اس کے لیے آسمان سے اتر کر کوئی شہزادہ ہی آئے گا جس کے حسین محل میں وہ شہزادیوں کی سی آن بان سے رہے گی۔ ملازم ہاتھ باندھے اس کے حکم کے منتظر ہوں گے۔ اسے کوئی کام نہیں کرنا پڑے گا۔ حالانکہ وہ ابھی بھی کوئی کام نہیں کرتی تھی۔ امی اور چھوٹی دونوں بہنیں ہی لگی رہیں۔

اگر کسی وقت امی اس سے کسی کام کو کہہ دیتیں تو اس کا پہلا جواب یہی ہو گا کہ میں کام کرنے کو نہیں پیدا ہوئی۔ پھر سوچو۔

”میرے ناخن ٹوٹ جائیں گے ہاتھ خراب ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔“

جتنی دیر وہ عذر تراشتی اتنی دیر میں کتنے کام ہو سکتے تھے۔ پہلے تو امی مغرباری سے بچنے کی خاطر خود ہی کہتیں یا چھوٹی دونوں سے کروالیتیں لیکن پھر انہیں احساس ہوا کہ اس طرح تو وہ بالکل ہی نکمی ہو جائے گی اور آخر اسے پرانے گھر بھی جانا ہے جہاں سب سے پہلے کام پوچھا جائے گا۔ اور بس اسی دن سے وہ اس کے پیچھے پڑ گئیں۔ ہر کام کے لیے اسی کو پکارتیں اور اس کے گورے جواب پر امی کا طویل لیکچر شروع ہو جاتا۔ کبھی غصے سے اور کبھی آرام سے بھی بیٹھ کر سمجھاتیں۔

”دیکھو ہم سفید پوش لوگ ہیں۔ اور ہمارے گھر میں ہمارے ہی جیسے لوگ آئیں گے۔ جو لڑکیوں میں پہلے ہنر دیکھتے ہیں پھر اس کی شکل و صورت۔“

”آپ کہہ دیجئے گا مجھ میں کوئی ہنر نہیں۔ آتا تک نہیں گوندھ سکتی۔“

بجائے سمجھنے کے الٹا تیز ہو کر بولی تو امی کو غصہ آگیا۔

”پھر کون بیانے آئے گا تجھے بتا؟“

”بہت آئیں گے انتخاب کرنا مشکل ہو جائے گا۔“

آپ کو میں کوئی معمولی لڑکی نہیں ہوں۔ اس نے گردن اگڑا کر کہا تو امی دانت پیس کر بولیں۔

”کوئی حوریری بھی نہیں ہے۔“

”پتا نہیں کیسی ماں ہیں آپ جنہیں میرا حسن نظر نہیں آتا، سامنے والی خالہ کو دیکھا ہے۔ اپنی کالی گلوٹی بیٹی کو دنیا کی حسین ترین لڑکی کہتی ہیں۔“

”کیوں نہ کہ اتنا آرام جو پہنچاتی ہے اسے۔ گھر دیکھا ہے اس کا شیشے کی طرح چمکتا ہے۔ ماں کو ہل کر پانی نہیں پینے دیتی۔ بھاک بھاک کر کام کرتی ہے اور ایسی ہی لڑکیوں کی سسرال میں قدر ہوتی ہے۔“

”بس رہنے دیں۔ مجھے ایسی قدر نہیں چاہیے۔“

اس نے آلتا کر اپنی طرف سے بات ختم کر دی لیکن امی کو پٹنگے لگ گئے تھے۔

”اور کیسی قدر چاہیے بتا۔ کوئی ساری زندگی تجھے سامنے بٹھا کر پوچھے گا نہیں یہ سارے چوٹیلے دو چار دن کے ہوتے ہیں پھر وہی ہانڈی چولہا۔“

”جو مجھ سے ہانڈی چولہے کی توقع رکھے گا اسے میں صاف منع کر دوں گی۔“ وہ مصلحتاً بھی بارمانے کو تیار نہیں تھی۔ آخر امی ہی سر پٹٹی اٹھ کر چلی گئیں۔

روزانہ کی طرح اسے آفس سے گھر پہنچنے میں گیارہ بج گئے تھے۔ دن بھر کی تھکی ہاری ماں کو کہ اب پہلے کی طرح شکوہ نہیں کرتی تھیں۔ شاید عادی ہو چکی تھیں۔ جب ہی دروازہ کھول کر خاموشی سے کچن میں کھانا گرم کرنے چلی جاتیں۔ اور وہ قصور وار نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم سا بیان ان کے پیچھے آکر کہتا۔

”دیر ہو جاتی ہے ماں! آپ سو جایا کریں۔“

”سو جاؤں گی تو پھر دروازہ کون کھولے گا۔“

”ہاں۔ یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔“ اس نے کہا تو ماں فوراً بولیں۔

”اسی لیے کہتی ہوں شادی کر لو۔“

”ہائیں! اس کا شادی سے کیا تعلق؟“ اس نے قصداً انجان بن کر حیرت کا مظاہرہ کیا۔

”کیوں نہیں پھر وہ جاگے گی تمہارے لیے اور دروازہ بھی کھولے گی۔ مجھ بوڑھی جان میں اب اتنی

ہمت نہیں ہے۔ سارا دن گھر کے کام ہی ختم نہیں ہوتے پھر تمہارے انتظار میں آدھی رات گزر جاتی ہے۔ تمہاری بیوی آئے گی تب مجھے کچھ آرام ملے گا۔“ ماں نے اپنا احساس دلا کر کہا جب ہی وہ صاف انکار نہیں کر سکا۔

”ہاں ماں! دعا کریں۔ میری پروموشن ہو جائے پھر شادی۔“

”ارے ایک سال سے یہی سن رہی ہوں کب ہوگی وہ۔“

”پروموشن؟“

”ہاں وہی۔ کب ہوگی؟“

”انشاء اللہ جلدی ہوگی۔ بس آپ دعا کریں۔“ اس نے ہمیشہ کی طرح آس دلا کر ٹالنے کی کوشش کی۔

”ارے میں تو ہر وقت دعا کرتی ہوں۔“ ماں نے کہا پھر قدرے توقف سے پوچھنے لگیں۔

”منسو بات چلاؤں تمہاری؟“

”کہاں؟“ وہ اچھل پڑا۔

”کہیں بھی۔ لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے۔ آس پڑوس سامنے ہر گھر میں لڑکیاں موجود ہیں۔“ ماں نے کہا تو وہ کچھ مطمئن ہو کر بولا۔

”نہیں نہیں ماں! ابھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور آس پڑوس کا تو سوچیں بھی نہیں۔“

”پھر رشتہ داروں میں تو کوئی ہے نہیں۔“

”جھجھکی ہے نہیں ہے۔“ وہ بے اختیار کہہ کر پھر فوراً تنہیل بھی گیا۔ ”میرا مطلب ہے اچھا ہے نا۔ سب کی شادیاں ہو گئیں۔“

”اب مجھے تمہاری فکر ہے۔ اللہ کرے کوئی اچھی لڑکی مل جائے جو مجھ دکھاری کا بھی خیال کرے آج کل کی لڑکیاں تو بس میاں سے رشتہ جوڑتی ہیں۔ اس کے گھر والوں کا کوئی خیال نہیں۔“

”ارے نہیں ماں! وہ ایسی نہیں ہے۔“ وہ بے دھیانی میں بول کر پھنس گیا۔

”وہ کون؟“ ماں نے فوراً پکڑ لیا۔

”وہ۔ میرا مطلب ہے جس سے میری شادی ہوگی، اگر اس نے آپ کا خیال نہیں کیا تو میں اسے تیسرے دن واپس اس کے گھر پہنچا دوں گا۔“ اس نے سٹاکریات بنائی لیکن ماں مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

”خیر یہ تو بعد کی بات ہے، پہلے میری پروموشن تو ہو جائے۔“ وہ کہتا ہوا فوراً اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا کہیں ماں مزید کریدنا نہ شروع کر دیں۔ اور وہ کیا بتاتا! ابھی تو خود بھی زیادہ نہیں جانتا تھا۔

اس کا نام تیا کچھ بھی نہیں، بس اتنا معلوم تھا کہ وہ اس محلے میں چھپلی کسی لاکن میں رہتی ہے۔ روزانہ صبح آٹھ بجے جب وہ آس کے لیے گھر سے نکل کر اسٹاپ پر کھڑا ہوتا تو وہ اسے اسی راستے سے آتی دکھائی دیتی تھی۔ کالج یونیفارم میں کتنی کی دو کتابیں سینے سے لگائے خراہاں خراہاں چلتی ہوئی وہ جب اسٹاپ پر آتی تو وہاں موجود ہر شخص کے اندر بے چینی پھیل جاتی تھی۔ جسے اس لڑکی سے زیادہ وہ محسوس کرتا اور بری

طرح سلگتا تھا۔ بس نہیں چلتا تھا کہ ہر شخص کی آنکھوں پر پٹی باندھ دے۔ اور پھر صرف اس کی آنکھیں دیکھیں سیاہ اسکارف میں چمکتا چاند چہرہ۔ جو ہر روز اسے نئے خواب دکھاتا تھا۔

اس وقت وہ اماں کی مشکوک نظروں سے بچ کر بھاگ آیا تھا لیکن آگے اس کے تصور سے بچنا ممکن ہی نہیں تھا۔ جب سے اسے دیکھا تھا وہ اسی طرح اسے سوچتے اس کے تصور سے باتیں کرتے اور پھر خود کو اگلے دن اس سے بات کرنے پر تیار کرتے کرتے سوتا تھا۔ لیکن جب وہ سامنے آتی تو جانے کیسے اس کی ساری ہمتیں جواب دے جاتی۔ اور یہ واقعی عجیب بات تھی کہ نہ وہ بھی کوئی عام سادہ جوان نہیں تھا۔ اچھی خاصی انٹیکو پر سٹائی تھی پھر یونیورسٹی میں شعلہ بیاں مقرر مانا جاتا تھا اس کے علاوہ بھی اس میں کچھ ایسی خوبیاں تھیں جن کی بدولت وہ اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں بھی خاصا مقبول رہا تھا۔ پھر اس کے سامنے پتا نہیں کیسے اس کی زبان لنگ ہو جاتی تھی۔ جس پر بعد میں وہ کبھی جھنجھلا تا کبھی خود کو سخت ست کہتا پھر بھی دیکھنے سے آگے بات نہیں بڑھ رہی تھی۔

یونہی کتنے دن گزر گئے۔ ادھر اماں کا اس کی شادی کے لیے اصرار بڑھنے لگا اور یہ اب صرف ان کا ارمان نہیں مجبوری بھی تھی کہ ایک تو بڑھاپا، دوسرے جوڑوں کے درد کے باعث اب ان سے کام نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے اٹھتے بیٹھتے اسے نوکے لگی تھیں۔ اور وہ ہمیشہ سے ان کا فرمانبردار اسے شدت سے احساس تھا کہ اس کی بوڑھی ماں کو اب آرام کی ضرورت ہے لیکن کیا کرتا یہاں وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا۔ جو اس چاند کا تمنائی ہو کر کچھ اور سوچنے پر آمادہ ہی نہیں تھا جب ہی اماں کو پروموشن کے بہانے ٹالے جا رہا تھا جب کہ اس کی پروموشن ہوئے دو مہینے ہو چکے تھے۔

”پھر کون بیانے آئے گا تجھے۔“ امی نے اس کی بات پر غصے میں کہا تھا اور جواب میں اس نے گردن

اڑائی تھی۔

”بہت آئیں گے انتخاب کرنا مشکل ہو جائے گا آپ کو۔“

اور اس کی بات سچ ہو گئی تھی۔ قریب اور دور کے کنزرو کے علاوہ جان پہچان کے کتنے لوگ سوالی بن کر آگئے تھے۔ وہ کالج سے آتی تو ہر روز ایک یا دو رشتہ موجود ہوتا۔ جس سے امی واقعی بوکھلا گئی تھیں اور اسے بتاتے ہوئے پریشان ہو گئیں۔

”کیا کروں، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، کسے منع کروں، کہاں ہاں بھروں۔“

”کہیں ہاں بھرنے کی ضرورت نہیں ہے سب کو منع کروں۔“ وہ بڑے آرام سے بولی تھی۔

”ہائیں، سب کو منع کروں! کیوں؟“ امی نے بمشکل اپنے لمبے برقا بیا کر ٹوکا پھر بھی وہ ان کے اندر اٹھتا ہال محسوس کر کے محفوظ ہو کر بولی تھی۔

”کیونکہ مجھے ان میں سے کوئی بھی پسند نہیں ہے۔“

”پھر کون پسند ہے؟“ اب امی کو ضبط کرنا مشکل ہو گیا تھا تیر لہجے میں پوچھا تو وہ ناک سکیڑ کر بولی۔

”نی اچال کوئی نہیں۔“

”کیا مطلب ہے تیرا تو پہلے کسی کو پسند کرے گی پھر شادی؟“

”اس میں کیا پرائی ہے؟“ وہ انتہائی معصوم بن کر النان سے پوچھنے لگی۔

”دیکھ، شریف لڑکیوں کے یہ لہجہ نہیں ہوتے۔ تجھے کالج میں اس لیے نہیں داخل کر لیا کہ تو بے لگام ہو جائے۔“ ضبط کی کوشش میں امی اسی طرح بات کرتی تھیں۔

”یا اللہ! کہاں پھنس گئی۔“ اس نے سر پینا پھر ہاتھ جوڑ کر بولی۔

”خدا کے لیے اے! پہلے آپ اپنی زبان ٹھیک کریں۔“

”اس۔۔۔ میری زبان کو کیا ہوا؟“

”جاہلوں کی طرح تو تراخ کرنا چھوڑیں اور کچھ

دیکھیں۔“ اس نے ناگواری سے سر جھٹک کر کہا۔

”اللہ کی شان! چار جماعتیں کیا پڑھ گئی۔ اب مجھے کیا کروں۔“ آپ کے اماں اب اپنے جو نہیں

سمجھتے تھے۔ ”وہ شاید لحاظ کرنا جانتی ہی نہیں تھی۔“

”امی اوقات میں رہ۔ زیادہ اونچا امت از نہیں تو

کے بل کرے گی۔“

”آپ تو چاہتی ہی یہی ہیں۔“

”تیری دشمن ہوں نا۔“

”اور کیا۔“ وہ پیر پختی ہوئی اندر چلی گئی تو اسے

اپنے کو امی مزید اونچا پونے لگی تھیں۔

”آنے دے باپ کو۔ ابھی فیصلہ کرواتی ہوں۔“

ہارون میں تیرے ہاتھ پہلے کر کے تجھے رخصت نہ کیا

میرا نام نہیں۔ بڑی آتی تجھے تہذیب سکھانے والی۔“

پھر اس سے چھوٹی ناویہ کو دیکھ کر امی کا بقیہ غصہ اس کی

طرف منتقل ہو گیا تھا۔

”اور تو یہاں کیا کر رہی ہے۔ خبردار جو بڑی کی طرح

اپنا چلائی تو۔“

”میں کیا کہہ رہی ہوں ناویہ منمنائی۔“

”کہہ کے تو دیکھ، زبان کھینچ لوں گی۔ چل جابر تن

دھو۔“

”فانیہ سے کہیں، میں نے صبح بھی دھوئے تھے۔“

ناویہ نے ہلکا سا احتجاج کیا۔

”وہ یہاں نہیں، سسرال جا کے دھوئے گی۔ جہاں

ہوتے پڑیں گے۔ یہاں نواب زادی کے ہاتھ خراب

ہوتے ہیں۔ ناخن ٹوٹتے ہیں۔“ امی پھر شروع ہو گئی

تھیں اور ان کی ایسی ہی باتوں سے وہ اور ضد پکڑتی

تھی۔ کیونکہ ابھی اتنی میچور نہیں تھی جو یہ سوچ لیتی کہ

وہ جو کہہ رہی ہیں اس کے بھلے کو کہہ رہی ہیں اس کے

برعکس وہ اسے اپنی دشمن نظر آتی تھیں۔ بلکہ یہاں

تک سوچ لیتی کہ وہ اس کے حسن سے جلتی ہیں اور

نہیں چاہتیں کہ اس کی کسی اچھی جگہ شادی ہو۔

اور یہ جو اتنے رشتے آئے تھے تو ان میں چند ایک

واقعی بہت اچھے تھے جن میں انتخاب کرنا بہت مشکل تھا۔ لیکن اس نے کسی کے بارے میں جاننے کی کوشش ہی نہیں کی اور پہلے مرحلے پر ہی صاف انکار کر دیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ان میں وہ نہیں ہے جو ہر صبح اس کا ہر قدم اپنے دل پر شمار کرتا ہے اور جب وہ قریب جاتی ہے تو قصداً ”انجان بن کر اپنی نظریں کسی اور سمت بھٹکاتا ہے۔“

جانے کون ہے۔ اس کا نام پتا وہ کچھ نہیں جانتی تھی بس اتنا معلوم تھا کہ اسی محلے میں اگلی کسی لائن میں رہتا ہے۔

اس رات وہ اس کے بارے میں سوچتے ہوئے بہت دیر سے سوئی تھی جب ہی صبح معمول کے مطابق خود سے اس کی آنکھ نہیں کھلی۔ جب ناویہ نے ہلا کر پوچھا کہ وہ کالج نہیں جائے گی تب ہڑبڑا کر اٹھی اور جلدی جلدی تیار ہو کر ناشتا کیے بغیر گھر سے نکل آئی کیونکہ آٹھ تو یہیں بچ گئے تھے۔

”اللہ کرے ابھی اس کی دین ہی نہ آئی ہو؟“ وہ دل ہی دل میں دعا کرتی بہت تیز قدموں سے چلنے لگی تھی۔

بوکھلا ہٹ الگ سوار ہو گئی تھی جو اس وقت مایوسی میں بدل گئی جب وہ اسے نظر نہیں آیا پھر بھی متلاشی

نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی کہ جانے کس سمت سے نکل کر وہ اس کے سامنے آکر یوں مسکرایا

جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ اور وہ انجان بنتے بنتے بھی مسکرائی تھی۔ جب ہی وہ قریب چلا آیا۔

”اسلام علیکم۔“

وہ جواب میں صرف سر ہلا سکی۔

”میں وقار ہوں اور آپ؟“ اس نے اپنا نام بتا کر پوچھا تو وہ اپنی دین دیکھ کر اس کی طرف بڑھنے سے پہلے بولی تھی۔

”فانیہ!“

☆ ☆ ☆

حسب معمول اس نے رات گیارہ بجے اپنے دروازے پر دستک دی تھی لیکن آگے خلاف معمول

5

دروازہ کھولنے والی کوئی اور تھی جسے دیکھ کر وہ نہ صرف حیران ہوا بلکہ یہی سمجھا کہ غلطی سے کسی اور دروازے پر آگیا ہے۔ جب ہی سوری کہہ کر واپس پلٹنے لگا تھا کہ وہ بول پڑی۔

”آپ قارہیں؟“

”جی۔۔۔“ اس کا جی سوالیہ تھا لیکن وہ اثبات میں سمجھی تھی۔

”ماں نے کہا تھا میں دروازہ کھول دوں۔“

”کس کی ماں نے؟“ وہ ابھی بھی حیران تھا۔

”آپ کی۔“

”آپ چھالے۔“ اس نے دروازے کا جائزہ لیا پھر اندر داخل ہو کر پوچھنے لگا۔

”ماں کہاں ہیں؟“

”سوری ہیں۔ آپ منہ دھولیں، میں کھانا گرم کرتی ہوں۔“ وہ جواب کے ساتھ کہتی ہوئی کچن میں چلی گئی تو وہ محض اس کے بارے میں جاننے کے لیے پہلے ماں کے کمرے میں جا کر انہیں جھوٹنے لگا۔

”ماں! ماں! انہیں۔“

”کیا ہے؟“ ماں اس کے ہاتھ جھٹک کر ناگواری سے دیکھنے لگیں۔ ”کیوں اتنی رات کو پریشان کر رہے ہو؟“

”میں خود پریشان ہو رہا ہوں۔“ وہ دروازے کی طرف دیکھتا ہوا بولا کہ کہیں وہ آؤ نہیں رہی۔

”کاہے کو؟“ ماں اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

”وہ۔۔۔ لڑکی کون ہے اتنی رات کو ہمارے گھر میں کیا کر رہی ہے؟“

”کون لڑکی؟“ ماں نیند سے جاگی تھیں، فوراً سمجھیں نہیں۔

”وہی جس نے دروازہ کھولا ہے اور اب کچن میں کھانا گرم کر رہی ہے۔“ اس نے چھنجھلا کر کہا تو ماں بجائے جواب دینے کے اس کی تعریف کرنے اور دعائیں دینے لگیں۔

”ارے اللہ خوش رکھے۔ نیک نصیب کرے۔ کیسی پیاری بچی ہے۔“

”وہو! ہے کون؟“ وہ عزیز جھنجھلایا۔ ”اور یہاں کیوں آئی ہے؟“

”خود سے نہیں آئی، میں لے کر آئی ہوں اسے۔“ اس کی ماں کو۔

”اے بیٹا! بیچاری دکھیا عورت جو ان بیٹی کو لے کر آئی۔“

”ماں نے کہا کہ جب تک کوئی دوسرا ٹھکانا نہیں ہوتا یہاں رہ لیں۔ میں نے تمہارا کمرہ دیا ہے انہیں، تم یہاں میرے پاس سو جانا۔ کچھ دنوں کی بات ہے۔ کسی کے کام آنا ثواب کا کام ہے۔“ ماں اب بولنے جاری تھیں اس نے سر پیٹ لیا۔

”یا اللہ! میں کیا پوچھ رہا ہوں۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔“

”کیا۔ کیا پوچھ رہے ہو تم؟“

”یہ کون ہیں اور آپ انہیں کہاں سے لائی ہیں؟“ اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اپنا سوال دہرایا تو

ماں اس پر تعجب کرتے ہوئے بولیں۔

”تو تم نہیں جانتے،“ اوہر شیخ صاحب کے ہاں ایک کمرے میں رہتی تھیں دونوں ماں بیٹی۔ دو سو روپے ماہوار کرایہ دیتی تھیں لیکن آج صبح شیخ صاحب نے انہیں فوراً کمرہ خالی کرنے کو کہہ دیا۔ اب بتاؤ بھلا اتنی

جلدی دو سرا انتظام کیسے ہو سکتا تھا۔ مجھے بروین کی امی نے بتایا تو میں جا کر لے آئی دونوں کو اچھا کیا ناں۔“

”ہاں بہت اچھا کیا۔“ وہ جل کر بولا تھا۔ ”اب میں کہاں جاؤں؟“

”کہیں نہیں، یہ رہا تمہارا پینٹنگ۔“ ماں نے بڑے آرام سے اس کے پینٹنگ کی طرف اشارہ کیا وہ اس پر گرتے ہوئے بولا۔

”مجھے یہاں نیند نہیں آئے گی، میں اپنے کمرے میں جاؤں گا۔“

”بیٹا کچھ دنوں کی بات ہے انہیں کوئی اور کمرہ مل جائے گا تو چلی جائیں گی۔“ ماں نے دلا سا دے کر کہا۔

”ہاں کچھ دن، مہینے نہیں ہونے چاہئیں۔“ وہ وارننگ دے کر کہنے لگا۔

”اور یہ آپ نے اسے کام سے کیوں لگا دیا۔ مہمان

ہے کوئی نوکر تو نہیں۔“

”نہیں، میں نے تو نہیں کچھ کہا۔ خود ہی سارا دن بھی لگی رہی۔ مجھے ایک کام نہیں کرنے دیا۔ اللہ خوش رکھے اسے۔ بڑی نیک خدمت گزار بچی ہے۔ جس گھر جائے گی۔“ ماں پھر اس کی تعریف میں شروع ہو گئی تھیں۔ وہ آکر اسٹھ کھڑا ہوا۔

”مجھے بھوک لگی ہے۔“

”ہاں جاؤ کھانا گرم کر دیا ہو گا اس نے۔“ ماں نے کہا تو وہ بڑبڑاتا ہوا کمرے سے نکل آیا اور پہلے کچن کی کھڑکی سے جھانک کر اس کے نہ ہونے کا یقین کیا پھر اندر داخل ہوا تو پہلی نظر رے پر پڑی جس میں اس نے کھانا رکھ دیا تھا۔

وہ وہیں بیٹھ گیا اور پہلے نوالے پر ہی اس کے منہ سے بے ساختہ واہ نکلا تھا پھر وہ روزانہ کی نسبت زیادہ کھا گیا۔ پھر چائے کی شدید خواہش کو اس خیال سے دبا دیا کہ ماں کو اٹھ کر آنا پڑے گا۔ پہلے تو وہ یہیں ہوتی تھیں اور وہ جب تک کھانا کھاتا ناں چائے بنا دیتی تھیں لیکن اب انہیں بلانا اچھا نہیں لگا۔ پہلے بھی انہیں نیند میں سے اٹھا چکا تھا۔ اس لیے پانی پر اکتفا کر کے کچن سے نکلا تو وہ سامنے آگئی۔

”چائے بنا دوں؟“

”جی! مجھ سے کچھ کہا؟“ اسے واقعی شبہ ہوا تھا۔

”جی! میں چائے کا پوچھ رہی ہوں بنا دوں؟“

”نہیں شکریہ، آپ کو پہلے ہی زحمت ہوئی۔“ وہ کہہ کر فوراً اندر آگیا اور ماں کو جاگتے دیکھ کر تعجب سے پوچھنے لگا۔

”آپ سوئیں نہیں۔“

”چھٹی بھلی سو گئی تھی۔ تم نے اٹھا دیا۔“ ماں نے اپنی نیند خراب ہونے پر اب ناراضی کا اظہار کیا۔

”مجھے کیا پتا تھا میں اس لڑکی کو دیکھ کر پریشان ہو گیا پھر آپ سے نہ پوچھتا تو اور کس سے۔“

”ہاں تب تک میں اپنے آپ سوچتا الجھتا رہتا۔ اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اسے نکال باہر کرتا پھر آپ ہی

ناراض ہوتیں۔“ وہ بولتا ہوا اپنے پینٹنگ پر لیٹ گیا لیکن جبکہ کی تبدیلی اسے بری طرح کھٹنے لگی تھی۔ کچھ دیر خود کو تسلی دیتا رہا کہ کچھ دنوں کی بات ہے پھر یقین کے لیے ماں سے پوچھنے لگا۔

”ماں! یہ لوگ جلدی یہاں سے چلی جائیں گی ناں۔“

”ہاں دیکھو، جب کوئی انتظام ہو گا۔“ ماں کے اطمینان سے کہنے پر وہ تپ کر اٹھ بیٹھا۔

”یہ بات نہیں کریں ماں! اگر ایک سال تک ان کا انتظام نہ ہوا تو۔۔۔“

”ہو جائے گا، تمہیں کاہے کی فکر ہے تمہارے سر پر تو نہیں بیٹھیں۔“

”دکھ رہے ہیں تو یہی ہیں۔“ وہ فوراً بولا تھا۔

”چھابیں زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ماں ٹوک کر کہنے لگیں۔ ”سارا دن تو کمرہ خالی پڑا رہتا ہے رات کے رات آتے ہو تم صبح چل دیتے ہو۔“

ایک چھٹی کا دن وہ بھی گھر پر نہیں نکلتے۔

”تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ میرا کمرہ کرائے پر اٹھا دیں۔“

”کوئی کرائے پر نہیں اٹھلایا۔ حالانکہ وہ بیچاری تو دے رہی تھیں پیسے لیکن میں نے نہیں لیے۔“

”یہ آپ نے بہت اچھا کیا ورنہ یہیں جم جاتیں، بہر حال ان سے کہیے گا جلدی اپنا کہیں اور انتظام کر لیں کیونکہ ہمیں کمرے کی ضرورت ہے۔“ اس کے ذہن پر صرف اپنا کمرہ سوار تھا۔

”کیا ضرورت ہے؟“ ماں کچھ بے دھیانی میں کہہ گئیں۔

”کیوں میری بیوی آئے گی تو کہاں رہے گی؟“ اس نے اپنے نہیں ماں کے دل کی بات کہی تھی لیکن وہ مایوسی سے بولیں۔

”پتا نہیں کب آئے گی؟“

”آپ لانے کی سوچیں گی تو آئے گی نا۔“

”میں تو تھک گئی سوچ سوچ کر اور تم پتا نہیں کیا سوچے ہوئے ہو۔“ ماں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا تو

وہ مسکرا کر بولا۔

”میں سوچ چکا ہوں بلکہ لڑکی بھی پسند کر چکا ہوں۔“

”ہائیں کون ہے؟“ اماں فوراً اٹھ کر بیٹھ گئیں۔
”ہے ایک لڑکی بہت پیاری، آپ دیکھیں گی تو بس دیکھتی رہ جائیں گی۔“ وہ اس کا تصور کر کے بولا۔

”بتاؤ نا کون ہے۔ کہاں رہتی ہے۔ میں کل ہی اس کے ہاں جاؤں گی۔“ اماں کی بے صبری پر وہ ذرا سا ہنسا پھر کہنے لگا۔

”کل نہیں اماں! پہلے آپ میرا کمرہ سیٹ کریں پھر۔“

اماں بھی سمجھیں کہ وہ کمرہ کی وجہ سے انہیں چکر دے رہا ہے جب ہی غصے سے بولیں۔

”بھول جاؤ اس کمرے کو۔ تمہیں اگر اکیلے سونے کی عادت ہے تو کل سے میں اپنا بستر وہاں لے جاؤں گی۔ لیکن ان سے کمرہ خالی کرنے کو نہیں کہوں گی۔“

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“ وہ واقعی نہیں سمجھا تھا کہ اماں کو کس بات پر غصہ آیا ہے۔

”کوئی مطلب نہیں۔ چلو لاٹ بند کرو۔ ساری نیند خراب کر کے رکھ دی۔“ اماں کروٹ بدل گئیں تب بھی بڑبڑاتے جاری تھیں۔

اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں کندھے اچکائے پھر اٹھ کر لاٹ آف کر دی۔

وہ اپنی دوستوں کو بتائے بغیر آخری پیرینڈ چھوڑ کر کالج سے نکلی تو گیٹ کے سامنے ہی وہ منتظر کھڑا تھا۔ اور اسے دیکھتے ہی ایک کر قریب آیا تھا۔

”میں ڈر رہا تھا۔ کہیں تم بھول نہ جاؤ۔“ وہ قصداً ہنس پڑی۔ مقصد مترنم ہنسی کا جلاوٹ بکھیرنا تھا اور وہ تو پہلے ہی اس کے سحر میں آچکا تھا۔

”چلو۔ تمہیں بیٹھ کر بات کریں گے۔“ اس نے کوئی پس و پیش نہیں کی اور بڑے آرام سے اس کے ساتھ بائیک پر بیٹھتے ہی پوچھنے لگی۔

”یہ بائیک کس کی ہے؟“

”مگر میں کہوں میری تو؟“

”میں یقین نہیں کروں گی۔“ وہ فوراً بولی تھی۔
”کیوں؟“

”کیونکہ صبح تم دین پر جاتے ہو۔“ اس نے یقین نہ کرنے کی وجہ بتائی تو وہ خاموش رہا تھا تصدیق یا تردید نہیں کی۔ اور وہ شاید جاننا چاہتی تھی جب ہی ریسٹورنٹ میں بیٹھتے ہی کہنے لگی۔

”تم نے بتایا نہیں بائیک تمہاری ہے یا کسی سے مستعار لائے ہو۔“

”میری ہے۔“ اس کے سرسری جواب پر وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

”پھر صبح دین پر کیوں جاتے ہو؟“
”تمہارے لیے یہی سننا چاہتی تھیں تا تم اور یہی سچ ہے۔“ وہ اچانک اسے اپنی نظروں کی گرفت میں لے کر بولا تھا۔ اور وہ اتنی بے باک نہیں تھی جتنا خود کو ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب ہی ہنسنے کی کوشش میں ناکام ہو گئی تھی۔ مزید گلایا رخسار دہک اٹھے تھے۔ جن کی پیش سے وہ دیوانہ ہو رہا تھا۔

”تم نے سچ سچ مجھے بالکل دیوانہ کر دیا ہے اتنے سے دنوں میں لگتا ہے میں صدیوں کی مسافرتیں طے کر آیا ہوں۔ اس سے آگے میں تمہا نہیں چل سکتا۔“ وہ بے خودی میں بولتا ہوا اس کا ہاتھ تھام گیا۔

”میرا ساتھ دو گی نا۔“
وہ خود اس کی تمنائی تھی۔ کیسے منع کرتی البتہ فوراً اقرار کرنا بھی مشکل تھا کیونکہ اس کے دل نشین لہجے نے اندر کی دنیا تہہ و بالا کر دی تھی۔ دل اس بری طرح دھڑک رہا تھا کہ وہ اسے قابو کرنے کی سعی میں لگی رہی۔

”جواب دو ثانیہ! مجھ سے شادی کرو گی۔“ اس نے اصرار سے کہا۔

”یا اللہ! وہ سن رہی۔“ مجھے نہیں پتا۔“
”کیا نہیں پتا؟“ وہ اس کے سر پر ہرے کوشوق سے دیکھ رہا تھا۔

”یہ شادی وادی یہ سب امی ابو کو پتا ہے۔ تم ان سے بات کرو۔“

”میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ لیکن پہلے تمہاری بھرو پھر میں بات آگے بڑھاؤں گا۔“ وہ اس کے ہاتھ کو ہلکا سا ہٹکا دے کر بولا۔

”مجھے نہیں پتا۔ میں کنفیوز ہو رہی ہوں۔ تم پلیز کوئی اور بات کرو۔“

”اور بات۔؟“ وہ ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔ ”آج موسم بہت خوبصورت ہے۔“

”ہیں۔“ وہ ہنس پڑی۔
”تمہیں یہ موسم پسند ہے۔“

”تم ساتھ ہو تو ہر شے حسین لگ رہی ہے۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا تو وہ اتر کر بولی۔

”میری فریڈ ز بھی یہی کہتی ہیں۔“
”اچھا اور کیا کیا کہتی ہیں؟“

”بہت کچھ پھر کبھی بتاؤں گی۔ ابھی چلو۔“ وہ گھڑی دیکھ کر بولی۔

”اتنی جلدی۔“
”کالج تا تم ختم ہو چکا ہے اور مجھے اسی حساب سے گھر پہنچنا ہے۔“ وہ امی کی باز پرس کا سوچ کر فوراً گھڑی ہو گئی۔

”چلو وقار! دیر ہو گئی تو میرے لیے بہت مشکل ہو گی۔“

”پھر کب ملو گی؟“ وہ بہت سستی سے اٹھا تھا۔
”روزانہ صبح ملاقات ہوتی تو ہے۔“

”وہ تو کوئی ملاقات نہیں۔ میں تمہارے گھر آؤں گا۔“ اس نے کہا تو وہ گھبرا گئی۔

”نہیں۔ ابھی گھر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔“
”پھر کب؟“

”بتاؤں گی۔“ وہ کہہ کر آگے چل پڑی تھی۔ اور یہ بھی غنیمت ہوا کہ معمول کے مطابق گھر پہنچ گئی ورنہ امی کو مطمئن کرنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن تھا۔ پھر بھی اس کے دل میں کیونکہ چور تھا اس لیے کتابیں رکھ کر دواش روم میں بند ہو گئی۔ اور وہاں

سے نکلی تو کچن میں کھانا گرم کرنے لگی تب ہی نادیدہ چائے کے برتن لے کر آگئی۔

”کون آیا ہے؟“ اس نے ٹرے دیکھ کر پوچھا۔
”پتا نہیں۔“ نادیدہ نے پہلے لائسنس کا اظہار کیا پھر شرارت سے بولی۔

”شاید تمہاری ساس۔“
”پھر کوئی رشتہ آیا ہے؟“ اس نے فوراً سمجھ کر پوچھا تو نادیدہ آنکھیں پھیلا کر بولی۔

”بڑی تیز ہو گئی ہو۔“
”اس میں تیزی کی کیا بات ہے۔ خیر امی سے کہو۔“

صاف منع کر دیں۔“ اس نے چولہا بند کرتے ہوئے کہا تو نادیدہ سچ کر بولی۔

”میں کیوں کہوں خود کہہ دو۔ ویسے تم چاہتی کیا ہو؟“

”بتاؤں گی۔“ وہ بڑے آرام سے بولی اور سالن کی پلیٹ میں ایک روٹی رکھ کر کچن سے نکل آئی۔

اور اس شام امی خلافِ عادت بہت پیار سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

”دیکھو بیٹی! اچھے رشتے آنے اور شادی کی یہی مناسب عمر ہوتی ہے۔ یہ عمر نکل جائے تو پھر اچھے رشتے چھوڑ دے بھی نہیں آتے۔ تم کیوں اس بات کو نہیں سمجھتی۔“

”سمجھتی ہوں۔“ وہ اپنے ناخنوں سے کھیتے ہوئے لاپرواہی سے بول رہی تھی۔

”پھر کیوں منع کرتی ہو؟“ امی اس کے جواب پر حیران اور انداز پر اندر ہی اندر تلملائی تھیں۔

”آپ کو جلدی کس بات کی ہے۔ میری عمر کوئی اتنی زیادہ تو نہیں ہو گئی۔“ اس نے کہا تو امی زچ ہو کر بولیں۔

”میرے آگے دو اور بھی ہیں۔“
”تو آپ ان کی کر دیں۔“ اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

”ان کی کر دوں اور دنیا کو کیا جواب دوں کہ بڑی چھوڑ کر چھوٹی کی کیوں کی۔ پھر رشتے تمہارے لیے آئے ہیں ان کا نام تو کسی نے نہیں لیا۔“

”تو آپ لے دس۔“

”میں تمہیں لے دوں۔“ اسی شاید آج کوئی فیصلہ کر لیتا جاتا جیسا کہ میں جب ہی ضبط کارامن مضبوطی سے تھامے بیٹھی تھیں۔

”جیسے وہ میرا نام لیتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے، ہمیں ثانیہ کی نہیں تاویہ کی کہنی ہے۔“

”اور وہ پوچھیں ثانیہ کی کیوں نہیں۔“

”تو صاف کہہ دس۔ ثانیہ کو گھر داری نہیں آتی۔ نہ کبھی آئے گی کیونکہ اسے ہانڈی چولے سے سخت نفرت ہے۔ جھاڑ پونچھ سے الرجی ہوتی ہے۔ کپڑے دھونے سے وہ مریض بن کر رہ جاتا ہے۔“

”بس بی بی! بس۔ مزید خوبیاں مت گنواؤ۔ کہیں میں خوشی سے مریض نہ جاؤں۔ اسی نے بے بسی سے ہاتھ جوڑ کر نوکاتوہ ہنسنے لگی۔ اسی تاسف سے بولیں۔“

”آخر تمہارا مقصد کیا ہے؟“

”میرا تو کوئی مقصد نہیں۔“

”تو پھر سن لو مجھے اور تمہارے ابو کو بھی ٹھیک صاحب کا بیٹا پسند آیا ہے۔ میں باقی سب کو جواب دے کر ادھر رہا ہوں۔“

”ای کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ بول پڑی۔“

”ہاں بھرنے سے پہلے آپ انہیں میری خوبیاں گنوائے گا۔ یہی جو میں نے ابھی بتائی ہیں اور اگر آپ نہیں بتائیں گی تو میں بتا دوں گی بلکہ نکاح نامے میں لکھوانے کی شرط بھی رکھوں گی۔“

ضبط کارامن چھلنے چھلنے آخر چھوٹ ہی گیا۔

”سن کوئی بادشاہ بھی اگر بھولے بھٹکے آگیا تاں تو وہ بھی یہ شریں نہیں مانے گا۔ ساری زندگی اسی دلیہز پر بیٹھی رہے گی۔“

”سچی۔ دنیا میں ایک اکیلی تو حور پری نہیں ہے۔ ہزاروں لاکھوں ہوں گی۔ لیکن تیری طرح ڈھیٹ بے غیرت کوئی نہیں ہے۔“

”اے اللہ! یہ کہاں سے آگئی میرے گھر میں۔ اس کے بدلے کوئی لڑکی لنگڑی دے دی ہوگی۔“

”پہلے مانگی ہوئی۔ اب تو آچکی۔“ وہ مسک کر کہتی اسی کے پاس سے ہٹ گئی تھی۔

اس نے معمول بنالیا تھا روزانہ آفس سے لے کر نام میں اس کے کالج چلا جاتا۔ پورا ایک مہینہ ہو گیا تھا اس سے اس طرح ملتے ہوئے اس کے باوجود وہ اسے سمجھ نہیں سکا تھا۔

”کبھی بہت معصوم نظر آتی۔ کبھی بہت مغرور۔ کبھی سیدھی سادی عام سی لڑکی اور کبھی بہت چالاک۔“

درحقیقت وہ کیا تھی وہ سمجھ نہیں پاتا تھا پھر بھی اس کی طرف کھینچا چلا جا رہا تھا تو اس میں اس کا قصور نہیں تھا۔ اس کے حسن میں ایسا ہی جادو تھا جس نے اس کے دل میں آگ لگا دی تھی کہ وہ تپ تپ کر اس کی آرزو کر رہا تھا۔ اور اس نے یہاں تک سوچ لیا تھا کہ اگر خدا نخواستہ وہ اسے نہ ملی تو وہ زہر کھالے گا۔ ہر روز وہ اس کے سامنے ایک ہی بات دہراتا کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور وہ اگر منع نہیں کرتی تھی تو ہاں بھی نہیں بھر رہی تھی۔ پتا نہیں اس کے ساتھ کیا مسئلہ تھا اس وقت وہ یہی سوچتا ہوا گھر آیا تھا کہ آگے

ماں نے نیا شوشہ چھوڑ دیا۔

”کیا؟“ وہ یوں دیکھنے لگا جیسے ماں مذاق کر رہی ہوں۔

”ہاں۔ تم نے بہت چکر دے لیے مجھے۔ کبھی نوکری کا بہانا، کبھی ترقی کا اور میں جانتی ہوں کوئی لڑکی وڑکی پسند نہیں کی تم نے اس لیے اب میں تمہاری بات چلا رہی ہوں۔“

”ماں نے اسے تھارتے ہوئے کہا تو وہ شخص تقریباً پوچھنے لگا۔

”اچھا کہاں چلا رہی ہیں؟“

”میں اسی گھر میں۔“ ماں نے بہت سنجیدگی سے کہا لیکن وہ فوراً سمجھا نہیں تھا۔

”اسی گھر میں کیا مطلب؟“

”یہ اپنی سوج کے ساتھ۔“ ماں نے جتنے پیار سے جو کا نام لیا وہ اسی قدر غصے میں آکر چینا تھا۔

”کیا۔ کہاں وہ کہاں یہ۔ اف آپ نے سوچا کیسے؟“

”ماں کیا برائی ہے اس میں۔ اچھی سلجھی ہوئی ہے۔“

”ماں! صفائی ستھرائی کھانا پکانا۔ سینا پرونا کیا نہیں کرتی؟ جس دن سے آئی ہے مجھے تو آرام ہی آرام

”ماں خدا کے لیے۔“ اس نے ہاتھ جوڑ کر انہیں بلانے کے لئے سے روکا پھر اپنے آپ سوچتا ہوا بولا۔

”ہوں۔ اب سمجھا یہ ماں بیٹی کس چکر میں یہاں آئی ہیں۔ بے وقوف نہیں ہوں میں۔ جائے ان سے

”ماں! ابھی میرا کمرہ خالی کریں۔ نہیں تو میں خود۔“

”ماں! لگتا تھا کہ ماں نے ڈانٹ دیا۔“

”خبردار جو تم اوھر گئے تو۔“

”تو آپ جائیں۔ چند دنوں کا کہا تھا۔ ایک مہینے سے زیادہ ہو گیا ہے ان سے کہیں۔ ہم اس سے زیادہ

”ماں! نہیں کر سکتے فوراً اپنا کمرہ انتظام کریں۔“ وہ

”ماں! اور ناراضی سے بول رہا تھا۔“

”کوئی مہربانی نہیں کی ہم نے۔ انا ان کا احسان ہے کہ مجھ اکیلی بوڑھی عورت کا خیال کرتی ہیں۔ ارے تم تو صبح کے نکلے رات میں آتے ہو۔ کبھی خیال بھی نہیں آتا ہو گا تمہیں کہ پیچھے ماں زندہ ہے کہ مر گئی۔

ماں کی آواز بھرا گئی تھی جس سے اس کا سارا غصہ

جھاگ کی طرح بیٹھ گیا مزید نادم ہو کر بولا۔

”کیا کروں ماں! نوکری ایسی ہے۔ چھوڑ دوں تو

”کہاں کہاں سے۔“

”تھیک ہے نوکری چھوڑ کر میرے پاس نہیں بیٹھ سکتے بہو تو لا سکتے ہو میرے لیے۔“ ماں کی ناں پھر سوپر

”لٹی تھی۔“

”ہاں۔“ وہ گہری سانس کھینچ کر کہنے لگا۔ ”کچھ دن صبر کریں پھر میں آپ کو اس کے گھر لے جاؤں گا۔“

”کب سے سن رہی ہوں سچ بتاؤ۔ کوئی ہے بھی یا ایسے ہی۔“

”ہے ماں ہے اور ایسی ہے کہ۔۔۔ بس کیا کہوں۔“

آپ خود دیکھ لیجئے گا۔“ اس نے زور دے کر جوش سے

کہا۔

”اللہ جلدی وہ دن لائے۔“ ماں نے ہاتھ پھیلا کر

”بس آپ دعا کریں اور ہاں آئندہ اس کا نام نہیں لیجئے گا۔ وہ کون ہے جو مجھ۔“

”اچھا جاؤ۔ کھانا کھاؤ گرم کر دیا ہو گا اس نے۔“

یہاں بھی اس کا نام آگیا تھا۔ وہ جھنجھلا تا ہوا کمرے سے نکل کر کچن میں آیا تو حسب سابق کھانا ترے میں رکھا

تھا اور روزانہ کی طرح پہلے نوالے پر ہی اس کے منہ سے بے ساختہ واہ نکلا تھا لیکن پھر وہ جان بوجھ کر بری

بری شکلیں بنانے لگا۔ جیسے بھوک کی وجہ سے زبردستی کھانا ڈر رہا ہو۔

پھر آخری نوالہ منہ میں رکھ کر اٹھا تھا کہ وہ کچن کے دروازے میں آکر کھڑی ہوئی جس سے وہ قدرے سٹپٹا

گیا تھا کیونکہ اس تمام عرصے میں یہ سلا موقع تھا کہ وہ اس طرح براہ راست سامنے آئی تھی اور حقیقتاً وہ

بھی پہلی بار براہ راست اسے دیکھ رہا تھا۔ دلی پٹی معمولی نقوش والی بہت عام سی لڑکی تھی لیکن کھڑی

ہوں تھی جیسے ایک عالم فتح کر آئی ہو کہ وہ جانے اور خوشی کے باوجود اپنے لیے میں ذرا سی سختی نہیں

لا سکا۔ اس کے برعکس چمک کر پوچھنے لگا۔

”کیا بات ہے؟“

”میں چائے بنانے آئی تھی۔ آپ کھانا کھا چکے؟“

”ہاں! وہ باہر نکلتا چاہتا تھا لیکن راستے میں وہ کھڑی تھی۔“

”چائے نہیں گئے؟“

”نہیں راستہ چھوڑیں۔“ اسے کہنا پڑا۔

”مسوری! وہ ایک طرف ہٹ گئی اور جیسے ہی وہ باہر نکلا فوراً بولی۔

”ایک منٹ رکھیں گے۔“

”جی۔“ وہ مجبوراً رک کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تو وہ کچن میں داخل ہو کر کہنے لگی۔

”مجھے افسوس ہے کہ ہماری وجہ سے آپ کو پریشانی ہو رہی ہے۔ میں نے ایک جگہ بات کہی ہے اور اس

پہلی تاریخ کو ہم انشاء اللہ آپ کا کمرہ خالی کر دیں گے۔“

وہ سمجھ گیا کہ وہ جو اتنی اونچی آواز میں ماں سے بول

رہا تھا تو یقیناً "سن چکی ہے پھر بھی موت" کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے تلافی ہو سکتی البتہ کھیا ضرور کیا تھا۔ جب ہی کچھ کے بغیر فوراً اندر آگیا۔

"کھالیا کھانا؟" اماں نے بوہنی پوچھ لیا تھا جب ہی وہ بھی ان سنی کر گیا اور دونوں پٹنگوں کے درمیان ٹھوڑی سی جگہ پر ادھر سے ادھر ٹھٹھاتا ہوا ہوا۔

"کھانا کھاتے ہی سونا پڑتا ہے۔ جب ہی آج کل طبیعت بھاری رہتی ہے۔"

"تمہاری دیر سے جو آتے ہو۔ ایسا کرو رات کا کھانا آٹھ بجے وہیں دفتر میں کھالیا کرو۔" اماں نے مخلصانہ مشورہ دیا جس پر وہ چڑ کر ہوا۔

"پھر کیس کی سوچیں وہیں جایا کرو۔"

"تو بہ تم سے تو بات کرنا مشکل ہے۔" اماں نے لپٹتے ہی دیوار کی طرف منہ کر لیا تو وہ لائٹ آف کرنے سوچ پورڈ تک گیا لیکن پھر کچھ خیال آنے پر واپس پلٹ کر اماں کو لپکار کر ہوا۔

"اماں! ایک بات بتائیں۔"

"کیا؟" اماں نے کوئی حرکت کے بغیر پوچھا۔

"ادھر دیکھیں۔" وہ ان کے پاس بیٹھ گیا اور کندھلا کر اپنی طرف متوجہ کر کے پوچھنے لگا۔

"یہ جو مال بی بی ہیں یہ کرنی کیا ہیں؟"

"کیا مطلب؟" اماں سمجھی نہیں لیکن پوری طرح متوجہ ضرور ہو گئی نہیں۔

"میرا مطلب ہے ان کی آمدنی کا کیا ذریعہ ہے۔"

"کوئی پنشن وغیرہ آتی ہے کیا۔ یا لڑکی کا باپ کیس باہر رہتا ہے؟"

"نہیں۔ اس کا باپ نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی پنشن آتی ہے۔"

"پھر؟"

"پھر کیا۔ سلائی کڑھائی کرتی ہیں دونوں ماں بیٹی اسی پر گزارا ہے۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو۔" اماں نے بتا کر ٹوٹا۔

"بوہنی خیال آیا تھا کہ لڑکی کوئی نوکری تو کرتی نہیں پھر ان کی گزارا وقت۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر اٹھ

کھڑا ہوا۔

"لائٹ آف کروں۔"

"ہاں۔" اماں پھر کوٹ بدل گئیں تو وہ لائٹ آف کر کے اپنی جگہ پر آلیٹا اور روزانہ کی طرح اندھیرے میں اس حسین چہرے کی ضیاء کو سوچتے سوچتے سویا تھا۔

اور اگلے روز جب وہ اس کے ساتھ اسی مخصوص ریسٹورنٹ میں بیٹھا تو بہت سنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔

"دیکھو ثانیہ! میں نے تمہاری طرف پیش رفت محض دوستی یا شخص دقت گزار کی کے لیے نہیں کی تھی۔ میں نے تمہیں دیکھا، پسند کیا اور پھر تم سے شادی کا فیصلہ کر کے تمہاری طرف بڑھا تھا اور اگر تمہیں یاد ہو تو میں نے پہلی ملاقات میں ہی تم سے پوچھا تھا کہ مجھ سے شادی کرو گی اور تم اب تک مجھے ٹال رہی ہو۔ کیوں؟"

"وہ اس کی سنجیدگی سے قدرے خائف ہو گئی تھی۔ جب بھی فوراً کچھ نہیں بولی۔

"جواب دو ثانیہ! کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟"

اس نے پھر اصرار سے پوچھا۔

"مسئلہ؟" وہ پُر سوچ انداز میں بولی۔ "ہاں مسئلہ تو ہے۔"

"کیا؟" وہ سوالیہ نشان بن گیا۔

"کیا کیا؟" وہ پہلے اپنے انداز میں ہنسی پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہنے لگی۔

"ایسا ہے وقار کہ میرے لیے بہت سے پریوزل آئے ہوئے ہیں اتنے کہ پوری ایک لسٹ بن گئی ہے۔ اور ٹاپ آف دی لسٹ میں تمہیں بتاؤں اپنے محلے کے تھکیل صاحب جنہیں یقیناً تم جانتے ہو گے انہوں نے اپنے بیٹے کا پریوزل دیا ہے۔ پھر ڈاکٹر عارف اور سید صاحب اور۔۔۔"

"بس مجھے پوری لسٹ مت بتاؤ۔" اس نے ٹوک دیا تو وہ سنستے ہوئے بولی۔

"جل گئے؟"

"ہاں۔" اس نے صاف گوئی سے اعتراف کیا تو وہ ہنسی روک کر کہنے لگی۔

"میرا مقصد تمہیں جلاتا نہیں تھا۔ بہر حال تم نے مسئلہ پوچھا۔ میں وہی بتا رہی ہوں۔ میں نہیں چاہتی ہوں کہ ان پریوزل کی موجودگی میں تمہارا پریوزل آئے اور لسٹ میں تمہارا نام آخری نمبر پر لکھا جائے۔ پہلے مجھے ان سب کو ٹالنے دو۔ اس کے بعد تم آنا۔"

"میں نہیں ٹالنے میں کیا مشکل ہے صاف منع کرو۔" اس نے کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"کیا بتاؤں۔ روزانہ امی سے ٹکرا رہی ہوں۔ وہ زبردستی مجھ سے ہائی بھروانے پر تل رہی ہیں۔"

"پھر کیا تم ان کی بات مان لو گی؟" وہ اب واقعی پریشان ہو گیا تھا۔

"نہیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، میں بہت ضدی ہوں، اپنی منوا کے چھوڑتی ہوں۔" اس کے انداز میں ہٹ دھرمی اور خود سری تھی جس پر وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر پوچھنے لگا۔

"کیسے منواؤ گی؟"

"میں نے امی سے کہہ دیا ہے کہ جہاں بھی وہ ہائی بھرنے کا سوچیں وہاں پہلے میری عداوت بتا دیں۔ نہیں تو میں خود بتا دوں گی۔ اس کے بعد مجھے یقین ہے سب اپنا اپنا پریوزل واپس لے لیں گے۔" اس نے محفوظ ہو کر بتایا تو وہ قدرے الجھ کر پوچھنے لگا۔

"کیا مطلب۔ تمہاری عداوت۔"

"بھئی۔ صاف بات ہے مجھے گھرواری نہیں آتی۔ نہ میں کبھی سیکھوں گی۔ کیونکہ مجھے ہانڈی چولہے سے سخت نفرت ہے۔ جھاڑ پونچھ سے الٹی ہوتی ہے اور کپڑے برتن دھو کر میں اپنے ہاتھ خراب نہیں کر سکتی۔ میں شادی ہی اس شخص سے کروں گی جو مجھ سے یہ سب کام کرنے کو نہیں کہے گا۔" وہ اپنی عداوت بتاتے ہوئے آخری جملہ روانی میں بول گئی تھی تو وہ جو اس کی عداوت پر ہی حیران ہو رہا تھا آخری بات پر اچھل پڑا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں مجھے اپنی رنگت اپنی جلد، اپنا حسن دھوپ میں خراب نہیں کرتا۔ تم ایمانداری سے بتاؤ اگر میں کوئی عام سی لڑکی ہوتی کالی پیلی تو کیا تم اس طرح میرے دیوانے ہوتے۔" وہ اپنی بات پر نہ صرف قائم بلکہ اس سے منوانے پر بھی تل گئی۔

"نہیں۔" اس کی نظروں میں اچانک دلی تلی بدرنگ سی جو کا سر لپا آن سلیا تھا جب ہی اس کا سر تلی میں ہلکا گیا۔

"پھر میں اپنے حسن کی حفاظت کیوں نہ کروں۔" وہ گردن اڑا کر بولی تھی۔

"ہاں یہ تمہارا حق ہے۔" وہ پھینکی ہنسی ہنسا پھر پوچھنے لگا۔ "تم ابھی اپنے گھر میں کوئی کام نہیں کرتیں۔"

"بالکل نہیں۔"

"تمہاری امی کچھ کہتی نہیں۔"

"بہت کچھ کہتی ہیں لیکن میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔" وہ دھشالی سے بولی تھی۔

"بہر حال۔ تم اپنی جگہ ٹھیک سی لیکن میری اماں کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرنا۔" اس نے کہا تو وہ تنک کر بولی۔

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ پرانے خیال کی عورت ہیں، نہیں سمجھیں گی۔ پھر راز میں جو مان رہا ہوں تو ان سے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔" اس نے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ لیٹین کی خاطر پوچھنے لگی۔

"تم مان رہے ہو؟"

"ہاں۔" وہ مجبور ہی ہے کہتے کہتے رہ گیا۔

"ایسے ہی زبانی ہاں نہیں چلے گا۔ میں نکاح تارے پر بھی لکھواؤں گی۔" اس نے کہا تو وہ فوراً ہوا۔

"نہیں تم ابھی لکھواؤ۔ اس وقت یہ باتیں نہیں ہوں گی۔"

"کیوں؟"

"عجیب بے وقوف لڑکی ہو۔ لوگ کیا کہیں گے اور

مجھے نہیں تمہارے بارے میں الٹی سیدھی باتیں ہوں
گی جو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ سمجھیں۔
”سمجھ گئی۔“ وہ ہنسنے لگی۔

”پھر میں اماں کو کب بھیجوں؟“ اس نے پوچھا تو وہ
فورا بولی۔

”جب چاہو۔ میں آج ہی امی سے بات کر لوں گی پھر
تم کل برسوں جب بھی۔“

”ٹھیک ہے، لیکن تم یاد رکھو اماں کے سامنے کوئی
ایسی دلی بات نہیں ہوگی۔“ اس نے پھر تنبیہ کی
تھی۔

امی کیونکہ ہر روز اسے آنے والے رشتوں کے
بارے میں بتا کر پھر اس سے ہائی پھروانے کی کوشش
کرتی تھیں۔ اس لیے اس کی بھجک ختم ہو گئی تھی بلکہ
یہاں تو باقاعدہ تکرار ہوتی تھی جب ہی اس نے بڑے
آرام سے امی کو وقار کے بارے میں بتا کر یہ بھی کہہ دیا
کہ وہ شادی کرے گی تو اسی سے۔ جس پر امی کہنا تو
بہت کچھ چاہتی تھیں لیکن مصلحتاً خاموشی اختیار
کر لی کہ پہلے رشتہ دیکھ لیں۔

ویسے انہیں یقین تھا کہ اس نے جسے پسند کیا ہے وہ
اگر شزاوہ نہیں تو شزاوے سے کم بھی نہیں ہوگا۔ اور
پھر امی کے ساتھ نادیہ اور حدیہ بھی اس شزاوے کی
طرف سے آنے والے پیام کاشت سے انتظار کرنے
لگیں۔ جو چوتھے روز آیا تھا۔

”میں وقار کی ماں ہوں۔“ اماں نے سیدھے
سادے انداز میں اپنا تعارف کرایا تو امی نے پہلے سر تپا
انہیں دیکھا پھر ڈرائنگ روم میں لے جانے کے
بجائے وہیں برآمدے میں رکھے تخت کی طرف اشارہ
کر کے بولیں۔

”جی آئیں۔ بیٹھیں۔“

”آپ کی ماشاء اللہ کتنی بیٹیاں ہیں؟“ اماں نے
پیشے ہوئے پوچھا۔

”تین۔“ امی نے خامے زوٹھے پن سے جواب

دیا۔

”ٹھانیہ کہاں ہے؟“ اماں نے پھر پوچھا۔

”بلانی ہوں ٹھانیہ! امی نے وہیں سے پکارا اور اس

کا جواب اندر سے آیا۔

”کیا ہے؟“

”یہاں آؤ؟“

”کیوں؟“

”ارے آؤ تو۔“

”میں نہیں آ رہی۔“

اماں ہوتی ہی ادھر دیکھ ادھر کی سن رہی تھیں۔

”کم بخت کو ذرا تیز نہیں۔“ امی جھنجھلائی ہوئی اٹھ

کر اندر گئیں تو اماں گردن موڑ کر واپسی کا راستہ دیکھنے

لگیں اور اس سے پہلے کہ اٹھیں وہ آگئی۔

”السلام علیکم۔“

”ہیں۔“ اماں کی آنکھیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

وقار نے ٹھیک تو کہا تھا کہ آپ بس دیکھتی رہ جائیں

گی۔

”ماشاء اللہ۔“ کتنی دیر بعد ان کے منہ سے نکلا تھا

پھر امی کو دیکھ کر کہنے لگیں۔

”میں اسی کے لیے آئی ہوں وقار نے بھیجا ہے

مجھے بہت پیاری بیٹی ہے آپ کی۔ میرا وقار بھی کم

نہیں ہے ماشاء اللہ چاند سورج کی جوڑی ہے گی۔“

”کہاں رہتی ہیں آپ؟“ امی نے ان کی کسی بات پر

دھیان دیے بغیر پوچھا۔

”یہاں سے تین گلی آگے جو تھا مکان ہے میرا۔

آپ آئیے گانا۔“ اماں اسے دیکھ کر اتنی خوش تھیں

کہ انہیں امی کا زوٹھان بالکل برا نہیں لگ رہا تھا۔

”ظاہر ہے آؤں گی۔ دیکھوں گی تب ہی بات

بڑھے گی۔“

”کل آجائیں۔ چھٹی کا دن ہے۔ وقار بھی گھر پر

ہوگا۔ ورنہ تو صبح کا گیارا ت میں آتا ہے۔“ اماں نے

دعوت دے کر کہا۔

”کیا کرتا ہے؟“ امی نے پوچھنے کے ساتھ اسے بھی

وہاں سے جانے کا اشارہ کیا لیکن وہ ڈھیٹ بنی بیٹھی

رہی۔

”ماشاء اللہ اچھی نوکری ہے ترقی بھی ہو گئی ہے۔“

”چھا آؤں گی۔“ امی نے احسان کیا پھر اس سے

بولیں۔

”جاؤ چائے لاؤ۔“

”نادیہ لا رہی ہے۔“ وہ کہہ کر اندر آگئی اور امی کا

رویہ سوچ کر کڑھنے لگی کہ اوروں کے سامنے تو بچھ بچھ

جانی ہیں اور وقار کی اماں کے ساتھ یہ سلوک۔ پتا بھی

ہے کہ مجھے ان ہی کے گھر جانا ہے۔ وہ اپنے طور پر گویا

فیصلہ کر چکی تھی۔

اور پھر اس وقت تو امی کچھ نہیں بولیں یعنی اس

رشتے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا لیکن اگلے روز جب وقار

کے گھر سے ہو کر آئیں تب جو شروع ہوئیں تو چپ سی

نہیں ہوئیں۔

”ہیں۔“ مانع تو بڑے اونچے ہیں اور پسند کیا شٹ

پونچھے کہ ہے کیا اس کے پاس۔ ایک کمرے میں

دونوں باہر بیٹھتے ہیں۔ دوسرے کو کرائے پر اٹھا رکھا

ہے۔ مجھے کہاں رکھے گا۔ بتا۔“

”اور پتا ہے۔“ اس کی ماں کیا کہہ رہی تھی۔ مجھے

بوڑھی سے اب کام نہیں ہوتا ہوا آجائے گی تو آرام

ہو جائے گا۔ اور سچ سچ اس بڑھیا کو ایسی ہی ہو کی

ضرورت ہے تو کرانی تو رکھ نہیں سکتے اتنی حیثیت ہی

نہیں ہے تو کس دھوکے میں آگئی۔

”میں کسی دھوکے میں نہیں آئی۔ جانتی ہوں کہ وہ

کیا ہے۔“ اس نے بمشکل اپنے اندر اٹھتے ابال کو دبا کر

کہا تھا۔

”اور وہ۔۔۔ وہ جانتا ہے مجھے کچھ نہیں آتا؟ اسے

بھی پہلے جا کر پتا نہیں تو میں بتاؤں گی بلکہ نکاح میں

لکھوانے کی شرط رکھوں گی کہ تجھ سے گھر داری نہیں

کرائے گا۔ تو صرف شوکیس میں سجنے کے لیے جائے

گی۔ بہت خوربری ہے ناں تو۔“ امی نے اپنے سینے

اس کا حربہ اسی پر آزمایا کہ تو وہ تن کر بولی۔

”ہاں ہوں میں خوربری اور شوکیس میں سجنے کے

لیے ہی جاؤں گی آپ فکر نہیں کریں میں نے اسے

دھوکے میں نہیں رکھا سب بتا دیا ہے۔ کہ مجھے کچھ

نہیں آتا اور نہ میں کروں گی۔ اس کے بعد بھی اس نے

اپنی ماں کو بھیج دیا تو اس کا کیا مطلب ہے؟“

”اس کا مطلب ہے وہ دنیا کا سب سے احمق آدمی

ہے۔ اور خود غرض بھی۔“ امی نے اس کے بارے میں

فیصلہ سنایا۔

”اب تو آپ ہی کہیں گی۔“ وہ چڑ کر بولی تھی۔

”غلط نہیں کہہ رہی۔ اور یہ تو اپنے دل سے نکال

دے کہ میں تیری اس کے ساتھ شادی کروں گی۔ ہاں

اگر گھر داری کچھ لے تو سوچ سکتی ہوں۔“ یہاں امی

نے اس کے لیے شرط رکھ دی تو وہ ٹھٹھلا گئی۔

”آپ صاف کیوں نہیں کہتیں کہ آپ میرے

لیے اچھا سوچ ہی نہیں سکتیں۔“

”دشمن ہوں نا تیری۔“

”ہاں کی دشمن اور سنیں میری شادی وقار سے ہی

ہوگی۔“ وہ ہمیشہ کی طرح ہار ماننے کو تیار نہیں تھی۔

”جس سے بھی ہو میری بلا ہے۔“ آخر امی نے ہی

اس کی طرف سے پیٹھ موڑ کر بات ختم کی پھر سامنے

نادیہ کو دیکھ کر اس سے بولیں۔

”یہ میری بیٹی نہیں ہے۔ ضرور اسپتال میں کسی

سے بدل گئی تھی۔“

نادیہ جو اس صورتحال سے پریشان تھی۔ ان کی اس

بات پر بے ساختہ ہنسنے لگی۔

”ہنسنے کی کیا بات ہے ٹھیک تو کہہ رہی ہیں۔“ وہ

روٹھے ہوئے انداز میں نادیہ سے کہتی اندر چلی گئی۔

اور واقعی اسی سچ پر سوچنے لگی تھی کہ کہیں کوئی گڑبڑ

ہوئی ضرور ہے۔ جب ہی امی کا رویہ اس کے ساتھ ایسا

ہے ورنہ نادیہ اور سعدیہ کے ساتھ تو ہمیشہ بہت پیار

سے بات کرتی ہیں اور میں پکار بھی لوں تو کٹ کھانے

کو دوڑتی ہیں۔

”ٹھانیہ! نادیہ نے آکر اس کی سوچوں کو منتشر کر دیا

تو وہ بولی کچھ نہیں بس ناگواری سے دیکھنے لگی تھی۔

”کیا ہو جاتا ہے تمہیں ذرا ذرا سی بات پر اتنا ہنگامہ

کھڑا کرتی ہو۔“ نادیہ غالباً اسے سمجھانے آئی تھی۔

”میں کرتی ہوں؟ وہ شروع ہوتی ہیں پہلے اور سنو۔ یہ ذرا سی بات نہیں۔ میری زندگی کا سوال ہے۔ میں وقار کو پسند کرتی ہوں، تم ابھی گئی تو تھیں اسی کے ساتھ سچ بتاؤ کیسا ہے؟“

”خیر وہ تو واقعی بہت اچھا بہت ہینڈ سم ہے لیکن جیسی زندگی تم چاہتی ہو تو وہ شاید وقار اور ذرا نہیں کر سکتا۔“ نادیا نے ایمانداری سے وقار کی تعریف کر کے کہا تو وہ ترخ کر بولی۔

”کیوں نہیں کر سکتا؟ میں نے کون سا مخلوق اور ہیرے جواہرات کی ڈیمانڈ کی ہے۔ اپنے بارے میں میں نے اسے سب کچھ بتا دیا ہے۔ اپنی ہر عادت، ہر بات اور اس نے تو کوئی احتجاج نہیں کیا بلکہ اسی وقت لکھ کر دے دیا کہ وہ ساری زندگی مجھ سے گھر کا کوئی کام نہیں کروائے گا۔ اب یہ اس کا مسئلہ ہے کہ وہ خود کرے یا کوئی ملازم رکھے۔“

”اب میں کیا کروں؟ جب تمہارے پاس ہر بات کا جواب موجود ہے۔ نادیا نے بہت جلدی، ہتھیار ڈال دیے پھر پوچھنے لگی۔

”اچھا سنو تم نے وقار کا گھر دیکھا ہے؟“

”نہیں، کیوں؟“

”وہ کمرے ہیں، ایک میں شاید کرائے دار ہیں اور دوسرے میں وہ دونوں ماں بیٹا ہوتے ہیں۔ البتہ ممکن کافی کھلا ہوا ہے۔ جب کہ پچن ایک اور شاید باتھ روم بھی ایک ہی ہے۔“ نادیا نے وقار کے گھر کا نقشہ بیان کیا تو وہ قصداً ”انجان بن کر بولی۔

”پھر؟“

”پھر یہ کہ تم غلطی کر رہی ہو۔ اس کے مقابلے میں شکیل صاحب کا گھر۔“ نادیا نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

”بات سنو، شکیل صاحب کے گھر میں اگرچہ کمرے ہیں تو چار سوویں بھی موجود ہیں ایک کمرہ شکیل صاحب اور ان کی بیگم کا ہے۔ ایک ڈرائنگ روم، چار سوویں کے پاس اور چوپانچویں کے پاس۔ وہ کہاں رہے گی۔“

”یا اللہ! تم سے جیتنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ پھر بھی میں تم سے یہ ضرور کہوں گی کہ تم وقار سے شادی ضرور کرو لیکن شرطیں مت باندھو۔“ نادیا ہار مان کر بھی سمجھانے سے باز نہیں آئی۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا، تم لوگوں کو کیوں اعتراض ہے۔ جب ماننے والا مان رہا ہے۔“ اس نے زنج ہو کر کہا تو نادیا نے گہری سانس کھینچ کر پوچھنے لگی۔

”اچھا یہ بتاؤ اگر وقار تمہاری شرط نہ مانتا تو تم کیا کرتیں؟“

”صاف انکار کر دیتی کہ جاؤ کوئی اور لڑکی دیکھو۔“

اس نے فوراً ”کہا تو نادیا بھی فوراً بول پڑی۔

”اس کا مطلب ہے، تمہیں اس سے محبت نہیں ہے۔“

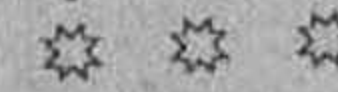
اس سے فوری جواب نہیں بن پڑا اور قدرے سٹپٹا بھی گئی تھی۔ اور نادیا کو موقع مل گیا۔

”تم انتہائی خود پسند اور کام پور ہو۔ میں بچپن سے دیکھتی آرہی ہوں، تم نے کبھی جوانی کے کسی کام کو ہائی بھری ہو، النان سے ہر بات میں ضدیں بھی باندھنے لگیں۔ پھر جب انہوں نے یہ احساس دلانے کی کوشش کی کہ آگے سسرال میں مشکل ہوگی تو یہاں تم نے اپنے حسین ہونے کا فائدہ اٹھا کر وقار جیسے شریف آدمی کو اپنے جال میں پھنسا لیا۔ لیکن یاد رکھو حسن کا جادو بہت زیادہ عرصے نہیں چلتا۔“

”کیوں اس بند کرو؟“ نادیا نے آئینہ دکھایا تھا وہ چیخ پڑی۔

”تم سب مجھ سے جلتے ہو۔“

”کیا کریں؟ تم اتنی حسین جو ہو۔“ نادیا نے مزید تمسخر سے کہا اور سر جھٹکتی اٹھ کر چلی گئی تو وہ کتنی دیر اسے گالیاں دیتی رہی تھی۔



وہ خلاف معمول آج چار بجے ہی آفس سے آگیا تھا کیونکہ صبح ماں سے کہہ کر گیا تھا کہ وہ آج ضرور ٹائیپ کے ہاں جائیں اور ان کا جواب لے کر آئیں۔ گو کہ

رہا ہوں۔ تم ضرور آنا اور ہاں تم نے گھر کہاں لیا ہے؟ اس نے اچانک خیال آنے پر پوچھا تو وہ ذرا سا ہنس کر بولی۔

”گھر نہیں ایک کمرہ ہے۔ یہیں پچھلی گلی میں اگر آپ کے گھر میں پچھلی طرف دروازہ ہوتا تو بالکل سامنے پڑتا۔“

”پھر تو آرام سے آجاسکتی ہو۔“ وہ کہہ کر اپنے پٹنگ پر بیٹھا اور جوتے اتارنے لگا تو وہ کمرے سے نکل گئی۔

”سمجھ دار لڑکی ہے۔“ اس نے سوچا اور آرام سے لیٹ گیا۔

کچھ دیر بعد ماں آئیں تو وہ بے صبری سے اٹھ کر پوچھنے لگا۔

”کیا رہا ماں؟“

”سناں تو لینے دو۔“ ماں نے چادر اتار کر ایک طرف رکھی پھر بیٹھے ہوئے بولیں۔

”مرضی تو ہے ان کی لیکن باتیں اکٹھی اکٹھی کرتی ہیں۔“

”کیا کیا کہہ رہی تھیں؟“

”پہلے سچو اور اس کی ماں کا پوچھا کہ یہ یہاں کیوں رہتی ہیں۔ پھر اپنی بیٹی کا کہنے لگیں کہ اسے کوئی کام کاج نہیں آتا۔ میں نے کہا سب سیکھ جائے گی۔ آج کل لڑکیاں پڑھائی پر زیادہ زور دیتی ہیں، اور گھرداری جب سر پر پڑتی ہے تب ہی سیکھتی ہیں۔“ ماں تفصیل سے بتاتے ہوئے سانس لینے کو رکھ تھیں کہ وہ بول پڑا۔

”ہاں یہ آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔“ پھر پوچھنے لگا۔

”اور کیا کہا؟“

”اور جو اس کے لیے درجن بھر رشتے آئے ہوئے ہیں، ان کا بتایا پھر کہنے لگیں۔ آپ کے بیٹے نے پتا نہیں کیا جادو کر دیا ہے میری بیٹی پر کہ وہ اچھے اچھے رشتوں کو چھوڑ کر بس اسی کا نام لیے جا رہی ہے۔ جب ہی مجھے مجبوراً ہائی بھنی پڑ رہی ہے۔“

”ہائی بھنی۔“ اس کے لیے باقی ساری باتیں بے معنی ہو گئی تھیں، بس ہائی کا سن کر خوش ہو گیا تو ماں

اسے لپٹیں تھا کہ وہاں سے انکار نہیں ہو گا پھر بھی ماں نے سنا چاہتا تھا جب ہی جلدی گھر آیا تو آگے اس کے کمرے میں جو بڑی مستعدی سے جھاڑ پونچھ کر رہی تھی۔ وہ دروازے میں رک کر کھانا تو وہ ایک دم ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگی۔

”وہ ماں کہاں ہیں؟“ وہ اس کے متوجہ ہونے پر بلا ارادہ پوچھ گیا۔

”وہ شاید آپ کے سسرال گئی ہیں۔“ وہ بتا کر پھر بالکل صاف کرنے لگی۔

”اچھا۔ تم یہ صفائی کیوں کر رہی ہو؟ میرا مطلب ہے رہنے دو۔ ماں آئیں گی تو کر لیں گی۔“ اس نے لڑکتے ہوئے کہا۔

”ماں بے چاری بوڑھی ہو گئی ہیں۔ یہ سب کام ان کے کرنے کے نہیں ہیں۔“ وہ مصروف رہ کر بے تاثر لہجے میں بولی۔

”مجبوری ہے۔ تم نہیں تھیں تب بھی تو کرتی تھیں اور جب تم چلی جاؤ گی تب بھی وہی کریں گی۔“ وہ بے سوچے سمجھے بول گیا تو اس نے فوراً ”ٹوکا۔“

”تب کیوں؟ آپ کی بیوی آجائے گی تو وہ کرے گی۔“

”ہاں اسے تو میں بھول ہی گیا۔“ اس نے سٹپٹا کر بات بتائی تو وہ ہنس پڑی۔ بولی کچھ نہیں۔

”میری بیوی آتے ہی کاموں میں تو نہیں لگ جائے گی اور ماں بھی نہیں کرنے دیں گی اسے۔“ اس کے دل میں کیونکہ چور تھا جب ہی وضاحت کرنے لگا۔

”ہاں۔ ماں بہت سیدھی اور مروت والی ہیں لیکن آنے والی کو تو خیال ہو گا نا۔ سنا ہے بہت خوبصورت ہے۔“

”ہاں بہت سیدھی۔“ وہ اس کی تعریف پر خوش ہو گیا۔

”میں ضرور دیکھنے آؤں گی۔“ اس نے شوق سے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

”کیوں شادی میں نہیں آؤ گی؟“

”آپ بلائیں گے؟“

”کیوں نہیں۔ ضرور ملاؤں گا بلکہ ابھی دعوت دے

”فکر نہیں کریں۔ میں وہاں سے آکر بھی کر دوں گی۔“

اور پھر واقعی اس لڑکی نے کسی موقع پر اماں کو یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ اکیلی ہیں۔ سارے کام اپنے ذمے لے کر اپنی خوبی سے نمٹائے کہ اماں اسے دعا میں دیتے نہیں جھکتی تھیں۔

شادی کے دنوں میں مہمانوں کی خاطر درازت سے لے کر ویلے کی تقریب تک وہ ہر کام میں پیش پیش تھیں۔ اس کے بعد یوں غائب ہوئی کہ جیسے کبھی یہاں تھی ہی نہیں۔ شاید اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ اماں اب اکیلی نہیں ہیں۔ ان کا خیال کرنے والی ہو آگئی ہے۔

وہ تو پہلے ہی بہت حسین تھی۔ مزید اب ہار سنگھار کر کے بالکل ہی ہوش اڑا دیتی تھی۔ ایک ہفتہ ہو گیا تھا اس کی شادی کو اور ابھی تک اسے دیکھتے آنے والوں کا سلسلہ جاری تھا۔

”اے۔ بن! اماں سے ڈھونڈی ایسی چاندی ہو۔“
”ایمان سے خالہ! تمہاری بہو بہت سیاری ہے۔“
اماں اس کی تعریف پر خوش تو ہوتی تھیں لیکن جس طرح انہیں آنے والیوں کے لیے چائے پانی کا انتظام کرنا پڑتا، اس سے وہ تھک گئی تھیں۔ حالانکہ وہ تھکنے والی نہیں تھیں۔ ساری زندگی اندر باہر کے سارے کام انہوں نے خود کیے تھے لیکن ادھر وہ مہینے جوئے جس طرح اپنی اماں کی طرح انہیں بھی چارپائی پر بٹھا کر کھلایا تھا تو اس سے وہ آرام طلب ہو گئی تھیں یوں بھی بوڑھی جان تھیں۔ آرام کے بعد دوبارہ کام ان کے بس کا نہیں تھا۔ پھر بھی ایک ہفتہ انہوں نے ہو کے بہت تازہ اٹھائے تھے اور چاہتی تھیں کہ ابھی کچھ دن اور وہ اسی طرح جی سنواری بیٹھی رہے۔ لیکن ان کی بوڑھی ہڈیاں جواب دے گئیں۔

اس صبح ان سے اٹھانی نہیں گیا۔ بخار کے ساتھ جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا اس لیے ناشتا کیا بتائیں خود ایک کپ چائے کے لیے ترس رہی تھیں، کیونکہ وقار

نہیں کر لیں۔

”کیسے نہ بھرتیں جاؤ جو کر دیا ہے تم نے۔“
”اے اماں! جاؤ تو اس کا چلا ہے۔ دیکھا نہیں کتنی خوبصورت ہے سارے خاندان میں آپ کی واہ واہ ہو جائے گی۔“ اس نے کہا تو اماں فوراً تائید کر کے کہنے لگیں۔

”ہاں! تمہاری تائی بہت اتراتی تھیں اپنی بیٹیوں پر اب میری بہو دیکھیں گی تو جل جائیں گی۔“
”چھاپہ بتائیں۔ شادی کا کیا بولیں؟“
”وہ تو کچھ نہیں بولیں، میں ہی کہہ آئی ہوں اگلے مہینے کروں گی۔“ اماں بتا کر کہنے لگیں۔

”پہلی کو تمہارا کمرہ خالی ہو جائے گا پھر جا کر تازہ رکھ دوں گی۔“

”یہ ٹھیک ہے۔“ اس نے تائید کی۔ تب ہی سچو چائے لے کر آگئی تو اماں اسے دعائیں دیتے ہوئے کہنے لگیں۔

”خوش رہو بیٹی! اللہ نیک نصیب کرے۔ تم نے تو مجھے بہت آرام طلب بنا دیا ہے۔ چلی جاؤ گی تو کیا کروں گی۔ اب تو اٹھ کر پانی پینا مشکل لگتا ہے۔“

”میں کوئی بہت دور تو نہیں جا رہی اماں! ہمیں پیچھے تو ہوں گی۔ جب کوئی کام ہو، کھڑکی میں سے پکار دیجئے گا۔“ اس نے بتا نہیں اس وقت یہ کیوں نہیں کہا کہ پھر ہو آجائے گی جب کہ وہ یہی جواب سوچ کر جربز ہو رہا تھا۔

”جیتی رہو تمہاری اماں کیا کر رہی ہیں؟“
”مسلمانی۔“

”اے ہاں۔ کل میں بھی اپنی بہو کے جوڑے نکالوں گی کچھ تم سی دینا۔“ اماں نے کہا تو وہ غلوں سے بولی۔

”کچھ کیوں میں سب سی دوں گی اور ٹانگ بھی دوں گی۔“

”ہاں اماں! پہلی سے پہلے پہلے یہ سارے کام کروائیں پھر تو یہ چلی جائیں گی۔“ وہ خاصی خود غرضی اور بے مروتی کا مظاہرہ کر گیا تھا اور وہ برامانے بغیر بولی۔

ناراضی محسوس کر کے وہ اسے منائے گی اور ناشتا کرنے پر اصرار کرے گی لیکن اس کے برعکس وہ شامی ہو کر بولی۔

”کر کے آئے ہو گے نا؟“
”نہیں، میں پہلے اماں کو کھلاؤں گا۔“ اس نے دوسرا حربہ آزمایا۔

”تمہاری مرضی۔“ وہ اطمینان سے کھانے میں مصروف ہو گئی تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اٹھ کر چائے بنا لیا۔ اور اماں کو اٹھا کر انہیں چائے میں ڈبو کر بسکٹ کھلائے پھر دوادے کر کہنے لگا۔

”ڈاکٹر نے سختی سے کام کرنے کو منع کیا ہے۔ کچھ دن مکمل آرام کریں۔“

”اچھا اچھا۔ یہ بتاؤ۔ تم دونوں نے ناشتا کر لیا؟“ اماں کو ابھی بھی ان کی فکر تھی۔

”آپ کی بہو نے کر لیا ہے۔ میں اب کروں گا۔“
اس نے کہا تو اماں شوق سے پوچھنے لگیں۔

”کیا بنایا ہے بسن نے برا ہے؟“
”نہیں اماں! بسن کو پراٹھے کیا سلادی روٹی بنائی بھی نہیں آتی۔ اور آپ اس سے کیسے گناہی نہیں میں بازار سے لے آیا کروں گا۔ اور آپ کے لیے چائے“

دلید وغیرہ میں خود بناؤں گا۔“

وہ اس خیال سے امی کو دھیرج سے سمجھا کر منع کر رہا تھا کہ کہیں ساس بہو میں ٹکرا نہ ہو، مزید الزام بھی اپنے سر لے لیا۔

”ویسے اماں! مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میری بیوی گھر کے کام کاج کرے میں اور کے کاموں کے لیے جلد ہی آپ کو کوئی ملازمہ رکھ دوں گا۔ ٹھیک ہے ناں۔“

”جیسی تمہاری مرضی۔“ اماں نے پرمروگی سے کہا کیونکہ پہلے تو اسے بوڑھی ماں کے لیے ملازمہ رکھنے کا خیال کبھی نہیں آیا تھا۔

”چلیں۔ اب آپ آرام کریں۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا پھر اس سے بولا۔ ”چلو ہم باہر بیٹھتے ہیں۔“

وہ جیسے منتظر ہی تھی فوراً اٹھ کر کمرے سے نکل گئی تو وہ بیٹھوں میں بچا کھچا ناشتا لے کر اس کے پیچھے

اسی پھٹی پر تھا تو آرام سے دس بجے کمرے سے نکلا۔ وہ بھی اماں سے نالتے کا پوچھنے لیکن آگے انہیں پہلے سدھ پڑا دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

”اماں۔۔۔!“ بکار نے کے ساتھ انہیں چھو کر دیکھا کہ ہانکا ہوا اپنے کمرے میں آیا۔

”نامیہ! اماں کو بہت تیز بخار ہے۔“

”پھر؟“ وہ ڈورنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تھی۔

”آئینے میں ہی اسے دیکھتے لگی۔“

”میں ڈاکٹر کو لینے جا رہا ہوں، تم جب تک ناشتا“

”نالو۔“ وہ روانی میں یا بے دھیانی میں کہہ گیا تھا۔

”کیا۔۔۔؟“ وہ فوراً اس کی طرف گھومی تو جلدی سے بولا۔

”میرا مطلب ہے تم اماں کے پاس جا بیٹھو۔“

”اور ناشتا۔۔۔“

”طیقا آؤں گا۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گیا تو اس نے پہلے اپنا سنگھار مکمل کیا پھر اماں کے کمرے میں آکر یوں بیٹھ گئی جیسے ابھی ابھی اس کی ڈولی اتری ہو۔

اماں وقفے وقفے سے بھی کراہیں، کبھی غنودگی میں بریدوں نے لگتیں تو وہ بس ایک نظر انہیں دیکھتی پھر بے

نیازی سے اپنے ناخنوں سے کھینے لگتی۔ اتنی توفیق بھی نہیں ہوتی کہ انہیں پکار کر دلا سادیتی۔ اور ہوتی بھی

کیسے وہ کبھی اپنی امی کی پیاری میں ان کے قریب نہیں گئی تھی پھر یہ تو ساس تھیں۔

جب وقار ڈاکٹر کو ساتھ لے کر آیا تو اسے اتنے آرام سے بیٹھا دیکھ کر جربز تو ہوا لیکن کیا کر سکتا تھا۔

البتہ دل میں ناراض ضرور ہو گیا تھا۔ جب ہی دوبارہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ اور بہت خاموشی سے

ڈاکٹر کی تمام کارروائی دیکھتا رہا پھر اسے رخصت کر کے آیا تو اسی خاموشی سے جو ناشتا لایا تھا بیٹھوں میں نکال

کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ اور خود اماں کے پاس بیٹھ کر ان کے پرہیز لگا۔

”تم ناشتا نہیں کرو گے؟“ اس نے بہت سرسری انداز میں پوچھا۔

”نہیں۔“ وہ توقع کر رہا تھا کہ اس کی خاموشی اور

”آگیا اور کچھ جتائے بغیر تخت پر بیٹھ کر کھانے لگا۔
”یہ تم نے بہت اچھا کیا وقار کہ اماں کو منع کر دیا۔“
اس نے کہا تو وہ بے دھیانی میں پوچھنے لگا۔
”کیا منع کر دیا۔“

”یہی کہ مجھ سے کسی کام کو نہ کہیں۔“
”ظاہر ہے جب تمہیں کرنا ہی نہیں ہے تو پھر کہنے کا فائدہ اب دیکھو چائے بھی میں خود بناؤں گا۔“ وہ کہتا ہوا برتن لے کر اٹھا تو وہ فوراً بولی۔
”میں بھی پیوں گی۔“

”اچھی بات ہے۔“ اسے برا ضرور لگا تھا لیکن ابھی تو کتنا نہیں چاہتا تھا بلکہ شاید ٹوک سکتا ہی نہیں تھا۔ نہ ناراضی کا اظہار کرنا اس کے اختیار میں تھا۔ کیونکہ ابھی اس کے حسن کا نشہ رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا۔ پھر اولین دنوں میں تو عیام سی دہن کے خمرے بھی اٹھائے جاتے ہیں اور وہ تو تھی ہی بیویں جیسی جب ہی وہ بڑے آرام سے چائے بنا کر لے آیا پھر بیٹھا تو کہنے لگا۔

”میری آج چھٹیاں ختم ہو گئی ہیں۔ کل سے آفس جانا ہے۔“

”میں اتنی جلدی۔“ وہ چائے کا سب لے کر بولی۔
”ہاں دیکھو دس دن گزرتے بڑھاپا نہیں چلا۔“
”ہوں۔“ وہ مسکرائی پھر کہنے لگی۔ ”چلو! نہیں باہر چلتے ہیں۔ آج سارا دن ہم خوب انجوائے کریں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“ اس نے فوراً ہائی بھری لیکن پھر ایک دم اماں کا خیال آیا تو کہنے لگا۔

”لیکن یار! اماں اسلی ہو جائیں گی۔“
”کیوں پہلے وہ اسلی نہیں رہتی تھیں۔“ وہ بہت معصوم بن کر بولی تھی۔

”اکیلی رہتی تھیں لیکن ابھی ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے نا! پتا نہیں کب کس چیز کی ضرورت پڑ جائے انہیں۔“ اس نے دھیر سے کہا تو وہ مایوسی سے بولی۔

”چلو نہیں جاتے۔“

”تو ار کا رکھ لیتے ہیں انشاء اللہ اماں ٹھیک ہو جائیں گی۔ پھر چلیں گے۔“ وہ اس کے پاؤں ہونے پر ہلانے لگا تھا کہ اچانک سوجیاد آگئی۔ اچھل کر بولا۔
”نہیں۔ ابھی چلتے ہیں۔“
”کیا مطلب؟“

”بس تم تیار ہو جاؤ۔ میں سچو سے کہہ کر آتا ہوں وہ اماں کے پاس آجائے گی۔“ وہ اٹھتا ہوا بولا اور اسے بھی ہاتھ بچھ کر اٹھا دیا تو وہ پوچھنے لگی۔
”یہ سچو کون ہے؟“

”اماں کی جاننے والی ہے۔“ وہ تفصیل میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اسی قدر کہہ کر چلا گیا تو وہ اپنے کمرے میں آگئی اور آئینے میں جائزہ لے کر بس لب اسٹک دوبارہ لگال۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو سچو اس کے ساتھ تھی۔ دہلی تکی، معمولی نقش والی عام سی لڑکی جسے دیکھ کر پہلے وہ کسی بھی کہ شاید کوئی ماسی ہے لیکن جب اس نے تعارف کرایا تو حیران ہو کر پوچھنے لگی۔
”یہ تمہاری کون ہے؟“

”میں اماں کو دیکھ لوں۔“ سچو سمجھ دار لڑکی تھی اس کے جواب سے پہلے ہی اماں کے کمرے میں چلی گئی تو وہ مصنوعی حلق سے بولا۔

”عجیب لڑکی ہو۔ اس کے سامنے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔“

”کیوں نہیں اس کے سامنے بتاتے ہوئے شرم آتی تھی۔“ وہ ٹوک کر ہنسی پھر کہنے لگی۔

”ویسے میں سمجھی کوئی ماسی پڑلائے ہو۔ ایسا کرو۔“

”اس کو رکھ لو کام کاج کے لیے۔“

”اس کی شکل پہ مت جاؤ وہ پڑھی لکھی اور بہت سلیبی ہوئی لڑکی ہے۔“

”یہ تو اور بھی اچھا ہے ہر کام سلیقے سے کرے گی۔“ وہ پھر بھی باز نہیں آئی تو اس نے خاموشی اختیار کر لی اور بایٹیک کی چابی ڈھونڈنے لگا۔

”اب کیا ڈھونڈ رہے ہو چلو۔“
”بایٹیک کی چابی کہاں ہے؟“

”مجھے کیا پتا۔“ وہ کہہ کر کمرے سے نکل آئی کہ کہیں اسے نہ ڈھونڈتی رہے۔

سارا دن گھوم پھر کر جب وہ دونوں گھر لوٹے تو اندھیرا پھیل چکا تھا اور سچو اسی انتظار میں کھڑی تھی کہ وہ آئیں تو وہ اپنے گھر چائے اس کی بایٹیک بند ہونے تک رکی پھر فوراً بولی تھی۔
”میں جارہی ہوں۔“

”کیلی چلی جاؤ گی؟“ وہ پھر بے مروتی دکھایا۔
”ہاں! میں تو جانا ہے۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گئی تو اس نے جا کر دروازہ بند کیا پھر ثانیہ کو ساتھ لے کر اماں کے کمرے میں آگیا۔

”کیسی طبیعت ہے اماں؟“
”اب تو بہت بہتر ہے۔“ اماں اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

”کچھ کھایا بھی ہے کہ نہیں۔“ وہ پوچھ کر شرمندہ ہوا کیونکہ اماں پھر سچو کی تعریف کرنے لگی تھیں۔

”کیوں نہیں۔ اللہ بھلا کرے سچو کا۔ سب کھلایا پلا یا اور ابھی دوا بھی دے کر گئی ہے۔ بہت سکھڑی تھی ہے تمہارے لیے بھی کھانا بنا گئی ہے۔ کھا کر تو نہیں آئے تم لوگ۔“

”نہیں۔ بہت بھوک لگی ہے۔ چلو وقار! پہلے کھانا کھالیں۔“ وہ دھشائی سے کہتی چلی گئی تو وہ اماں سے نظریں چرا کر اوپر ادھر دیکھنے لگا۔

”جاؤ۔ کھانا کھاؤ۔“ اماں نے کہا تب وہ اٹھا تھا۔

پھر اگلے دن وہ پہلے اماں کو پھر اسے بھی اپنے ہاتھ سے ناشتا بنا کر اور اپنے ساتھ کھلا کر آفس چلا گیا تو وہ ٹیپ آن کر کے لیٹ گئی حالانکہ جاتے جاتے وہ کہہ گیا تھا کہ وہ اماں کے کمرے میں چلی جائے تاکہ ان کا دل بہلا رہے لیکن وہ کہاں ماننے والی تھی اسے ہمیشہ سے من مانی کی عادت تھی۔

ابھی بھی بڑے آرام سے لیٹی اور ٹیپ سنتے سنتے سو بھی گئی تو پھر دوپہر کے کھانے پر اماں ہی نے آکر اسے اٹھایا تھا۔ وہ نہ شرمندہ ہوئی نہ یہ پوچھنے کی زحمت گوارا

کی کہ کھانا کس نے بنایا ہے۔ اسے صرف کھانے سے غرض تھی۔ اور اس کے بعد کیونکہ کرنے کو کچھ نہیں تھا اس لیے وہ مجبوراً اماں کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

اور پھر اس کی یہی روئین بن گئی۔ صبح وقار کے آفس جاتے ہی دوبارہ سو جاتی۔ دوپہر میں کھانے کے لیے اٹھتی تب اماں کے پاس بیٹھتی اور شام میں اماں اس کے سامنے رات کے لیے روٹی بنانے کی بات کرتیں پھر بیچاری خود ہی اٹھ کر کچن میں چلی جاتیں لیکن اسے بالکل بھی احساس نہیں ہوتا تھا۔

اس شام امی اور نادیہ آئیں تو اس کا کمرہ دیکھ کر نادیہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

”اف کتنی گرد مٹی ہے۔“

”وقار کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔ صبح کے گئے رات میں آتے ہیں چھٹی کے دن صفائی کریں گے۔“ اس نے اتنے آرام سے کہا کہ نادیہ نے حیران ہو کر امی کو دیکھا تو وہ ٹوکتے ہوئے بولیں۔

”یہ وقار کا کام نہیں تم سارا دن کیا کرتی ہو؟“
”کچھ نہیں۔“

”جب ہی اتنی موٹی ہو رہی ہو۔“ نادیہ نے کہا تو وہ فوراً آئینے میں خود کو دیکھ کر بولی۔

”میں۔ میں موٹی ہو رہی ہوں؟“

”اور کیا۔ کمرہ دیکھو کتنی چوڑی ہو گئی ہے۔“

”ہائے نہیں۔ مجھے موٹاپے سے بہت خوف آتا ہے۔“

”تو کام کیا کرو۔“ امی کو موقع مل گیا۔ ”بے کار بیٹھنے سے تو یہی ہوتا ہے۔ کچھ دنوں بعد پوری بھینس ہو جاؤ گی۔“

”کوئی نہیں۔ میں صبح سے ایکسرسائز شروع کروں گی پھر کچھ دنوں بعد دیکھیے گا پہلے جیسی ہو جاؤں گی۔“

اس نے کہا تو امی تب کر بولیں۔

”کام مت کرنا۔“

”کیوں کروں؟“ وہ بھی تنگ کر بولی تو نادیہ نے فوراً مداخلت کی۔

”اچھا بس۔ اب آپ دونوں پہلے کی طرح

نہیں شروع ہو جائے گا۔

”نہیں سمجھاؤ۔ یہ میری سسرال ہے۔ وہ سخت سے سر جھٹک کر بولی تو ای ایک دم نرم پڑ کر کہنے لگیں۔

”تو بیٹا! سسرال ہی لڑکی کا اصل گھر ہوتا ہے۔ پھر اپنے گھر میں تم مہمانوں کی طرح کیوں رہ رہی ہو۔ آخر تمہاری ساس کب تک تمہیں بٹھا کر کھلائے گی بے چاری بوڑھی عورت، تمہیں اس پر ترس بھی نہیں آئے۔

”آتا ہے لیکن میں کیا کر سکتی ہوں۔ اس نے بے نازی سے کندھے اچکائے تب ہی اماں چائے لے کر آگئیں تو تباہی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

”ہائے اماں! آپ نے کیا تکلیف کی۔“
”کانیہ سے کہیں یہ بتا دیتی۔“ ای ای الگ شرمندہ تھیں۔

”یہ کہاں چولہے کے پاس جاتی ہے۔“ اماں نے بظاہر سیدھے سادے انداز میں کہا تھا لیکن درحقیقت اب ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ جسے بمشکل اس وقت انہوں نے چھلکنے سے روکا اور ٹرے رکھ کر فوراً واپس پلٹ گئیں تو ای اس سے بولیں۔

”من لیا۔ کیا جانتی ہیں۔“
”جنتانی رہیں۔ آپ جانتی ہیں مجھ پر کچھ اثر ہونے والا نہیں ہے۔“ اس نے ڈھٹائی سے ٹرے اپنی طرف کھینچے ہوئے کہا تو ای تاسف سے بولیں۔

”افسوس ہے تم پر۔“ پھر ایک دم کھڑی ہو گئیں ”چلو تباہی۔“
”ہائیں! چائے تو پی لیں۔“ اس نے ان کے اٹھنے پر تعجب کا اظہار کیا۔

”تم ہی ہو۔ ڈھٹائی بے غیرتی تمہیں آتی ہے۔“
ای نے کہا اور تباہی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی لے گئیں تو وہ کچھ دیر ان کے پیچھے دیکھتی رہی پھر سر جھٹک کر بڑبڑانے لگی۔

”پتا نہیں۔ کیسی ماں ہیں۔ بجائے خوش ہونے کے ناراض ہوتی ہیں۔ ان کی جگہ کوئی اور ہوتی تو فخریہ ہر

ایک کو بتاتی کہ اس کی بیٹی سسرال میں راج کر رہی ہے۔ ایک یہ ہیں ہونست۔ شروع سے مجھ سے جلتی ہیں۔“

اور شام کو وقار آیا تو وہ اس کے سامنے منہ پھلا کر اماں کے خلاف شروع ہو گئی تھی۔

”اماں نے اچھا نہیں کیا۔ میں نے ان سے چائے بنانے کو نہیں کہا تھا۔ خود ہی بنا کر لے آئیں اور پھر جتانے بھی لگیں۔ وہ بھی امی اور تباہی کے سامنے۔“
”کیا مطلب؟“ وہ تھکا ہارا آیا تھا اس کی بات کچھ سنی اور کچھ نہیں البتہ امی اور تباہی کا سن کر دیکھنے لگا تھا۔

”آج امی اور تباہی آئی تھیں۔“ وہ اسی طرح منہ پھلائے ہوئے بولی۔
”پھر!“

”پھر بتا تو رہی ہوں! اماں ان کے لیے چائے بنالائیں پھر میرے بارے میں کہنے لگیں کہ یہ تو چولہے کے پاس جاتی ہی نہیں ہے۔“
”تو اس میں غلط کیا ہے ٹھیک تو کیا انہوں نے۔“
وہ اماں کی تائید کر کے جوئے اتارنے لگا تو وہ تھلا کر چیخنے لگی۔

”ہاں! یہی ٹھیک ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجھے ہر ایک کے سامنے بے عزت کیا جائے۔ یہ دیکھو ٹرے ویسے کی ویسی رکھی ہے۔ امی اور تباہی چائے پیے بغیر چلی گئیں۔“

”کیوں اماں اتنے پیار سے بنا کر لائیں؟ انہیں پتی چاہیے تھی۔“ وہ بہت نرمی سے اسے مزید سلگا لیا۔
”پیار سے۔ یہ پیار سے بنی ہوئی ہے۔“ اس نے غصے سے ہاتھ مار کر بڑے الٹ دی۔ تو وقار نے ایک نظر مٹی دھول سے اٹے فرش پر مزید چائے کو پھیلنے دیکھا پھر اٹھ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

یہ نہیں تھا کہ وہ اس سے شادی کر کے پچھتا رہا تھا۔ پچھتانے کا تو سوال ہی نہیں تھا کیونکہ وہ اس کی محبت

میں اور اول روز کی طرح ابھی بھی وہ اس کے حسن کا دلانہ تھا البتہ یہ ضرور چاہتا تھا کہ وہ خود کو بدل ڈالے۔ لیکن وہ اس پر تیار ہی نہیں تھی۔ شادی کو چھ مہینے ہو گئے تھے اور اماں کا احساس کرتا تو دور کی بات وہ کبھی اس کی محبت میں بھی اس کے لیے کھانا گرم کر کے نہیں لائی تھی۔ وہ آفس سے خواہ کتنی دیر سے آتا اور کتنا ہی تھکا ہوا کیوں نہ ہوتا۔ اسے کھانا خود گرم کرنا پڑتا۔ اسی طرح صبح کے ناشتے میں ہوتا تھا کہ وہ جلدی جلدی ہر کام کر رہا ہوتا۔ وہ آرام سے بیٹھی دیکھتی رہتی جس سے حقیقتاً اسے بہت غصہ آتا تھا لیکن توکتا نہیں تھا کیونکہ چاہتا تھا کہ وہ خود سے احساس کرے تاکہ اسے یہ نہ سننا پڑے کہ میں نے شادی سے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ مجھے کچھ نہیں آتا نہ میں کروں گی اور تم نے لکھ کر دیا تھا کہ مجھ سے کسی کام کو نہیں کو گے وغیرہ وغیرہ۔

اور گو کہ یہی سچ تھا لیکن اس وقت اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس کی شرطیں مان کر اس بری طرح پھنس جائے گا۔ اس کے برعکس اس کا خیال تھا کہ وہ آرام سے محبت سے دھیرے دھیرے اسے گھر داری پر آمادہ کر لے گا۔ اور جب بنے ہوں گے تب وہ مکمل گھر گرہستی عورت بن جائے گی۔ لیکن جس ڈھٹائی کا وہ مظاہرہ کر رہی تھی اس سے بے اولاد رہنے میں اسے عافیت نظر آرہی تھی۔ بہر حال اس کے معاملے میں وہ تو ابھی تک خاموش تھا لیکن اماں خاموش نہیں تھیں۔ ظاہر ہے برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ وہ آخر کب تک اسے کمرے میں سے بلا کر دوسرے خانہ پر لا بٹھائیں۔ اب تو پوچھتی بھی نہیں تھیں اپنا کھانا بمشکل بتاتی تھیں اور وہ ایسی ڈھیت اسی میں سے نکالنے آ جاتی۔ تو اماں بے نقط سنائیں۔ اور وہ کہاں خاموشی سے سننے والی تھی۔ اس نے تو کبھی اپنی امی سے یاد نہیں مانی تھی۔ یہاں بھی اس کی زبان کھل گئی تھی۔ کتنی بار وقار کے سامنے بھی جھگڑا ہو چکا تھا۔ وہ کبھی اس کی طرف جاتا کبھی بھاگ کر اماں کو چپ کرانے کی کوشش کرتا تھا۔

اس وقت وہ آفس سے لوٹا تو آگے وہ برآمدے میں کھڑی چلا رہی تھی۔
”مہیں اگر نوکرانی چاہیے تھی تو لے آئیں اس بچو کو۔ وہی پکا پکا کر کھلائی تمہیں اور تمہارے بیٹے کو بھی۔ مجھ سے یہ توقع مت رکھو۔“
”کیوں نہ رکھوں! تم آئی کس لیے ہو؟“ اماں کی آواز بچن سے آئی تھی۔
”کلمہ کرنے کے لیے نہیں آئی؟“
”تو بیٹھی رہیں اپنے گھر۔“
”آرام سے بیٹھی تھی۔“

وہ بانٹیک بند کر کے خاموشی سے اپنے کمرے میں آگیا۔ کیونکہ فوراً اس صورت حال سے نمٹنے کی ہمت نہیں تھی۔ لیکن جب دیکھا کہ جھگڑا بڑھتا جا رہا ہے تب مجبوراً اسے کمرے سے نکلنا پڑا اور پہلے اس سے بولا۔

”کچھ خیال کرو۔ آس پڑوس والے سنیں گے تو کیا کہیں گے۔“
”یہ بات تم اپنی اماں کو سمجھاؤ۔“ وہ پیر پختی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔ تو وہ اماں کے پاس بچن میں آگیا اور پھر ہی کھینچ کر بیٹھا ہوا بولا۔
”کیا ہوا اماں؟“

”گناہ گار ہو گئی ہوں میں جو اسے دو روٹی ڈالنے کو کہہ دیا۔ نہ میں پوچھتی ہوں یہ آخر کب تک ایسے پانگ توڑے گی۔ آج تو میں بیٹھی ہوں جب مہاجوں کی تب بتاؤ۔ کون تمہارا کرے گا۔ اسے تو فکر نہیں ہے۔“

”ارے اللہ نہ کرے اماں! جو آپ کو کچھ ہو۔“ اس نے کہا تو اماں شاکی ہو کر بولیں۔
”میری ضرورت تمہیں صرف اس لیے ہے کہ پکا کروں؟“

”مت پکا نہیں! میں کب آکر آپ سے کھانا مانگتا ہوں۔“ وہ ناراضی سے بولا۔
”نہیں مانگتے لیکن پکا تو مل جاتا ہے۔ خیر میں اس جیسی نہیں ہوں جو مجھے فکر ہی نہ ہو۔ آج شام سے

زبردستی آنکھیں بند کیے لپٹی تھیں۔
”تم نے کھانا کھالیا؟“ وہ ٹیبل پر بیٹھنے کے بجائے

اپنی سونے کی جگہ پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا لیکن ادھر سے جواب نہیں آیا تو اسے ہلا کر بولا۔
”اٹھو کھانا کھاؤ۔“

”میری اماں کو کھلاؤ جا کر۔“ وہ آنکھیں کھولے بغیر ترخ کر بولی۔

”میں اماں کو نہیں کھلاتا بلکہ وہ مجھے کھلاتی ہیں اور تمہیں بھی۔“ اس نے قصداً ”ہکا پھکا انداز اختیار کیا لیکن وہ اسی طرح بولی۔
”کمائی تو تمہاری ہے۔“

”کمائی کے قائل بھی انہوں نے ہی بنایا ہے۔“ اس نے کہا تو وہ ایک جھگڑے سے اٹھ بیٹھی۔
”کیا کتنا چاہتے ہو تم؟“

”صاف صاف بات کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے تمہارے یہ انداز بالکل پسند نہیں ہیں۔ تم نے جو کہا میں نے مان لیا لیکن یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ تم اماں کے ساتھ بد میزبانی کرو۔“

”میں کرتی ہوں بد میزبانی؟“ وہ اس سے بھی لڑنے کو تیار تھی۔

”ہاں“ تم کرتی ہو کیا کہہ دیا تھا انہوں نے یہی بات کہ میرے لیے دو روٹی ڈال دو تو اس میں اتنا چلانے کی کیا بات تھی۔ آرام سے انکار کر کے اپنے کمرے میں آجائیں۔“ وہ سرزنش بھی دینے لگی۔
”ہاں“ آرام سے انکار کرتی تاکہ وہ پھر کہیں۔
”کہیں گی۔ وہ پھر بھی کہیں گی اور آئندہ تم ان کے سامنے زبان مت چلاتا۔“ اسے مجبوراً سخت لہجہ اختیار کرنا پڑا تھا۔

”تم؟“ وہ تیز ہو کر جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ اس نے ٹوک دیا۔
”بس ثانیہ! بہت ہو گیا۔ تمہیں اگر غصہ دکھانا ہے تو کچھ کر کے دکھاؤ۔“

”یہ تو تم بھول جاؤ۔“ وہ کہہ کر کمرے میں منہ چھپا کر لیٹ گئی تو وہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے کھانا

جو ٹوں میں درد تھا۔ ابھی دیکھو بخار بھی ہو گیا ہے جب ہی اسے روٹی ڈالنے کو کہہ گئی۔“ اماں نے پہلے جتایا لیکن پھر وضاحت بھی کرنے لگیں۔

”کیوں کرتی ہیں اس سے مت کہنا کریں۔ میں بازار سے لے آیا کروں گا۔ چلیں انہیں۔ اندر چلیں۔“ اس نے انہیں اٹھانے کے لیے ان کا ہاتھ تھامنا تو تشویش سے بولا۔

”آپ کو تو تیز بخار ہے۔ چلیں۔ پہلے آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔“

”بس رہنے دو تم کھانا کھاؤ۔“

”آکر کھاؤں گا۔ آپ انہیں چلیں۔ نہیں تو ڈاکٹر چلا جائے گا۔“

اس نے زبردستی انہیں اٹھایا اور بائیک پر بٹھا کر لے گیا تو آگے ڈاکٹر مرلیضوں سے فاسٹ ہو چکا تھا جب ہی دیر نہیں لگی اور وہ اماں کو دکھا کر اور ان کی دوائے کر چندہ منٹ میں واپس بھی آیا۔

”اب تم کھانا کھاؤ۔“ اماں کو اس کے کھانے کی فکر تھی۔
”آپ نے کھالیا؟“

”ہاں“ تمہیں پتا ہے۔ میں مغرب کی نماز پڑھتے ہی کھا لیتی ہوں۔“

”چلیں پھر یہ دو الیں۔“ اس نے انہیں دو ایلی پھر لٹا کر کمرے میں اوڑھاتے ہوئے کہنے لگا۔ ”میں کھانا کھاؤں پھر یہیں آپ کے پاس آکر سوؤں گا۔“
”کافے کو۔“

”رات میں کسی وقت آپ کو کسی چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔“ اس نے ان کی سہولت کے لیے کہا لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

”نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں رات میں سوچ لیں۔“

”جاؤ بیٹا! سوئے دو مجھے۔“ انہوں نے عاجز آکر کہا تو وہ لائٹ آف کر کے ان کے کمرے سے نکل آیا اور کچن سے کھانا لے کر اپنے کمرے میں آیا تو آگے وہ

کھانے لگا۔

”سمنو“ کچھ دیر بعد وہ کھل سے منہ نکال کر پوچھنے لگی۔ ”کچھ کرنے سے تمہارا کیا مطلب ہے۔“

”گھر داری۔“ وہ رومال سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔

”ہونہ؟“ اس نے دوبارہ منہ کھل کے اندر کر لیا تو وہ سر جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا پھر ٹرے اٹھائی تو ساتھ تکیہ بھی لے لیا اور اماں کے کمرے میں جا سویا تھا۔

صبح اسے اٹھنے میں کچھ تاخیر ہو گئی تھی جب ہی اس نے صرف اماں کو ناشتا کرایا اور دوا دی۔ پھر جلدی جلدی تیار ہو کر آفس کے لیے نکلے لگا تو وہ سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔

”میں نے رات سے کچھ نہیں کھایا۔“

”وہ سامنے بچن ہے۔ وہاں کھانے پینے کو سب موجود ہے جو چاہے بناؤ کھاؤ۔“ وہ قصداً ”نروٹھے پن“ سے کہہ کر بایٹک آگے بڑھانے لگا لیکن اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیے اور ضد سے بولی۔

”میں نہیں بنا سکتی۔ مجھے بس کھانا چاہیے۔“

”مجھے پہلے ہی دیر ہو گئی ہے میں کچھ نہیں کر سکتا۔“

”نہیں۔ پہلے مجھے کچھ کھانے کولادو۔“

”سامنے سے ہونگی تو لا کر دوں گا۔“ اس نے زنج ہو کر کہا تو وہ لانے کا سن کر فوراً ہٹ گئی۔

اور وہ باہر نکلا تو پلٹ کر دیکھا ہی نہیں سیدھا آفس چلا گیا۔ کیونکہ رات سوچ چکا تھا کہ اب وہ کچھ نہیں کرے گا۔ اور دیکھے گا کہ وہ کب تک بھوکی رہتی ہے۔

زیادہ سے زیادہ تین وقت اس کے بعد مجبور ہو کر خود ہی پکتن میں جائے گی۔ اور وہ پکتن میں تو نہیں گئی اپنی امی کے ہاں چلی گئی تھی۔ اور جاتے ہی پہلے باقاعدہ اعلان کیا کہ وہ اب وقار کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ پھر امی کی ہمدردی حاصل کرنے کی خاطر فوراً ”ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی۔

”مجھے معاف کر دوں میں نے آپ کی بات نہیں مانی تھی۔ آپ نے ٹھیک کہا تھا کہ ان کی کوئی حیثیت

نہیں ہے۔ ایک ملازم نہیں رکھ سکتے۔ لیکن اس وقت میری عقل پر پتھر پڑ گئے تھے۔ بہت بڑی غلطی ہوئی مجھ سے۔“

”اب تو ہو گئی غلطی بیٹا! امی اسے بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔ اس لیے بڑے آرام سے بولیں تو وہ اپنی بات کا خلاف توقع رد عمل دیکھ کر تھملا گئی۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“

”مطلب غلطی کی ہے تو اب جھکتو بھی۔ میرے پاس کیا لینے آئی ہو؟“

”میں کچھ لینے نہیں آئی۔ بس اب یہیں رہوں گی۔“ وہ ہشہواری سے بولی۔

”نہ بیٹی! ہم بیٹی بیٹی کو اس طرح گھر نہیں بٹھا سکتے ہمارے آگے ابھی دو اور بھی ہیں۔ ہمیں اب ان کا سوچنا اور کرنا ہے۔ تمہاری ذمہ داری سے ہم بری ہو گئے۔ اب بس اتنا کر سکتے ہیں کہ ہنسی خوشی آوے گی تو ایک وقت کا کھانا پوچھ لیں گے اس سے زیادہ نہیں کر سکتے۔“ امی نے صاف ہری جھنڈی دکھا دی تو وہ چیخ کر بولی۔

”بوجھ نہیں بنوں گی آپ پر، خود کھاؤں گی اور سن لیں۔ یہ میرے باپ کا گھر ہے۔ آپ مجھے یہاں سے جانے کو نہیں کہہ سکتیں۔“

”ہاں دیکھتی ہوں۔ باپ کب تک بٹھاتا ہے تجھے۔“ امی اٹھ کر اندر چلی گئیں تو وہ انہیں سنانے کو کتنی دیر اپنی آوازیں جانے کیا کیا بولتی رہی تھی۔

اس کا خیال تھا کہ وہ ضد میں دوپہر تک بھوکی رہی ہوگی پھر شام میں ضرور کچھ نہ کچھ کھالیا ہوگا۔ وال چاول، آلو کی بھیجیا، تلیٹ وغیرہ یعنی وہ آسان آسان کھانے سوچتا ہوا گھر آ رہا تھا لیکن آگے وہ تھی ہی نہیں اور بیجاری اماں بھوکی پیاسی بے سدھ پڑی تھیں۔ وہ پہلے تو انہیں دیکھ کر ٹن ہو گیا پھر آہستہ سے پلا کر پکارا تو ان کے بند ہونٹوں سے ہول کی آواز نکلی تھی۔

”اماں! اماں! انہیں۔“ اس بار اس نے ذرا زور سے پکارا۔

”انہیں اماں! میں پریشان ہو رہا ہوں۔“

”ہیں۔“ اماں ذرا سی آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگیں تو وہ ان کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولا۔

”اب سوئے گا نہیں میں آپ کے لیے چائے لاتا ہوں۔“ پھر فوراً ”جا کر چائے بنائی اور ساتھ بسکٹ لے کر دوبارہ کمرے میں آیا تو اماں پر پھر غنوغی طاری ہو گئی تھی، لیکن اس نے زبردستی انہیں اٹھا کر بٹھادیا۔ اور اپنے ہاتھ سے چائے میں ڈبو کر بسکٹ کھلائے پھر بقیہ چائے پلائی تو اماں کچھ ہوشیار ہو گئیں اور پہلی بات یہی کہی۔

”تم نے کھانا کھایا؟“

”کھالوں گا“ میری فکر نہیں کریں؟“ وہ ان کے پیچھے نکلے لگا کر اٹھتے ہوئے بولا پھر خالی کپ رکھ کر کہنے لگا۔

”اے کیسے بڑی رہیں سارا دن بھوکا کیلا لیتیں۔“

”نہیں۔ اب اسے نہیں بلانا“ اماں نے منع کیا۔

”کیوں؟“

”بس یہ مناسب نہیں ہے کہ پرانی لڑکی آ کر میرے گھر کا کام اور میری دیکھ بھال کرے۔ کوئی ہماری نوکر تھوڑی ہے۔ اس کی ماں کو برا لگ سکتا ہے پھر محلے والے الگ باتیں بناتے ہوں گے۔“ اماں نے رک رک کر کہا تو وہ خاموش ہو رہا کیونکہ وہ غلط نہیں کہہ رہی تھیں۔

”کھانا کھایا؟“ اماں نے پھر پوچھا۔

”کھالوں گا“ یہ بتائیں ثانیہ کس وقت گئی۔“ اس نے پوچھا تو اماں اٹھا پوچھنے لگیں۔

”کہاں؟“

”میں نے۔“

”پتا نہیں بیٹا! مجھے تو سارا دن ہوش نہیں تھا ابھی اٹھی ہوں جاؤ لے آؤ اسے۔“ اماں نے لاعلمی کے اظہار کے ساتھ کہا تو وہ نہیں کہتے کہتے رہ گیا کیونکہ ابھی انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا جب ہی بات بدل گیا۔

”آپ کی دوا ابھی لانی ہوگی؟“

”ابھی رکھی ہوگی۔ دن میں تو میں نے لی نہیں؟“

”ایک ہی خوراک ہے، لی میں پھر میں کل کے لیے لے آتا ہوں۔“ اس نے گلاس میں پانی ڈالا پھر انہیں ٹیبلٹس دے کر آخر میں مکسچر پلا کر کہنے لگا۔

”آپ سوئے گا نہیں۔ میں دوا لے کر آتا ہوں۔ اور ہاں، دو بسکٹ سے کچھ نہیں ہوتا۔ میں ابھی آکر دلیہ بنا دوں گا۔“

”دلیہ کو بھی لیتے آنا بار بار کہاں جاؤ گے۔“ اماں نے کہا تو وہ ان سی کر کے باہر نکل آیا کیونکہ اس کا اس وقت اسے لانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لیے پہلے ڈاکٹر کے پاس گیا پھر اپنے لیے کھانا اور اماں کے لیے پھل وغیرہ لے کر واپس آتے ہوئے اس نے اچانک کچھ سوچ کر بایٹک اس کے گھر کی طرف موڑ دی تھی۔

اور جب اس کے گھر میں داخل ہوا تو پہلے مرحلے پر امی سے سامنا ہو گیا۔

”السلام علیکم ثانیہ ہے؟“ اس نے سلام کر کے ثانیہ کا پوچھا تو امی جلدی سے بولیں۔

”ہاں ہاں آؤ اندر آؤ۔“

وہ خاموشی سے ان کے ساتھ کمرے میں گیا جہاں وہ ابو کے سامنے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

”بیٹے! کیا وقار۔“ امی نے کہا تو ابو کے ساتھ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا لیکن وہ قصداً ”نظر انداز کر کے ابو کی طرف متوجہ رہا اور سلام کے ساتھ کہنے لگا۔

”یہ مجھ سے پوچھنا تو کیا بتائے بغیر یہاں آ گئی ہے۔“

”ہاں۔ میں اسے یہی سمجھا رہا تھا کہ اس طرح نہیں آنا چاہیے تھا۔ تم بیٹھو۔“ ابو نے امی کو کرسی آگے کھینچنے کا اشارہ کیا۔

”نہیں۔ میں بیٹھ نہیں سکتا۔ میری اماں آج سارا دن بے ہوش پڑی رہی ہیں کوئی دیکھنے والا نہیں تھا۔ ابھی میں ان کے لیے دوا لے کر جا رہا ہوں۔“ وہ عجلت میں بتا کر کہنے لگا۔

”یہ اگر یہاں رہنا چاہتی ہے تو شوق سے رہے۔“

”تم کیوں روک رہی ہو۔ اچھا ہے۔ اپنے گھر جا رہی ہے۔“

”میں نے گھر کو گھر سمجھے تھے۔ اب اس کی موجودگی کے باعث سوچ کر رہ گئیں۔“

”ٹھیک ہے۔ میں چل ہوں۔“ وہ خدا حافظ کہہ کر باہر آیا تو اسے میسر نظر انداز کر کے بایک اشارت کی اور اس کے بیٹھے ہی آگے بڑھادی، لیکن جب گھر میں داخل ہوا تب اسے پوچھنا پڑا۔ کیونکہ وہ سیدھی اپنے کمرے میں جا رہی تھی۔

”سنو، پہلے اماں کے پاس جا کر انہیں سلام کرو۔ ان کی طبیعت پوچھو ساتھ معافی بھی مانگو۔“

”معافی کی بات کی؟“ وہ ترخ کر پوچھنے لگی۔

”انہیں بتائے بغیر جو کئی تھیں۔ چلو۔“ وہ بایک بند کر کے قریب آگیا تھا۔ اسے ساتھ لے کر اماں کے کمرے میں آگیا پھر بھی اس نے سلام تک نہیں کیا تو وہ اسے گھور کر اماں سے بولا۔

”آگئیں اماں! آپ کی سویتیم۔“

”تیار اسے کیا؟“ اماں نے اس کا پھولام نہ دیکھ کر پوچھا تو وہ لا پرواہی سے بولا۔

”تیار نہیں میں نے پوچھا نہیں آپ پوچھ لیجئے۔“

”کیوں بیٹی؟“

”ہو نہ۔“ وہ نخوت سے سر جھٹک کر پیر پختی ہوئی چلی گئی تو اماں اسے دیکھنے لگیں۔

”میں نے کچھ کہا ہے۔“

”میں نے لیجئے میں نے کچھ نہیں کہا۔“ وہ پتا نہیں کیوں موڈ میں آگیا تھا۔

”پھر وہ کیوں بگڑی ہوئی ہے۔“

”میں بھی تھوڑی شروع سے بگڑی ہوئی ہے۔“ وہ دوسرے معنوں میں کہہ کر نہا۔ ”خیر چھوڑیں آپ یہ پھل کھائیں؟“

”تم نے کچھ کھایا؟“

”کھانا لے آیا ہوں اب کھاؤں گا۔ آپ کو کچھ اور چاہیے تو بتائیں۔“ اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا تو اماں فوراً بولیں۔

”نہیں۔“ اسی فوراً بول پڑیں۔ ”میں کیوں رہے گی، اپنے گھر جائے گی، پھر تمہاری اماں بیمار ہیں۔“

”تو یہ کون سا انیس دیکھ لے گی۔“ اس نے طنز سے کہا تو وہ ابو کا خیال کیے بغیر تفر سے بولی تھی۔

”یہ میری ذمہ داری نہیں ہے۔“

”میں لیا آپ نے، اس کا کام صرف کھانا اور سونا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتی۔“

”میں نے توجہ سے اور یہ توجہ سے بیماری کی حالت میں چھوڑ کر چلی آئی۔ ٹھیک ہے، اسے کھانا پکانا نہیں آتا لیکن کیا وہ بکٹ اور دو ابھی نہیں دے سکتی

انہیں۔“ وہ خود کو روکتے روکتے بھی بہت کچھ کہہ گیا تھا۔

”ای، ابو کیونکہ اپنی بیٹی کی عادت سے واقف تھے۔ اس لیے سر جھکائے بیٹھے تھے۔“

”میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا نہیں ہے۔“ وہ ان کے جھگڑے ہوتے سرد دیکھ کر کہنے لگا۔

”میں صرف آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ یہ وہاں کیا کر رہی ہے اور اگر کسی دن میری طرف سے کوئی زیادتی ہو جائے تو آپ مجھے الزام نہ دیں۔“

”نہیں نہیں بیٹا! ہم تو خود اسے ہی سمجھاتے ہیں۔“ ابو کے عاجزانہ لہجے پر اس نے نکتہ سے اسے دیکھا پھر کہنے لگا۔

”ٹھیک ہے۔ آپ سمجھائیں اسے اور جب یہ سمجھ جائے تب بے شک میرے گھر چھوڑ جائے گا۔“

”اسے“ وہ اپنی بات ختم کر کے جانے لگا تھا کہ وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

”میں ابھی چلوں گی۔“

”نہیں۔ ابھی کچھ دن بیٹیں رہو۔“ اسی اب خود اسے روکنے لگیں تاکہ کچھ کام کاج سکھا کر بھیجیں اور وہ شاید سمجھ گئی تھی جب ہی اڑ گئی۔

”نہیں۔ میں ابھی جاؤں گی۔ چلو قار۔“ اور اس سے پہلے ہی باہر نکل گئی تو ابو امی سے بولے۔

”اور اس سے پہلے ہی باہر نکل گئی تو ابو امی سے بولے۔“

”اور اس سے پہلے ہی باہر نکل گئی تو ابو امی سے بولے۔“

”اور اس سے پہلے ہی باہر نکل گئی تو ابو امی سے بولے۔“

”میں نے ایسے ہی نہیں تمہارا انتخاب کیا تھا مجھے پتا تھا تم میرا بہت خیال رکھو گے اس لیے میں نے بڑے بڑے گھروں کے رشتے ٹھکرا دیے۔“

وہ کچھ نہیں بولا۔ خاموشی سے ناشتا کر کے اٹھ گیا اور اپنے سارے پہلے کپڑے جمع کر کے صحن میں لار کے پچرواشٹک مشین میں پانی ڈالنے لگا اگر وہ اس کا ساتھ دینے کے لیے بھی آجاتی تو اسے بھی وہ غنیمت سمجھتا لیکن وہ بڑے آرام سے وہیں برآمدے میں بیٹھی دیکھ رہی تھی۔ جس سے پارہ اس کے اندر ابال اٹھ رہا تھا جسے ہر بار وہ بمشکل دبا کر اپنا دھیان اوھر اوھر کر رہا تھا۔

آخر مشین میں کپڑے ڈال کر خود ہی اس کے سامنے سے ہٹ گیا اور جا کر اماں کے کمرے کی صفائی کرنے لگا۔ پہلے سب ڈسٹنگ کی بستی چادر بدلی پھر جھاڑو لگائے اور اگرے سے لگلا تھا کہ۔۔۔ سو آئی اور کیونکہ اس کا سر پہ کا ہوا تھا جب ہی بے دھیانی میں بولا۔

”ہو آگے۔۔۔“

”سوری۔“ جو فوراً ایک طرف ہٹی اور اسی تیزی سے اس نے سر اٹھایا تو اسے دیکھنے سے زیادہ اپنے ہاتھ میں جھاڑو ہونے پر شرمندہ ہو کر بس اس قدر بولا۔

”سوری۔ میں سمجھا۔۔۔“

”یہ آپ کیوں کر رہے ہیں؟“ سو نے جھاڑو کی طرف اشارہ کیا تو وہ بلا ارادہ اسے ہاتھ سے چھو ڈر بولا۔

”وہ اصل میں اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”کیا ہوا انہیں؟“ سو تشویش سے پوچھتی فوراً کمرے میں اماں کے پاس چلی گئی تو اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا پھر جلدی جلدی وہاں سے جھاڑو لگاتا ہوا برآمدے میں ٹائیہ کے قریب پہنچا تو وہ بڑے آرام سے بولی۔

”اپنا کمرہ بھی گندہ ہو رہا ہے۔“

وہ ایک جھٹکے سے یوں سیدھا ہوا جیسے جھاڑو اس کے منہ پر دے مارے گا اور شاید ایسا کر گزر تا لیکن اس

”نہیں۔ تم جاؤ کھانا کھاؤ۔“

”جی بات ہے۔“ وہ ان کے کمرے سے نکل آیا اور کل کی طرح کھانے کے اپنے کمرے میں گیا لیکن اب نیپل پر بیٹھا تھا اور اس سے پوچھا بھی نہیں بیٹھتے ہی کھانے میں مصروف ہو گیا۔

وہ کچھ دیر تیز نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

”سنو میں اگر یہی آگئی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب جو تم کو گے میں وہی کروں گی۔ ایسی کسی خوش فہمی میں مبتلا مت ہونا۔ ہمارے درمیان شادی سے پہلے جو معاہدہ ہوا تھا وہ ہمیشہ برقرار رہے گا۔ میں جیسی تھی ہوں اور ایسے ہی رہوں گی۔ تم مجھے بدلنے کی کوشش مت کرنا۔“

وہ جو ہاتھ میں نوالہ لیے اسے دیکھنے لگا تھا اور اندر ہی اندر حیران بھی ہو رہا تھا سر جھٹک کر بولا۔

”میرے پاس بے کار وقت نہیں ہے ثانیہ بیگم! جو میں تم پر ضائع کروں مجھے اور بہت کام ہیں۔“

”ہاں بس تم اپنے کاموں میں لگے رہو۔ مجھ پر تنقید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

”میں تنقید کیوں کروں گا۔ میں تو تمہارا دیوانا ہوں۔ تمہارے حسن کا تمہاری لواؤں کا اور اسی دیوانگی میں میں نے پہلے کچھ سوچا تھا اب سوچ سکتا ہوں۔“ وہ بظاہر ہلکے جھٹکے انداز میں کہتا ہوا کھانے کے برتن اٹھا کر کمرے سے نکل گیا تو وہ آئینے میں خود کو دیکھنے لگی تھی۔

اگلا دن چھٹی کا تھا، پھر بھی وہ معمول کے مطابق اٹھ گیا کیونکہ رات بہت سارے کام سوچ کر سوتا تھا اور اسی حساب سے پہلے اماں کو ناشتا کرایا پھر اپنے لیے تو نہیں اس کے لیے بناتے ہوئے وہ بڑی طرح جھنجھلا رہا تھا کہ وہ اس کی طرح ڈھیٹ کیوں نہیں بن جاتا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دے جب بھوک لگے گی تو خود ہی کرے نہ کتاہ ہوگی لیکن وہ یہ سب بس سوچ کر رہ گیا یا شاید بد مزگی نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے اسے اپنے ساتھ ناشتے پر بٹھالیا تو وہ اترا کر بولی۔

سے پہلے سو گئی تھی۔

”گاہیک میں لگاؤں۔“

”نہیں نہیں میں شوق میں کر رہا ہوں تم جاؤ اہل

کیاں۔“ وہ جزیرہ ہو کر بولا۔

”میں کل سے بیمار ہیں آپ نے مجھے خبر ہی نہیں

کی۔“ سچو نے شکوہ کیا تو وہ قصداً ”بے نیازی سے بولا۔

”خیال ہی نہیں آیا۔“

”جھاڑ لائیے جھاڑو مجھے دیں۔ آپ کے ہاتھ میں

اچھی نہیں لگ رہی۔“ سچو نے جھاڑو لینے کے لیے

ہاتھ بڑھایا تو وہ پیچھے ہٹ کر بولا۔

”تمہیں اچھا نہیں لگ رہا تو کیا ہوا؟“ ثانیہ کو اچھا لگتا

”واقعی۔“ سچو حیران ہو کر ثانیہ کو دیکھنے لگی

لیکن وہ یوں بیٹھی تھی جیسے سن ہی نہیں رہی تب سچو

اس سے بولی۔

”آپ مذاق کر رہے ہیں۔“

”میرا تمہارا مذاق کا کوئی رشتہ نہیں۔ چلو ہٹو کام

کرنے دو۔ اور دیکھ نہیں رہیں؟“ شین گئی ہے اور

ابھی برتن بھی دھوئے ہیں۔“ وہ اکتا ہوا جلدی جلدی

ہاتھ چلانے لگا جس سے ساری مٹی اڑنے لگی تو ثانیہ

بی بی۔

”کیا کر رہے ہو؟“ پھر کھانسی ہوئی اٹھ کر اندر چلی

گئی تو وہ ہاتھ دھو کر سچو سے بولا۔

”جو سوال تم نے کیا نہیں یہ اس کا جواب ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب ثانیہ کو دھول سے الرجی ہے اس لیے

میں اسے جھاڑو نہیں لگانے دیتا۔“ وہ اس کا بھرم نہیں

رکھ رہا تھا بلکہ اپنی خیالت مٹا رہا تھا۔

”بہت نازک مزاج ہے۔“

”ہاں۔ اس لیے مجھے خیال کرنا پڑتا ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ خیر اب آپ چھوڑیں میں لگا

دیتی ہوں۔“

سچو نے اس کی بے دھیانی سے فائدہ اٹھا کر اس کے

ہاتھ سے جھاڑو چھین لی۔ اور پھر سارا دن ہر کام میں وہ

اس کے ساتھ ساتھ لگی رہی۔ کپڑے برتن اور رات

تک کا کھانا بھی بنا دیا۔ اس دوران ثانیہ دوبارہ کمرے

سے نکل کر آئی اور انہیں مصروف دیکھ کر اطمینان سے

واپس پلٹ گئی۔ کیونکہ اسے اس عام سی لڑکی سے کوئی

خوشہ نہیں تھا۔ اس کے برعکس وہ یہ سوچ رہی تھی کہ

اگر سچو روزانہ آجلیا کرے تو کتنا اچھا ہو گا۔ کمرے میں صاف

رہے گا اور کھانا بھی مزے کا مل جائے گا۔

بہر حال سارے کام خوش اسلوبی سے نمٹا کر سچو چلی

گئی حالانکہ اس نے بہت روکا تھا کہ کھانا کھا کر جائے

لیکن وہ اپنی اہل کے ساتھ کھانے کا بہانا کر کے چلی گئی

تب وہ نماز گزشتہ فریض سال اپنے کمرے میں آیا اور اس

سے بھی خوش دلی سے بولا تھا۔

”کیا خیال ہے یکم صاحبہ! کھانا کھایا جائے۔“

”ہاں، کب سے بھوک لگ رہی ہے۔ میں

تمہارے انتظار میں بیٹھی ہوں۔“ اس نے التوا اختیار کیا

بجائے برا ماننے کے ہنس پڑا اور فوراً ”جا کر کھانا نکال

لایا۔ تب وہ ٹوک کر بولی۔

”کیا بات ہے۔ بہت خوش ہو؟“

”ہاں۔ بہت اچھا لگ رہا ہے۔“ اس نے اعتراف

کیا تو وہ بھی نہیں۔

”کیا اچھا لگ رہا ہے؟“

”صاف ستھرا کمرہ! اپنا کمرہ دیکھو کیسے چمک رہا ہے۔

سارا بوجھل پن گندگی سے تھا۔ اگر روزانہ ایسے ہی

رہے تو کتنا اچھا لگے۔“ وہ اڑاڑ کر اسے اکساتا تھا

لیکن وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ تاک چڑھا کر

بولی۔

”بلال! آ کر روزانہ اسے فارغ ہی ہوتی ہوگی۔“

”کوئی فارغ نہیں ہوتی۔“ اس کا سر پیٹنے کو دل چاہا

تھا۔

”کیوں کیا کرتی ہے؟“

”پتا نہیں۔ کھانا کھاؤ۔“ اس نے بحث سے بچنے کی

خاطر بات ختم کر دی۔ پھر کھانا کھا کر جو سوٹا تو اندر حیرا

پھیلنے پر اٹھا تھا۔ اور اس وقت اس کا دل چاہا اس گرم

گرم چائے ہاتھ میں آجائے اس سے تو توقع نہیں کی

جاسکتی تھی اور اہل بیچاری بیمار تھیں ورنہ وہی

بناتیں۔

”سچو ہی آجاتی۔“ اس نے سوچا اور بہت سستی

سے بستر سے اٹھنے لگا تھا کہ سچو چائے لے کر آئی۔

”تم۔“ وہ بہت حیران ہوا اور چائے دیکھ کر

خوش۔

”مجھے اس وقت چائے کی شدید خواہش تھی۔

وہ تم کیسے آئیں؟“

”میری اہل آپ کی اہل کی طبیعت پوچھنے آئی

ہیں۔ میں بھی آئی۔“ وہ چائے کی ٹرے پہلے ثانیہ پھر

اس کے سامنے کرتی ہوئی بولی۔

”اور آتے ہی کام سے لگ گئیں۔“

”چائے بناؤ تو کوئی کام نہیں ہے۔“ وہ کہہ کر چلی گئی

تو وہ اسے دیکھنے لگا جو یوں انجان بی بیٹھی تھی۔ جیسے

کمرے میں اس کے علاوہ اور کوئی موجود ہی نہ ہو۔ تب

اس نے پہلے چائے کا سرپ لیا پھر اسے متوجہ کر کے

بولا۔

”سنو! اگر تمہاری شان میں کوئی فرق نہ آتا ہو تو جا

کر سچو کی ماں کو سلام کر آؤ۔“

”یہ تم کس طرح کی باتیں کرنے لگے ہو۔“ وہ

ناگوار سے ٹوک کر کہنے لگی۔ ”اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ

تمہارے طنز اور تضحیک کا نشانہ بن کر میں تمہارے

سامنے جھکنے پر مجبور ہو جاؤں گی تو یہ تمہاری بھول

ہے۔“

”نانا۔ میرا کیا کوئی متھہ نہیں ہے۔“ وہ کہہ کر

اٹھ کر اٹھو اور فوراً پوچھنے لگی۔

”کہاں جا رہے ہو؟“

”سامنے گئے۔“

”میرا بھی کہہ دینا اور ہاں سچو سے کہنا۔ چائے بہت

اچھی تھی۔“ وہ غلی مک اس کی طرف بڑھا کر بولی تو وہ

تب کر پوچھنے لگا۔

”اور پوچھ۔“

”اور کہنا۔ روز اسی طرح آجلیا کرے۔“ وہ اب چڑا

رہی تھی۔

”اور جو اس نے پوچھ لیا تمہاری بیوی کس لیے

ہے پھر؟“

”کہہ دیتا۔ میں بیوی لایا ہوں تو کرائی نہیں۔“

اسے اور کچھ بنانا بے شک نہ آئے باتیں بتانی ضرور

آتی تھیں۔

”اور جو بیویاں سارے گھر کا کام کرتی ہیں انہیں تم

کیا کہو گی؟“ وہ جاتے جاتے رک گیا۔

”تو کرائی بیویاں صرف میری جیسی ہوتی ہیں۔“ وہ

گردن اکڑا کر بولی تو وہ بھی دل جلانے والے انداز میں

مسکرا کر پوچھنے لگا۔

”پھر کیا خیال ہے میں بھی اپنے لیے ایک تو کرائی

لے آؤں؟“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ وہ فوراً ”جینی تو وہ

پلٹانے کی ایکٹنگ کرنا ہوا بولا۔

”تو کرائی۔ میں تو کرائی کی بات کر رہا ہوں۔“

”تو صرف اپنے لیے کیوں کہتا؟“

”کیونکہ کام جو میں کرتا ہوں اور میرے حصے کے

کام کرنے والی میری ہوئی ناں۔ تمہیں تو کوئی فرق

نہیں پڑے گا۔ اب بھی نہیں کرتیں جب بھی نہیں

کرو گی۔“ اس کی وضاحت پر وہ الجھ کر بولی۔

”مجھے نہیں پتا جو دل چاہے کرو۔“

”اچھی بات ہے۔“ وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔

”دیکھ نہیں رہیں ابھی تھکا ہوا آ رہا ہوں لیکن تمہیں کمال احساس ہو سکتا ہے تم تو آرام سے رہتی ہو۔“ وغیرہ وغیرہ۔

اور امی کے گھر وہ صرف اس لیے نہیں جاتی تھی کہ آگے پہلے ان کی ملامت پھر لیکچر سناتا تھا۔ اور جانے وہ کس مٹی کی بنی تھی کہ کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا بس تھلا کر دودھ جواب دے کر فارغ ہو جاتی۔ اس کے بعد کبھی سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ آیا وہ ٹھیک ہے یا غلط۔ شاید اسی لیے احساس نہیں جاگا تھا کہ وہ سوچتی ہی نہیں تھی۔ بس اول روز سے خود کو ٹھیک سمجھ کر اڑی ہوئی تھی۔ پھر اپنے حسن کا زعم بھی تھا۔ بہر حال اب بہت زیادہ فراغت سے وہ اکٹھاٹ کا شکار ہو گئی تھی اور اس رات وقار کے سامنے ہی مسئلہ لے کر بیٹھ گئی۔

”وقار! میں بہت بور ہو گئی ہوں زندگی میں کوئی ہلچل ہی نہیں ہے۔“

”کیسی ہلچل چاہتی ہو تم؟“ اس نے عدم دلچسپی سے پوچھا۔

”کچھ تو ہو۔“

”مثلاً“

”تم آفس سے جلدی آجایا کرو تو ہم گھوم پھر سکتے ہیں۔ بتا ہے میں سارا دن کتنی اکیلی ہوتی ہوں۔ وقت گزر کے نہیں دیتا۔“ وہ اپنے تئیں مظلوم بن رہی تھی جب کہ وقار کے پاس اب ایک ہی بات ہوتی تھی۔

”کچھ کرو گی تو اکیلے پن کا احساس نہیں ہو گا اور وقت بھی بھاتا ہوا لگے گا۔“

”کیا کروں؟“ وہ اپنے آپ سوچنے لگی پھر ایک دم اچھل کر بولی۔

”وقار! کیوں نہ میں پھر سے کالج میں ایڈمیشن لے لوں۔ آوہا دن وہاں گزر جائے گا۔ باقی آوہا دن سولوں کی۔“

”یا اللہ۔“ وہ زچ ہوا پھر تاسف سے کہنے لگا۔ ”تم سب کچھ سوچ سکتی ہو بس ایک گھرداری کی طرف

تمہارا دھیان نہیں جاتا۔“

”اور تم ایک اسی روز کیوں دیتے ہو؟“

”کیونکہ زندگی کا اصل رنگ یہی ہے۔ کہ صبح میں آفس جانے کے لیے تیار ہوں تب تم میرے لیے ناشتا بنا رہی ہو۔ میں وقفہ وقفے سے تمہیں پکارتا ہوں اور تم کچن سے آ رہی ہوں آ رہی ہوں کہتی ہوئی ٹرے لے کر آؤ تو اس وقت سوچو ناشتا کرنے میں کتنا مزہ آئے گا۔ پھر تم مجھے سی آف کرنے دروازے تک جا کر دھونس دے گا کہ شام میں جلدی آنا ورنہ میں روٹھ کر میکے چلی جاؤں گی تب صبح میری جان پرین آئے گی کہ اگر تم چلی گئیں تو میرا کیا ہو گا۔ اور اسی خیال سے میں جلدی لوٹ آؤں گا۔“ وہ بہت محبت سے اسے زندگی کا اصل رنگ دکھا رہا تھا لیکن وہ برا سامنا کر بولی۔

”ساری دنیا کی عورتیں یہی کر رہی ہیں۔“

”اور تم سب سے الگ کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟“ اس کا خوبصورت تصور بری طرح مسخ ہوا تھا۔

”کچھ نہیں۔“ اس نے بڑے آرام سے کندھے اچکائے تو وہ کمری سانس کھینچ کر بولا۔

”تم نہیں سدھ سکتیں۔“

”جب یہ طے ہے تو پھر تم ایسی فضول گوشتیں کیوں کرتے رہتے ہو۔“

”میرے باپ کی توبہ آئندہ میں یہ موضوع کبھی نہیں چھیڑوں گا۔“ اس نے کالوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔

”تھینک گاؤ جان چھوٹی۔“ وہ خوش ہو کر بولی تو وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”بہت خوش قسمت ہو تم ثانیہ بیگم! کہ تمہیں مجھ جیسا شوہر ملا میری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو دوسرے دن ہی تمہیں واپس میکے پہنچا دیتا۔ یہ میری شرافت ہے کہ میں تمہیں برواشت کر رہا ہوں اور اس کی وجہ تم تمہارا حسن نہیں بلکہ تمہارے ماں باپ اور خود میری ماں ہے۔ جو مجھے کوئی بھی انتہائی قدم اٹھانے سے روکتی ہے۔ اس سادہ لوح کو ابھی بھی یہ صرف خوش فہمی نہیں بلکہ یقین ہے کہ تم ضرور سدھ جاؤ گی۔“

”تو تم ان کی خوش فہمی دور کرو۔“ وہ طنز سے بولی

تھی۔

”نہیں اب میں ان کے یقین پر مرثیت کروں گا۔“ وہ کہہ کر اس کی طرف سے کروٹ بدل کر لیٹ گیا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر ڈھٹائی سے اس کا کندھا ہلکا کر بولی۔

”سنو میرا مسئلہ تو وہیں رہ گیا۔ میں بہت بور ہوتی ہوں۔“

اس نے جواب نہیں دیا تو پھر کہنے لگی۔

”عجیب آدمی ہو۔ اچھا یہ بتاؤ میں کالج میں ایڈمیشن لے لوں۔“

”ہو تمہارا دل چاہے کرو اور اب خدا کے لیے مجھے سونے دو۔ صبح آفس جانا ہے۔“ وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر بولا تو وہ بڑبڑاتی ہوئی لیٹ گئی۔

یونہی کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ وہ ایک دن کالج ہو آئی تھی لیکن سال بھر سے جو صرف کھانے اور سونے کی عادت پڑ گئی تھی تو دوبارہ اس نے کالج کا نام نہیں لیا۔ جب کہ وقار نے پوچھا اور اس کا کیا بھی تھا کہ شاید اس طرح وہ کچھ اکیٹو ہو جائے لیکن وہ نہیں مانی۔ اور اس وقت اپنی بوریت کا کوئی اور حل سوچ رہی تھی کہ سمجھو کہ آتے دیکھ کر اس کا دھیان بٹ گیا۔

”اماں کہاں ہیں؟“ سمجھو نے دروازے میں رک کر پوچھا تو وہ اس سے پوچھنے لگی۔

”اپنے کمرے میں نہیں ہیں؟“

”نہیں۔“

”پھر سبزی گوشت لینے لگی ہوں گی تو بیٹھو۔“ اس نے بتا کر اسے اندر آنے کو کہا پھر اس کے بیٹھنے پر پوچھنے لگی۔

”کسی کام سے آئی تھیں؟“

”اماں نے بلایا تھا شاید انہیں کام ہو گا۔“ سمجھو نے کہا تو وہ اپنے کمرے کا پھیلاؤ دیکھ کر بولی۔

”ارے کام تو یہاں بہت ہیں کتنی بار وقار سے کہا ہے تمہیں مستقل رکھ لیں۔“

”جی۔“ سمجھو نے یوں دیکھا جیسے اس کے سننے میں

غلطی ہوئی ہے۔
 ”ہاں“ ہفتے میں ایک دن آتی ہو روزانہ آجایا کرو تو کام کا بوجھ بھی کم ہو گا اور پیسے بھی زیادہ ملیں گے۔“
 اس نے جان بوجھ کر جتایا تھا کہ وہ جو کوئی کرانی سمجھتی ہے جو اگر اسے برا لگتا ہے تب بھی بہت تحمل سے بولی تھی۔
 ”معاف کیجئے گا آپ نے مجھے غلط سمجھا ہے۔ میں اس گھر میں اجرت پر کام نہیں کرتی۔ مجھے صرف مال کا خیال ہے جو بچاری بڑھاپے کی تکلیفوں کے باوجود ہانڈی چولہا کرتی ہیں۔ اس لیے مجھے جب وقت ملتا ہے میں اگر ان کا ہاتھ بنا دیتی ہوں۔“
 ”اچھا۔“ اس نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی پھر کہنے لگی۔
 ”بھئی معاف کرنا مجھے نہیں معلوم تھا۔ میں تو اب تک یہ سمجھتی رہی کہ تم ہفتے میں ایک بار میل اجرت پر کام کرنے آتی ہو۔ اسی لیے تو میں نے وقار سے کہا کہ وہ تمہیں مستقل رکھ لیں اور دیکھو انہوں نے بتایا بھی نہیں کہ تم نوکرائی نہیں ہو۔“
 ”لیکن مجھے آپ کے بارے میں انہوں نے بتایا ہے۔“ سچو نے برا ماننے کے بجائے مسکرا کر کہا تو وہ ہنسی نہ سکی۔
 ”کیا کیا بتایا ہے؟“
 ”یہی کہ آپ بہت مازک مزاج ہیں۔“ سچو نے کہا تو وہ پھر اتر کر بولی۔
 ”وہ تو میں ہوں۔“ پھر پوچھنے لگی۔ ”تمہارے گھر میں اور کون کون ہے؟“
 ”میں اور میری ماں۔“
 ”اور تمہارے ابا؟“
 ”ابا کا چار سال پہلے انتقال ہو گیا تھا۔“
 ”اوہ تو تم میرا مطلب ہے کوئی جانب و غیرہ کرتی ہو؟“ اس نے ذرا سے افسوس کے بعد پوچھا تو سچو نے سیدھے سادے انداز میں جواب دیا۔
 ”نہیں۔ میں گھر میں سلائی کرتی ہوں۔“
 ”پہن ذوق تو کہہ رہے تھے تم بڑھی لکھی ہو۔“ اس نے عجیب سے انداز میں کہا تو سچو مسکرا کر بولی۔

”جی میں نے گریجویشن کیا ہے۔“
 ”پھر جاب کیوں نہیں کرتیں؟“ اسے پوچھنے کا موقع ملا تھا جب ہی سوال پر سوال کرتی جا رہی تھی۔
 ”جواب کے لیے گھر سے دور جانا پڑے گا اس لیے میں نے نہیں سوچا۔“ پھر سلائی کڑھائی میں میرا خیال ہے مجھے جاب سے زیادہ پیسے مل جاتے ہیں۔“ سچو بہت سلیقے سے جواب دے رہی تھی۔
 ”شادی نہیں ہوئی تمہاری؟“
 ”نہیں۔ مجھ سے کون شادی کرے گا؟“ سچو نے ذرا سا فحش کر کہا تو وہ فوراً اس کا مطلب سمجھ کر کہنے لگی۔
 ”ہاں ہر کوئی خوبصورت لڑکی ڈھونڈتا ہے۔ لیکن ہر ایک کو تو مجھ جیسی نہیں مل جاتی۔ یہ تو وقار کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں اتنی حسین لڑکی مل گئی۔“
 ”جی وقار آپ کی بہت تعریف کرتے تھے۔“ سچو نے کہا تو وہ جلدی سے بولی۔
 ”ابھی بھی کرتے ہیں۔“
 ”ظاہر ہے آپ اتنی پیاری جو ہیں۔“ سچو نے کہا تب ہی ماں کی آواز آئی وہ صحن میں اپنے آپ بولتی ہوئی آ رہی تھیں۔
 ”ماں آگئیں۔“ سچو آواز سنتے ہی اٹھ کر چلی گئی تو وہ آئینے میں دیکھ کر یوں مسکرائی جیسے سچو کو اس کی اوقات یاد دلانے کا کام کیا ہو۔ مزید رات میں وقار کے سامنے شروع ہو گئی۔
 ”منو آج سچو آئی تھی۔“
 ”پھر؟“ اس نے سرسری پوچھا کیونکہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔
 ”میں نے اس سے کہا کہ وہ ہفتے میں ایک دن آنے کے بجائے روزانہ یہاں کا کام کر جایا کرے، ہم پیسے دے دیں گے۔“ اس نے جتنے آرام سے بتایا وہ اسی قدر اچھل کر چلتا تھا۔
 ”کیا؟“
 ”ہاں تو میں نے پیر کی بات کی تھی کوئی مفت میں کرنے کو تو نہیں کہا تھا جو تم چلا رہے ہو؟“

”تمہارا دماغ ٹھیک ہے یا گل عورت! میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ وہ بڑھی لکھی لڑکی ہے۔“ وہ غصے میں اسے ڈانٹ کر بولا لیکن وہ صاف مکر گئی۔
 ”نہیں تو۔“
 ”یا اللہ۔“ وہ سر ہینے لگا تو وہ ناگواری سے بولی۔
 ”تمہیں کیوں برا لگ رہا ہے۔ اس نے تو برا نہیں مانا تھا۔“
 ”یہ اس کی اعلیٰ طرفی ہے کہ اس نے برا نہیں مانا پھر بھی تمہیں معافی مانگتی ہوگی اس سے۔“
 ”کیوں میں کیوں معافی مانگوں گی۔“ وہ تنک کر بولی۔
 ”ماں لکھی پڑے گی تمہیں۔“
 ”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہ تم ایک معمولی سی لڑکی کو کیوں اتنی اہمیت دے رہے ہو۔ وہ جیسی نظر آتی ہے میں اسے وہی کہوں گی اور سمجھوں گی بھی۔“ اس کی ہنسی حریفی پر وہ بری طرح چلایا۔
 ”شٹ اپ شٹ اپ۔“
 ”چلاتے کیوں ہو؟“
 ”کیا کروں اپنی بے عزتی پر چلاؤں نہ تو کیا کروں۔“ وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا اور وہ اندر سے خائف ضرور ہوئی لیکن ظاہر نہیں کر رہی تھی۔ بلکہ عادت کے مطابق اسے زیر کرنے پر تلی تھی۔
 ”اپنی بے عزتی اس میں تمہاری بے عزتی کیسے ہوئی؟“
 ”اور کیسے ہوئی ہے۔ وہ لڑکی جو انسانیت کے ماتے آکر ماں کا خیال کرتی ہے اور جس کا میں بے حد ممنون ہوں اس کی نظموں میں تم نے مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا اور کہتی ہو میری بے عزتی نہیں ہوئی۔“
 ”تم خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہو۔“ اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تو سر جھٹک کر منہ موڑ گئی۔
 ”مگر چاہتی ہو بات میں ختم ہو جائے تو معافی مانگو اس سے ورنہ۔“
 ”ورنہ۔“ وہ تیزی سے اس کی طرف گھومی تھی۔



”جو کو لے آؤں وہ میرا ہاتھ بڑا سے گی۔“ وہ اس کی بات مکمل کر کے یوں مسکرایا جیسے تمہارا بھی جواب نہیں اور وہ خوش ہو گئی۔

”ہاں میں یہی کہہ رہی ہوں۔“

”اچھی بات ہے۔“ وہ ناشتہ چھوڑ کر چلا گیا تو پھر سارا دن وہ اس کی راہ دیکھتی رہ گئی۔ پتا نہیں کہاں چلا گیا تھا۔ وہ کتنی بار کہاں سے ابھی کہ انہوں نے کہیں بھیجا ہے۔ پھر بھی اپنے کمرے کے کمرے سے ملے کو مزید بگاڑا۔ کبھی دروازے سے جھانکنے لگتی ہو جاتی یہاں تک کہ شام ہو گئی تو وہ غصے سے بھری بھر کہاں پر چڑھ دوڑی۔

”آپ اتنے آرام سے کیسے بیٹھی ہیں۔ جا کر معلوم کریں وہ جو کے ہاں گیا تھا۔“

”جو کے ہاں کیا کرنے گیا تھا؟“ اماں نے ناگواری سے پوچھا۔

”اسے لینے۔“ اس نے کہا تب ہی دروازہ کھٹنے پر اماں اس کے پیچھے دیکھ کر بولیں۔

”لو لے آیا۔“

وہ تیزی سے پلٹ کر کہنے لگے کچھ جاری تھی لیکن وقار کے ہاتھ میں سوٹ کیس دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلا۔

”یہ کس کا ہے؟“

”جو کا۔“ وہ اپنے برابر کھڑی جو پر ایک نظر ڈال کر بولا۔

”بار بار لانے جانا بڑا تھا ایک ہی بار لے آیا۔ اب یہ یہیں رہے گی مسئلہ۔“

”کیوں؟ کس لیے؟“ اس نے خشکی نظروں سے براہ راست جو کو دیکھا تو وہ پیش کی طرح بہت محل سے مسکرائی پھر وقار کا ہاتھ تھام کر بولی تھی۔

”من کا ہاتھ بٹانے۔“

کاندھا ہلانے لگی۔

”اٹھو قاتل۔“

”سوئے رویا۔ ایک ہی دن تو ملتا ہے۔“ وہ اپنے کندھے پر اس کا ہاتھ دبا کر بولا۔

”اور ایک دن میں کام کتنے ہوتے ہیں۔“

”مجھے کرنے ہیں ناں۔ کروں گا۔“ اس نے کہا پھر ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ”ارے آج تو بہت کام ہیں۔“

”جو کو بلاؤ وہ ہاتھ بٹاؤ گی تمہارا۔“ وہ اب چھینٹنے والے انداز میں مسکرا کر بولی تو وہ ایک نظر اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”بٹانا ہی پڑے گا۔“

”ارے ہاں رات جو تم اسے منانے گئے تھے تو کیا ہوا؟“

”وہ ناراض تو نہیں تھی پھر بھی بہت مشکل سے مانی۔“ اس نے کہا تو وہ سمجھی نہیں۔

”کیا مطلب؟“

”تم نہیں سمجھو گی۔“ وہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تب اس نے بھی بستر چھوڑ دیا اور جب تک وقار ناشتہ لانا وہ روزانہ کی طرح جن سنور کر بیٹھ گئی۔ پھر ناشتے کے دوران کہنے لگی۔

”ہم بہت دنوں سے کہیں نہیں گئے چلو کج کہیں گھومنے چلتے ہیں۔“

”ہاں“ میرا بھی بہت دل چاہ رہا ہے۔ لیکن کام۔“

وقار کام سوچ کر مایوس ہوا تو وہ پھر بولی۔

”جو کو لے آؤ نا، وہ کر لے گی سب۔“

”جیسا نہیں لگتا یا را کہ ہم سارے کام اس پر چھوڑ کر چلے جائیں۔ اماں بھی ناراض ہوں گی۔ ایسا کرو“

آج تم میرا ساتھ دے دو۔ ایک سے دو ہو جائیں گے تو سارے کام جلدی منت جائیں گے پھر وہ پیر کا کھانا کھاتے ہی ہم نکل چلیں گے۔“ اس نے کہا تو وہ اپنے سر پرے کو دیکھتی ہوئی بولی۔

”نہیں۔ میں تیار ہو چکی ہوں پھر مجھ سے ہو گا بھی نہیں۔ تم۔“





میں جاتی تو وہاں موجود خواتین اسے دیکھنے ہی منہ
بنانے لگتی تھیں۔ جو اماں بھی ضرور محسوس کرتیں پھر
بھی اس کے تعارف کے ساتھ تحریف میں رطب
اللسان ہو جاتیں۔

”یہ میری سب سے بڑی بیٹی ہے سوہنی! ماشاء اللہ

وہ بے حد جھنجھلائی ہوئی بلکہ غصے میں بھی تھی
جس کا اظہار وہ چیزیں پینچ کر کر رہی تھی۔ پھر بھی کسی
طرح اس کے اندر کی کھولن کم نہیں ہو رہی تھی۔
حالانکہ کوئی نئی بات نہیں ہوئی تھی۔ گزشتہ چار سالوں
سے یہی کچھ ہو رہا تھا کہ وہ باقاعدہ تیار ہو کر ڈرائنگ روم

مکمل ناول



طرح رجسٹر کھولے بیٹھا تھا۔ وہ اپنی چیز کھینچ کر بیٹھی تو شانی سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔
”آپ رو رہی تھیں؟“

”نہیں کیوں؟“ وہ اب نارمل ہو چکی تھی۔

”آپ کی آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔“

”آنکھوں کی سرخی صرف رونے کو تو ظاہر نہیں کرتی، اچانک بہت زیادہ خوشی ملنے سے بھی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔“ اس نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے بھٹکانے کی کوشش کی۔

”اچھا ابھی کیا خوشی ملی ہے آپ کو؟“ وہ بھٹکنے والا نہیں تھا۔

”بتاؤں گی لیکن ابھی نہیں۔“ اس نے ٹالا۔

”میں سمجھ گیا۔ ابھی جو آپ کے لیے پرنسپل آیا تھا۔ وہاں بات بن گئی ہے۔ یہی بات ہے نا۔ اسی لیے آپ خوش ہیں نا۔ گڈ یہ تو واقعی بہت زیادہ خوشی کی بات ہے۔ میں آپ کی شادی میں خوب بھنگڑا ڈالوں گا۔“ شانی جوش میں آگیا تھا۔

”بس۔۔۔ شٹ آپ!“ وہ ایک دم چیخ پڑی ”تم یہاں پڑھنے آتے ہو پڑھو اور جاؤ اس سے ہٹ کر تمہیں کسی بات کو سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے انڈر اسٹینڈ۔“

”اس کا مطلب ہے بات نہیں بنی۔“ شانی بجائے خائف ہونے کے اس کے چلانے سے سمجھ کر بولا۔

”ہاں نہیں بنی پھر۔“ اس نے دانت پیسے جیسے اسے کچا چبا جائے گی۔

”پھر یہ کہ لعنت بھیجیں اور سمجھ لیں کہ وہ آپ کے قابل ہی نہیں تھے۔ آپ کو وہی ملے گا جو آپ کے قابل ہو گا اور وہ کوئی عام سا شخص نہیں ہو گا۔“ شانی نے پل میں اس کے غصے اس کے شفر کو زائل کر دیا تھا اور وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”تم۔۔۔!“

”ہاں میں،“ آپ کا اسٹوڈنٹ ضرور ہوں لیکن نرسری کے جی کا بچہ نہیں ہوں ایم اے کر رہا ہوں۔

انگریزی میں ایم اے کیا ہے۔ بہت ذہن ہے۔ گھر داری میں بھی ماہر ہے۔ جس گھر جائے گی چار چاند لگا دے گی۔“ ابھی ابھی اماں نے یہی رٹائے جملے بولے تھے جس پر ایک خاتون نے خاصے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

”ماشاء اللہ۔۔۔“ اور وہ نا سمجھ نہیں تھی فوراً وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی اور ہمیشہ کی طرح ریجیکٹ ہونے کا غصہ بے جان چیزوں پر نکال رہی تھی کہ شانی دروازے میں آکر بولا۔

”مے آئی کم ان۔۔۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑی موٹی سی کتاب زور سے ٹیبل پر پٹخی پھر شانی کو دیکھ کر دھاڑی۔
”آجاؤ۔“

”ارے۔۔۔“ شانی اس کا چہرہ دیکھ کر ہنسنے لگا۔ ”یہ

آپ نے کیا کیا ہے؟“

”کیا کیا ہے؟“ وہ سمجھی نہیں۔

”آئینہ دیکھیں جا کر۔۔۔“ شانی نے بمشکل ہنسی

روک کر کہا تو وہ اسے گھورتی ہوئی واش روم میں آگئی اور جب آئینے میں خود کو دیکھا تو رو دینے کو ہو گئی۔ خود کو پسند کروانے کے لیے جو اس نے میک اپ کیا تھا وہ غصے کے باعث اس کی شکل کو خاصا مضحکہ خیز بنا رہا تھا۔

”بس یہ آخری بار تھا۔ اب کبھی میں خود کو تماشا

نہیں بناؤں گی۔“ رگڑ رگڑ کر چہرہ دھوتے ہوئے۔ وہ

بڑبڑاتی رہی پھر آئینے میں دیکھا شفاف آنکھیں سرخی

مائل ہو گئی تھیں۔

”کیا کمی ہے مجھ میں بس ایک رنگ ہی تو کالا ہے

ورنہ ان آنکھوں کی جادوگری سے کون انکار کر سکتا ہے۔

ایک عالم تسخیر کر سکتی ہیں۔“

”ایک عالم۔۔۔!“ ہونٹوں پر دکھ بھری ہنسی مچلی

تھی۔ ”کوئی ایک بندہ تو تسخیر ہونہ سکا کہاں ایک عالم“

وہ خود ترسی کا شکار ہونے جا رہی تھی کہ سر جھٹک کر

واش روم سے نکل آئی۔ شانی سعادت مند بچوں کی

میریں آپ سے بڑا نہیں تو چھوٹا بھی نہیں ہوں گا۔
 اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے۔" وہ پھر چیخ

گئی۔
 "تپ تپلا نہ سمجھیں میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ
 آپ مجھے اپنا دوست سمجھیں بے شک آپ میری
 دوست ہیں تو یہ دوستی اور شکر میں دوستی نہیں ہوتی۔"
 "ہوئی ہوگی۔" اس نے بے نیازی کا مظاہرہ کیا پھر
 ایک دم پوچھنے لگی۔

"دیکھئے تم سے دوستی کر کے مجھے کیا ملے گا؟"

"مجھے اپنے مشورے۔" وہ رستہ بولا تھا۔

"تم تم مجھے مشورے دو گے۔" اسے پھر اپنی پروا کی
 کامیابی سنایا تھا۔

"ایک تو آپ کے ساتھ یہ بڑا مسئلہ ہے خود کو
 صرف استیجی سمجھتی ہیں خیر اس میں بھی کوئی برائی
 نہیں ہے لیکن کم از کم مجھے تو پتہ نہ سمجھیں میں آپ
 کے پاس صرف انگریزی جانتی آتا ہوں۔ ٹھیک ہے
 کل سے نہیں آؤں گا۔"

"مت آنا مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تمہارے
 ساتھ مقررہ کاری کرنے کا۔" وہ کرسی چھیل کر اٹھ کھڑی
 ہوئی۔

"خیر توں گا تو میں ضرور اور اب پڑھنے نہیں
 پڑھانے آؤں گا۔" اس کی بات پر وہ تکی پڑی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"جو بھی سمجھو۔" وہ کہہ کر تیزی سے نکل گیا اور وہ
 دانت چستی رہ گئی۔

اور اسی رات لالہ اس کے پاس آ بیٹھیں۔ خلاصا

مجھانہ سا انداز تھا اس کے کمرے کی ہر شے پر ان کی
 نظریں جاری تھیں اور ایک طرف وہی نظر انداز ہو
 رہی تھی۔

"کیا بات ہے لالہ! آپ کچھ پریشان ہیں؟" اس
 نے الجھ کر پوچھا۔

"ہاں نہیں یہاں آکر بیٹھو۔" لالہ نے اپنے
 سامنے بیٹھ کر ہاتھ مارا اس کی طرف دیکھا پھر بھی نہیں۔

"کی۔۔۔" وہ بیٹھ گئی۔

"وہ جتنا آج جو عورتیں آتی تھیں وہ شرمین کو پسند کر
 گئی ہیں" لالہ زک زک کر بولیں اور یہ بھی کوئی نئی
 بات نہیں تھی۔ جب سے شرمین اس کے برابر کی
 ہوئی تھی تب سے یہی ہو رہا تھا۔ لیکن لالہ نے اسے
 کبھی نہیں بتایا تھا۔ خود ہی منع کر دیتی اور بعد میں وہ
 یہی سنتی تھی کہ جب تک بڑی کی نہیں ہو جاتی
 چھوٹیوں کا نہیں سوچوں گی۔"

"پھر اب کیا بات ہے؟" وہ سوچنے لگی۔

"رشتہ اچھا ہے۔ اگر تم کو تو شرمین کے لیے ہاں
 بھراؤں۔" لالہ کی بے بسی پر اس کا دل رونا اٹھا۔
 بے اختیار ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"اس لیے کہ سہا حق تمہارا ہے۔"

"نہیں لالہ! یہ سب نصیب کی بات ہے۔ اگر
 میرے نصیب میں یہ سب نہیں ہے تو آپ دوسری
 بیٹیوں پر تو دروازے بند نہ کریں اگر رشتہ اچھا ہے تو
 ضرور ہاں بھرا لیں اور میں تو پہلے بھی کتنی بار آپ سے
 کہہ چکی ہوں کہ میری وجہ سے ہاتھوں کو نہ بٹھائے
 رہیں۔ شرمین کے بعد زمین کا وہ بھی تو اب بڑی ہو گئی
 ہے۔" اس نے صاف گوئی سے کہا پھر ایک دم ٹوٹ پڑی اور
 کر بولی۔

"کتنا مزہ آئے گا۔ اب ہمارے گھر میں بھی ڈھولک
 بجے گی۔ شادی کے گیت گائے جائیں گے۔ اماں اب
 تو آپ ساڑھی باندھیں گی نا۔ مجھے بڑا شوق ہے آپ کو
 ساڑھی میں دیکھنے کا۔"

"پل ہٹ۔" لالہ اس سے نظریں چرا کر اٹھ
 کھڑی ہوئیں اور ابھی دروازے تک تھیں کہ وہ پکار
 کر بولی۔

"اماں! میں خوش ہوں۔"

"میں جانتی ہوں بیٹا! اس تمام وقت میں اماں
 اب مسکرائی تھیں۔"



”سے آئی کم این۔“ تمین دن کی غیر حاضری کے بعد وہ پھر آیا تھا اس نے سر تپا اسے دیکھا پھر تیز لہجے میں پوچھنے لگی۔

”تم پڑھنے آئے ہو یا پڑھانے۔“

”پڑھنے۔“ وہ انتہائی معصومیت سے بولا۔

”سوری۔۔۔ اب میرے پاس وقت نہیں ہے۔ تم کوئی اور انتظام کر لو۔“ اس نے صاف جواب دے کر وارڈ روب کھول لی۔

”ارے واہ اور انتظام کیسے کر لوں یہ آسان تھوڑی ہے۔“ وہ اندر چلا آیا ”میں بس تم سے پڑھوں گا۔“

”تم۔۔۔ اس نے زور سے وارڈ روب کا پٹ بند کیا۔ ”تم نے مجھے تم کہا۔“

”ہاں تم ہی کہوں گا۔ آپ جناب میں بہت وقت ضائع کر لیا۔“ وہ جائے کیا سوچ کر آیا تھا۔

”لوہ میں مزید تم پر وقت ضائع نہیں کر سکتی۔ تمہاری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو فر فر انگریزی بول رہا ہوتا

تم ہو کہ ابھی تک ٹینسٹر میں گڑبڑ کر دیتے ہو کوڑھ مغز کہیں کے۔“

”میں کوڑھ مغز نہیں ہوں۔ تم نے مجھ پر توجہ نہیں دی۔ بچہ سمجھ کر جلتے رٹواتی رہیں۔“

”اچھا بابا! معاف کرو۔ میرے پاس اب واقعی وقت نہیں ہے۔ بلکہ سیدھی بات یہ ہے کہ مجھے پڑھانا ہی

نہیں آتا۔“ اس نے ہاتھ جوڑ کر معذوری ظاہر کر دی۔

”یہ کیا بات کر رہی ہو تم! انگریزی میں ماسٹر ہو وہ بھی پوزیشن ہولڈر پھر میں نے خود تمہیں فر فر انگریزی

بولتے ہوئے سنا ہے۔ واہ ایسا لگ رہا تھا جیسے منہ سے پھول پھڑپھڑ رہے ہوں ایمان سے اگر کوئی انگریز سن لے

تو فوراً اپنی غلامی لکھ دے۔“ اس کے خوشامدانہ انداز پر وہ چپ رہی۔

”تم کیا مجھے احمق بے وقوف سمجھتے ہو جو تمہاری چال بازی پر کھل اٹھوں گی۔ چلو لگو یہاں سے۔“

”پلیز پلیز سوہنی!“ وہ خوشامد پر اتر آیا کہ وہ چیخ پڑی۔

”سوہنی خردوار! جو مجھے میرے نام سے پکارتو۔“

”سوری غلطی ہو گئی میڈم نہیں بس! نہیں نیچر سوری نیچر! آئندہ سوہنی کہنے کی غلطی نہیں کروں گا۔ تم پلیز مجھ پر رحم کرو میرے کیرئیر کا سوال ہے۔ مجھے انگریزی بولنا سکھا دو بالکل اپنی طرح فر فر۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ بہت دعا میں دوں گا تمہیں۔“ وہ مسکین بن کر لہجے میں رقت بھی سمولایا تھا۔

”اچھا بس زیادہ ایکٹنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جاؤ کل سے آجانا۔“ اس نے کہہ کر پھر وارڈ روب کھول لی۔

”تھینک یو نیچر! لیکن ابھی کیوں نہیں بس آؤھا گھنٹہ۔“

”یا اللہ! تم تو پیچھے ہی پڑ گئے ہو۔ چلو بیٹھو۔“ وہ جس جھلا تے ہوئے ٹیبل پر آ بیٹھی تو اس نے فوراً اپنا رجسٹر کھول لیا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے رجسٹر کھینچ کر ایک طرف رکھ دیا پھر پوچھنے لگی۔ ”تمہیں کون

کون سی زبان آتی ہے؟“

”اردو پنجابی اور کچھ کچھ سندھی بھی بول اور سمجھ لیتا ہوں۔“ اس کے بتانے پر وہ فوراً پوچھنے لگی۔

”اور پشتو۔۔۔؟“

”نہیں پشتو بہت مشکل زبان ہے۔ اس کی تو میں ابجد سے بھی واقف نہیں ہوں۔“

”اس لیے واقف نہیں ہو کہ کسی پشتو زبان والے کے ساتھ تمہاری دوستی نہیں ہوئی اور باقی زبانیں تم

اس لیے بول اور سمجھ لیتے ہو کہ ان لوگوں کے ساتھ اکثر تمہارا اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے اور کوئی بھی زبان صرف

سیکھنے سے فر فر نہیں بولی جاسکتی۔ جب تک سننے اور بولنے کی پریکٹس نہ ہو۔“ وہ بہت سنجیدگی سے اسے سمجھا رہی تھی۔

”اسی لیے میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا اور اب پھر کہہ رہی ہوں کہ مجھ سے سیکھنے کے بجائے کسی

انسٹیٹیوٹ میں ایڈمیشن لے لو۔ وہاں دوسرے اسٹوڈنٹس کے ساتھ تمہیں بولنے کی پریکٹس ہوگی تو جلدی اس زبان پر عبور حاصل کر لو گے۔“

”سوری میں انسٹیٹیوٹ کی فیس افورڈ نہیں کر سکتا۔ میرے ابا مجھے جو خرچہ بھجواتے ہیں اس سے میرا مہینہ مشکل سے گزرتا ہے۔“ اس نے مجبوری بیان کی جو اس کے لیے ہرگز قابل قبول نہیں تھی۔

”تو تم ابا سے خرچہ منگواتے کیوں ہو خود کیوں نہیں کھاتے؟“

”میں پڑھائی کروں یا کماؤں۔ تمہیں پتا ہے جاب والا آدمی صبح کا گیارہ رات میں گھر لوٹتا ہے پھر وہ پڑھائی کیسے کر سکتا ہے؟“ اس کے پاس ہر بات کا جواب موجود تھا۔

”خیر ٹیوشن تو پڑھا ہی سکتے ہو۔“ وہ بھی ہار ماننے والی نہیں تھی۔

”کوشش کی تھی میں نے لیکن ہر ایک نے یہ کہا کہ میں لڑکوں کو اپنے گھر بلا کر پڑھاؤں اور میں تو خود کسی کے گھر میں رہتا ہوں۔ وہ لوگ تو مجھے بھی نکال باہر کریں گے پھر بولو میں کہاں جاؤں گا۔“

”جنم میں۔“ وہ جڑ کر بولی تھی۔

”توبہ کرو۔ اللہ کسی مسلمان کو جہنم کی ہوا بھی نہ لگنے دے آمین۔“ اس نے باقاعدہ منہ پر ہاتھ پھیرے۔

”اچھا اب تم جاؤ مجھے تیاری کرنی ہے۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”کہاں جا رہی ہو۔۔۔؟“ شانی نے فوراً پوچھا۔

”شرمین کی سسرال۔“ اس نے بتایا تو وہ اچھل پڑا۔

”ہائیں! یہ شرمین کا سسرال کہاں سے آگیا میرا مطلب ہے تم سے پہلے۔۔۔“

”مجھ سے پہلے کیا مطلب!“ اس نے قصداً ”انجان بن کر ٹوکا۔“

”مطلب پہلے دنیا میں تم آئی ہو۔“

”تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ پہلے مری کی بھی میں۔“ وہ اس کی بات کاٹ کر ہنسی تھی۔

”لاحول ولا کیسی خوف ناک باتیں کرنے لگتی ہو۔ میں خالہ جان سے پوچھتا ہوں۔“ وہ کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا تو اس نے فوراً ”بیٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔ پھر تیاری میں لگ گئی۔“

اماں ابا کے ساتھ وہ بھی شرمین کی ہونے والی سسرال جا رہی تھی۔ خاص طور سے لڑکا دیکھنے تو فطری طور پر وہ متجسس تو تھی ہی ساتھ اندر نہیں یہ خیال بھی تھا کہ جس کے گھر والوں نے اسے ریجیکٹ کیا ہے وہ خود کیا ہے شہزادہ گلغام یا۔

اور وہ دیکھنے میں بے حد عام سا لڑکا تھا۔ اسے تھوڑی سی مایوسی ہوئی۔ پھر باقاعدہ اس کا انٹرویو کرنے بیٹھ گئی۔

”تمہارا نام۔۔۔؟“

”عدیل۔“

”جواب کیا ہے؟“

”بینک منیجر۔“

”گڈ شرمین کو کہاں دیکھا؟“ اس سوال پر وہ قدرے سٹپٹا گیا۔

”سوری میں نے ابھی نہیں دیکھا۔“

”واقعی!“ اس نے قصداً حیرت کا مظاہرہ کیا تو وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔ پھر پوچھنے لگا۔

”آپ ان کی بڑی بہن ہیں۔“

”ہوں۔۔۔!“ وہ کیونکہ اسٹرا ہونٹوں میں دبا چکی تھی

جب ہی ہوں کی آواز نکالی۔

”آپ کی شادی ہو گئی۔۔۔؟“ اس نے سیدھے

سادے انداز میں پوچھا تھا جب ہی وہ بھی آرام سے بولی۔

”نہیں۔“

”کیوں۔۔۔؟“ وہ پوچھ کے ناام سا ہو گیا۔ ”سوری

مجھے کیوں کا سوال نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔“

”خاصے عقل مند ہو اور اس بات پر میں تمہیں

”تم ہا سٹریول تک کیسے پہنچ گئے؟“
”رہنے سے اور کچھ نقل۔“ اس کی صاف گوئی پر وہ
سنگ کر بولی۔

”تو آگے بھی اسی طرح کا اچلاؤ۔“
”نہیں چل سکتا بہت سختی ہو گئی ہے۔ سنا ہے
سارے کپڑے اتروا لیتے ہیں۔“ وہ ردائی میں بول گیا
تھا۔

”اچھا بس زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
کل سے آجانا وہ ہرگز بھی اسے اہمیت دینے کو تیار
نہیں تھی لیکن وہ اپنی جگہ بنانا چاہا گیا۔ یہاں تک کہ
گھر پلو معاملات میں بھی اماں اس سے مشورہ کرنے
لگی تھیں۔ جس پر پہلے تو وہ بہت چڑتی تھی پھر رفتہ رفتہ
عادی ہو گئی۔ ابھی بھی سارے گھر میں اس کی پکار مچی
تھی۔ خود اسے اپنے ذاتی کاموں کے لیے شانی کو پکارنا
پڑ رہا تھا۔

”شانلی شانلی سنو تو۔“ وہ اسے ہانڈ سے کھینچتے ہوئے
اپنے کمرے میں لے آئی اور بیڈ سے دوپٹہ اٹھا کر اسے
تھماتے ہوئے بولی۔
”یہ دوپٹہ پیکو کرو الاؤ۔“

”ابھی تو میں کھانے والے کے پاس جا رہا ہوں اور
وہاں کوئی پیکو ویکو نہیں ہوتا۔ ویسے بھی تم یہ کھڑنہ ہی
پہنو تو اچھا ہے۔ بالکل سوٹ نہیں کرے گا کم پر۔“

”اچھا۔۔۔!“ خلاف توقع وہ بجائے چڑنے کے
خاموشی سے دوپٹہ تہہ کرنے لگی تو وہ جاتے جاتے رک
گیا۔

”میں مذاق کر رہا تھا لاؤ۔“

”تم کیا سمجھے میں اسے لپیٹ کر کسی کوٹے میں ڈال
دوں گی۔ نہیں بغیر پیکو کے میں اسے ہی اوڑھوں گی۔
اور ساری محفل میں اگر وہ جانی رنگ نہ لایاں نہ ہو تو کہنا۔“
آخر میں اس نے جس انداز سے گردن ہلائی تھی وہ
حیران رہ گیا۔

”ایسے کیا دیکھ رہے ہو جاؤ تمہیں کھانے والے
کے پاس جانا ہے۔“ اس نے یاد دلایا تو وہ سہما کر بھاگتا

پورے ہنڈر ڈمار کس دیتی ہوں۔“ اس نے سراہ کر کہا
پھر پرس میں سے شرمین کی تصویر نکال کر اس کے
سامنے کر دی۔

”یہ شرمین ہے۔ وہ ایک نظر تصویر پر ڈال کر پھر
اسے دیکھنے لگا تھا۔

”کیا ہوا۔۔۔؟“ اسے ٹوکنا پڑا۔
”آپ سے بہت مختلف ہے۔“ اس نے کہا تو وہ
حیران ہوئی۔

”ارے تم نے ایک نظر میں کیسے موازنہ کر لیا؟“
عدیل نے جواب نہیں دیا اور اس کے ہاتھ سے تصویر
لے کر اپنی جیب میں رکھ لی تھی۔ اس کے بعد وہ بالکل
خاموش ہو گئی تھی۔

گھر میں شادی کی افراتفری شروع ہو گئی تھی اور
شانلی ہر کام میں پیش پیش تھا۔ باہر کے تو تقریباً
سارے کام اس نے اپنے ذمے لے لیے تھے۔ اماں
بھی صرف اسی پر بھروسہ کرتی تھیں۔ جانے کیا جادو کیا
تھا اس نے اماں اور ابا پر بھی کہ ان کے سارے اصول
دھرے رہ گئے تھے اور وہ علی الاعلان سارے گھر میں
دنداننا پھرتا تھا۔ کسی وقت وہ ٹوکتی تو اماں الٹا شانلی کی
طرف داری کرنے لگتیں۔

”کیوں روکتی ہونے کو بے چارے اپنے گھر سے اتنی
دور یہاں اکیلا رہتا ہے اور پھر تمہارا کیا لیتا ہے الٹا
ہمارے کام ہی کر جاتا ہے۔“

پھر ایک دن اماں نے ہی اس سے کہا تھا کہ اگر
پر دھائی میں مشکل ہوتی ہو تو سوہنی سے مدد لے لیا کرو۔
انگریزی میں ایم اے کیا ہے سوہنی نے ”فر فر انگریزی
بولتی ہے اور وہ اگلے دن سے ہی انگریزی سیکھنے آگیا
تھا۔ گو کہ ایم ایس سی کا اسٹوڈنٹ تھا لیکن انگریزی میں
کنزور۔۔۔ اب پتا نہیں واقعی ایسا تھا یا کوئی اور بات

سوہنی کو بہر حال یقین نہیں آیا۔ ہر طرح سے اس کا
امتحان لے ڈالا لیکن نتیجہ صفر آخر سر پیٹ کر بولی تھی۔

شکل بگڑ گئی ہو۔“

اس نے ہر طرح سے خود کو دیکھا اطمینان کیا لیکن پھر بھی وہ اعتماد بحال نہیں ہوا تب رگڑ رگڑ کر چہرہ دھو ڈالا۔ اس کے بعد دوبارہ شامیانے میں آئی اور خاموشی سے ایک کونے میں بیٹھ کر اسٹیج پر دلہا دلہن کو دیکھنے لگی۔ کل تک دونوں انجانے تھے۔ نکاح کے دو بولوں نے پل میں صدیوں کی آشنائی بخش دی تھی۔ عدیل سرگوشی میں کچھ کہہ رہا تھا۔ شرمین کٹمی جا رہی تھی۔ وہ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کھوسی گئی۔ معا“ اپنے چہرے پر کسی کی نظروں کی تپش محسوس کر کے وہ چونکی ضرور لیکن ادھر ادھر دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے اٹھ کر اماں کے پاس آگئی۔

”کہاں چلی گئی تھیں؟“ اماں نے اسے دیکھتے ہی پوچھا اور اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی زمین اس کے پاس بھاگ آئی۔

”آئی! چلیں نامووی بنو الیس۔“ پھر اس کا چہرہ دیکھ کر چیخی۔

”آپ نے میک آپ کیوں اتار دیا۔“

”بس الجھن ہو رہی تھی۔“ اس نے ہمیشہ والا جواب دیا۔

”آپ بھی عجیب ہیں۔ اتنی پیاری لگ رہی تھیں۔ بس اب بیٹھی رہیں یہیں کوئی ضرورت نہیں مووی بنوانے کی۔“ زمین جھجلاتے ہوئے واپس بھاگ گئی تو وہ ہنس کر اماں کو دیکھنے لگی۔

”کیوں اماں! میک آپ کے بغیر میں اچھی نہیں لگتی۔“ اماں جواب دینے کے بجائے دوسری کسی خاتون کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

وہ کچھ دیر جربز ہوتی رہی پھر اٹھ کر اسٹیج پر آگئی اور مووی کیمروں کی تیز روشنیوں کی زد میں آکر وہ پھر خود کو حسین لگنے لگی اور اس احساس نے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹوں کی کلیاں چٹخادی تھیں۔



شرمین رخصت ہوئی تو سارا ماحول سونا ہوا گیا تھا۔

اور وہ ہنستے ہوئے تیاری میں لگ گئی۔

اسے اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ پھر بھی جانے کیوں کبھی کبھی یوں لگتا جیسے اس ساری کائنات میں وہ واحد حسین لڑکی ہے اور کبھی اس کے بالکل برعکس ہوتا کہ وہ خود کو انتہائی بد صورت لگتی۔ لیکن اس وقت اتفاق سے حسین ہونے کا احساس تھا جب ہی مہمانوں کے درمیان بہت پر اعتماد تھی اور اس وقت تو اس نے ذرا سی گردن بھی اکڑائی تھی جب کسی کو یہ کہتے سنا تھا کہ ”یہ دلہن کی بڑی بہن ہے۔ اس کے ساتھ کیوں نہیں کی۔“

”ہاں یہ زیادہ خوب صورت ہے ناں اس نے خود ریجیکٹ کر دیا ہو گا۔“

”کاش کبھی ایسا ہو۔“ وہ سوچتے ہوئے آگے بڑھی تھی کہ شانی سامنے آگیا اور سرگوشی میں بولا۔

”خدا کے لیے کسی کونے میں بیٹھ جاؤ ادھر سب لوگ پوچھ رہے ہیں یہ کالی سی لڑکی کون ہے۔“

”اچھا۔۔۔ وہ بجائے برامانے کے ہنس پڑی۔“

”تم مذاق سمجھ رہی ہو۔“ وہ جھنجھلایا۔

”نہیں یقیناً“ تم ٹھیک کہہ رہے ہو گے لیکن مجھے اس کی پروا نہیں اور تم بھی پروا مت کرو۔ ویسے بھی وہ تمہیں تو کچھ نہیں کہہ رہے۔“

”مجھے کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔“ شانی نے اپنا کالر چھو کر اپنی ہینڈ سم پر سناٹی کو جتایا تو یکدم اسے اپنی کم صورتی کا احساس ہوا۔ بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھونے لگی۔

”کیا ہوا کچھ گر گیا ہے کیا آئی مین جیولری۔“ شانی نے یہی سمجھ کر پوچھا۔

”ہاں شاید۔“ وہ کہہ کر تیزی سے پٹی اور شامیانے سے نکل کر بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔

چند لمحے رُک کر سانسیں ہموار کیں پھر آئینے کے سامنے اکھڑی ہوئی۔

”کیا ہوا ہے مجھے۔ سب کچھ ویسا ہی تو ہے۔ نہ بال خراب ہوئے نہ میک آپ پھر ایسا کیوں لگا جیسے میری

اماں زمین کے ساتھ اندر جا رہی تھیں۔ ابا گیت پر شانی کے ساتھ کھڑے اسے کچھ ہدایات دے رہے تھے اور وہ شامیانے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ بالکل خالی الذہن۔ کوئی سوچ نہیں تھی پھر جانے کیا شے احساسات کو نرمی سے چھو کر اس کے دل کو عجب انداز سے دھڑکا گئی تھی کہ وہ چونک کر اُدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ نصف شب کے بعد کی سرسراہٹ ہو جا بجا بکھری گلاب کی پتیوں سے انھکیلیاں کرتی پھر رہی تھی۔ وہ پورا دھیان لگا کر پتیوں کی سرگوشیاں سننے کی کوشش کرنے لگی تب ہی شانی اس کے سر پر آن کھڑا ہوا۔

”تم یہاں کیوں بیٹھی ہو۔۔۔؟“

”تمہیں کوئی اعتراض ہے؟“ وہ سر اونچا کر کے اسے دیکھنے لگی۔

”توبہ کرو میں کون ہوتا ہوں اعتراض کرنے والا۔ وہ ابا پوچھ رہے ہیں۔“

”ابا!“ اس نے گردن موڑ کر گیت کی طرف دیکھا ابا اندر جا رہے تھے پھر اسے دیکھ کر بولی۔ ”جاؤ کہہ دو ابا سے میرا ابھی یہاں سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا۔“

”تو مت اٹھو میں بھی یہیں بیٹھ جاتا ہوں پھرے کو۔“

آخری دو لفظ اس نے بیٹھتے ہوئے دھیرے سے کہے تھے پھر بھی اس نے سن لیے لیکن قصداً ”ان سنی کر گئی کیونکہ اس وقت خاموشی اور سناٹے میں ہوا کی سرسراہٹیں اچھی لگ رہی تھیں۔ بڑا خواب ناک ماحول تھا ننھے ننھوں کا رنگین عکس اس کے چہرے اور کپڑوں پر جھلما رہا تھا۔ وہ کرسی کی بیک پر بازو رکھ کر اس پہ ٹھوڑی نکائے بیٹھی تھی۔ شانی اس پر سے نظریں ہٹانے کی سعی میں ناکام ہو رہا تھا۔ جبکہ وہ اس کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کیے اچانک جانے کس احساس میں گھر کر گنگنانے لگی۔

اے دل ناداں!

جستجو کیا ہے آرزو کیا ہے

اے دل ناداں

یہ زمین چپ ہے

آسماں چپ ہے
پھر یہ دھڑکن سی
چمار سو کیا ہے
اے دل ناداں!
اے دل ناداں!

شانی مبہوت ہو گیا تھا وہ اے دل ناداں کی تکرار کرتے کرتے خاموش ہو گئی پھر بھی سماعتیں کچھ اور سننے سے قاصر تھیں۔ غالباً ”فضائے اس کی لے چرا کر ہواؤں میں بکھیر دی تھی۔“

”سوہنی!“ کتنی دیر بعد شانی نے بہت احتیاط سے اسے پکارا تو وہ بنا حرکت کیے نظروں کا زاویہ بدل کر اسے دیکھنے لگی۔

”کیا سوچ رہی ہو۔۔۔؟“

”کچھ نہیں۔“

”ایک بات پوچھوں۔۔۔؟“

”ہوں۔۔۔!“ دونوں طرف حد درجہ احتیاط کہ بات بھی ہو اور خاموشی بھی نہ ٹوٹے۔

”کیا تمہیں یہ احساس ہو رہا ہے کہ شرمین سے پہلے تمہاری شادی ہونی چاہیے تھی؟“

”نہیں۔“ اس کے ایک لفظ نہیں میں یقین نہیں تھا جب ہی وہ الجھ گیا۔

”کیوں نہیں میرا مطلب ہے ہونا تو چاہیے۔ یہ ایک فطری بات ہے۔“

”ہاں ہے تو فطری بات لیکن مجھے کچھ محسوس نہیں ہو رہا۔“

”پھر اس وقت تم کیا محسوس کر رہی ہو؟ مجھے لگ رہا ہے کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس نے تمہارے احساسات کو چھو کر تمہیں اپنی گرفت میں لے لیا ہے

اور تم اس گرفت سے آزاد نہیں ہونا چاہ رہیں۔“ شانی نے پوچھ کر اپنا خیال بھی ظاہر کیا تو وہ ہلکے سے مسکرائی۔

پھر اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

”ہاں شانی! ایسا ہی ہے۔ میں جب یہاں بیٹھی تھی جب وہاں کھڑی تھی اور جب اسٹیج پر تیز روشنیوں کی زد میں تھی تو کوئی مسلسل مجھے اپنی نظروں کے حصار

میں لیے ہوئے تھا۔

”کون...؟“ شانی کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔

”بتا نہیں۔“ میں نے اسے دیکھنے اسے کھونچنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید میں اس حصار سے نکلنا نہیں چاہتی تھی اور شاید میں اس کا طلسم بھی نہیں توڑنا چاہتی تھی۔ وہ کھو گئی تھی اچانک شانی کے ہنسنے پر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”کیا ہوا...؟“

”بس اب تم بھی اپنا بوریا بستر سمیٹ لو بلکہ میں ابا سے کہتا ہوں یہ شامیہ لگے رہنے دیں ہو سکتا ہے کل پرسوں تمہاری بارات آجائے۔“ شانی نے چھیڑا تو اس نے بس نفی میں سر ہلا دیا۔ بولی کچھ نہیں پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”جاری ہو؟“ شانی نے فوراً پوچھا۔

”ہاں۔ اس سے پہلے کہ خوب صورتیاں ماند پڑ جائیں۔“ اس نے چند ثانیے رک کر اپنی بات کو سوچا پھر پوچھنے لگی۔ ”خوب صورتیاں ہمیشہ کیوں نہیں رہتیں؟“

”رہ سکتی ہیں۔“ شانی نے یونہی کہہ دیا تھا۔

”کیسے...؟“ وہ جاننے کو بے تاب ہوئی۔

”یہ راز اگر میں جان گیا تو پہلے خود اس پر عمل کروں گا پھر تمہیں بھی بتا دوں گا۔“ شانی کہہ کر خود ہی ہنسا تو وہ سر جھٹک کر اندر چلی گئی۔



شرمین کی شادی کو ابھی ایک ہفتہ ہی ہوا تھا کہ اس کی سسرال کے جاننے والوں میں سے اس کے لیے پرنسپل آگیا۔ شرمین نے فون پر اماں کو اطلاع دی تھی کہ عدیل کے کوئی جاننے والے سوہنی کے لیے آنا چاہتے ہیں اور جب اماں اسے بتا رہی تھیں تو ایک طویل عرصے بعد اس کا دل بے قابو ہوا تھا۔ کیونکہ ابھی تک وہ انجانی نظروں کے حصار سے نکلی نہیں تھی اور پہلا خیال ہی آیا تھا کہ یہ وہی ہو سکتا ہے۔ جو دل کو چھو کر اب گھر تک آ رہا ہے اور اس کے لیے تیاری میں

خاص اہتمام کی اس نے ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ اس کے خیال میں پسند تو وہ پہلے ہی کی جا چکی تھی۔ اس لیے شام میں اپنے سادہ سے انداز میں وہ چائے کی ٹرے لیے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو اسے دیکھتے ہی ایک خاتون اماں سے پوچھنے لگیں۔

”یہ کون ہے؟“

”سوہنی میری بیٹی! اماں نے انہیں بتایا تھا لیکن اسے لگا جیسے اماں اسے تسلی دے رہی ہوں۔“ سوہنی! میری بیٹی تو دل چھوٹا نہ کر۔“

”میرے خدا...!“ وہ ایک بل وہاں نہیں ٹھہر سکی۔

ٹرے ٹیبل پر رکھی اور پلٹ کر تیز قدموں سے اپنے کمرے میں آئی تو اس کی آنکھیں دھندلا رہی تھیں اور ایسا بھی ایک طویل عرصے بعد ہو رہا تھا ورنہ تو وہ ان باتوں کی عادی ہو چکی تھی۔ احساسات کو نئی زندگی دے کر پھر انہیں مجروح کرنے والا جانے کون تھا اور وہ جو کوئی بھی تھا اس نے اچھا نہیں کیا تھا۔ وہ ٹوٹے کلچر سمیٹتے ہوئے اندر سے لہو لہو ہو رہی تھی۔ شفاف آنکھوں نے بھی سرخ لبہ اوڑھ لیا تھا۔

”مے آئی کم این۔“ دروازے میں شانی نمودار ہوا تو اس نے آواز کی سمت دیکھا ضرور لیکن وہ اسے نظر نہیں آیا تھا۔

”ارے...!“ شانی فوراً اندر چلا آیا۔ ”کیا ہوا تمہیں رو رہی ہو کیا۔ تمہاری آنکھیں... دیکھو اب یہ مت کہہ دینا کہ بہت زیادہ خوشی ملنے سے بھی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ یہ خوشی ملنے کی سرخی نہیں ہے۔ میں پہچاننے لگا ہوں خوشی ملنے کی سرخی میں قوس قزح چھلکنے لگتی ہے اور اور...“

”بس چپ ہو جاؤ۔“ وہ اچانک چیخ پڑی۔ ”میں خوشی مناؤں یا ماتم کروں تمہیں کیا۔ تم اپنی حد میں رہا کرو۔“

”حد“ اگر تم مجھے میری حد بتا دو تو...؟“ وہ ہاتھ باندھ کر بولا جس سے سلگ کر وہ رخ موڑ کر کہنے لگی۔ ”اماں نے تمہیں بہت ڈھیل دے رکھی ہے۔ تم ان ہی کے آگے پیچھے پھرا کرو اور آئندہ میرے کمرے

میں مت آنا۔ اب تم جاسکتے ہو۔“

”اور وہ میری انگریزی۔“ اس نے ڈرتے ڈرتے

پوچھا۔

”بھاڑ میں گئی انگریزی ناؤ گیٹ لاسٹ۔“ وہ زور سے چیخی تو وہ کان پکڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

پھر اگلے دو دن وہ اپنے کمرے تک محدود رہی اماں کیونکہ خود ہی اس کے معاملے میں بے بس تھیں اس لیے اس کا سامنا کرنے سے کترائی تھیں۔ گوکہ وہ کسی کو الزام نہیں دیتی تھی لیکن اس کا بھابھا چہرہ اماں سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔ جب وہ خود ہی نارمل ہو کر سامنے آجاتی تب اسے گلے بھی لگاتی تھیں اور اگر میں زمین بھی گئی لیکن وہ اپنی پڑھائی میں مگن رہتی گریوں بھی سب سے چھوٹی تھی۔ اس لیے اس کے سامنے کوئی معاملہ کھولا ہی نہیں جاتا تھا۔ بہر حال اس وقت فون کی بیل اسے بہت ڈسٹرب کر رہی تھی۔ زمین اور اماں جانے کہاں تھیں جو انہیں بیل سنائی نہیں دے رہی تھی۔ جبکہ دوسری طرف کوئی مستقل مزاج تھا یا بالکل فارغ۔ بالآخر اسے ہی اٹھنا پڑا خالصے جارحانہ انداز میں ریسور اٹھا کر اسے ہی قہجے میں پہلو کہا تو دوسری طرف سے اس کے بالکل برعکس شرے ہوئے گھمبیر لہجے میں کہا گیا۔

”السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام۔“ جواب دیتے ہوئے وہ سوچ اور

کھوج میں پڑ گئی۔

”آپ سوہنی ہیں۔۔۔؟“ ادھر سے پوچھا گیا۔

”جی آپ کون۔۔۔؟“ وہ الجھنے لگی۔

”آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تو میں خود کو بھول گیا

ہوں۔ ویسے خاکسار کو یزدانی کہتے ہیں اور میں نے عدیل کی شادی میں آپ کو دیکھا تھا۔ دھانی آپل میں آپ دھنک کے سارے رنگوں کو مات دیتی لگ رہی تھیں۔“

اس کا شرابو انداز اس کے اندر ہانچل مچانے لگا تھا کہ یک لخت اسے دو دن پہلے کا پروزل یاد آگیا۔ چیخ کر بولی۔

”اب آپ کیا چاہتے ہیں۔۔۔؟“

”اب۔۔۔!“ وہ حیران ہوا ”کیا اس سے پہلے بھی میں نے کچھ چاہا ہے؟“

”اتنی جلدی بھول گئے۔ ابھی دو دن پہلے تو آپ کے گھر سے دو خواتین آئی تھیں۔“ اس کے یاد دلانے پر وہ مزید حیران ہوا۔

”میرے گھر سے سوری میں نے تو ابھی اپنے گھر میں آپ کا ذکر ہی نہیں کیا۔ کیونکہ میں پہلے خود آپ کو کھوجنا چاہتا تھا اور آج بڑی مشکل سے آپ کا نمبر حاصل کر پایا ہوں۔“

”پھر۔۔۔“ وہ اب اپنی جلد بازی پر خفیف ہوئی تھی۔

”پھر یہ کہ اب آپ کہیں تو میں اپنے گھر والوں کو بھیج دوں۔“ اس نے کہا تو وہ جربز ہو کر بولی۔

”جی نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔“

”کیوں آپ کہیں انگیج ہیں؟“ اس نے فوراً

پوچھا۔

”میں انگیج ہوں یا نہیں۔ آپ کو بہر حال میں منع کر رہی ہوں۔“ وہ تلخ تجربے کے زیر اثر تھی۔

”کوئی وجہ بھی تو ہو۔۔۔“

”میں آپ کو بتانا ضروری نہیں سمجھتی خدا حافظ۔“

وہ فون رکھتے ہی پشیمانی میں گھر گئی تھی۔

”یہ میں نے کیا کیا؟“ یہ تو وہی تھا جس کی نظروں

کے حصار میں میں نے خود کو بے پناہ حسین محسوس کیا

تھا اور صرف محسوس کرنے کی بات نہیں تھی۔ میں سچ جج

اس وقت کائنات کی سب سے حسین لڑکی تھی۔

جس کے دھانی آنچل پر دھنک کے سارے رنگ نثار

ہو رہے تھے۔

”اب کیا کروں؟“ وہ جھنجھلائی پھر سی ایل آئی پر

نمبر دیکھ کر فوراً اپنے موبائل میں سیف کرنے بھاگی

تھی۔



اس نے یزدانی کا نمبر محفوظ تو کر لیا تھا لیکن خود سے

اسے فون کرنے میں اپنی پوزیشن اکورڈ ہونے کے

وہ ایک دم اکڑ گیا۔

”اب میرے پاس فرصت کہاں، میرے امتحان ہونے والے ہیں۔“

”اچھا جاؤ امتحانوں کے بعد آنا۔“ وہ اسے دھکیل کر کچن میں آگئی اور چائے کا پانی رکھ کر کیبنٹ سے نمکو بسکٹ وغیرہ نکال رہی تھی کہ شرمین وہیں آگئی۔

”کیا کر رہی ہو؟“

”ابھی تو چائے پھر کھانے کی تیاری کروں گی۔“ وہ پلیٹ میں نمکو ڈالتے ہوئے بولی۔

”ہمارے لیے اہتمام نہ کرنا۔ ہم ابھی چلے جائیں گے۔“ شرمین نے کہا تو وہ ہاتھ روک کر کہنے لگی۔

”یہ کیا بات ہوئی۔ مہمانوں کی طرح گھنٹے بھر کے لیے آئی ہو، آج تو میں تمہیں جانے ہی نہیں دوں گی۔ یہیں رہنا دو چار دن۔“

”ارے نہیں میں رہ نہیں سکتی۔“ شرمین فوراً بولی تھی۔

”کیوں۔۔۔؟“

”بس وہ عدیل۔۔۔ میرا مطلب ہے وہ میرے بغیر نہیں رہتے۔“ شرمین اگر یہ بات شرما کر کہتی تو وہ محفوظ ہوئی لیکن اس کے گھبرائے انداز پر ٹھٹکی تھی۔

”پہلے بھی تو وہ تمہارے بغیر رہتا تھا۔ میں بات کرتی ہوں اس سے۔“ وہ کہہ کر جانے لگی کہ شرمین نے اس کا بازو تھام لیا۔

”نہیں سوہنی تم اس سے بات نہ کرو۔“

”تو پھر تم بتاؤ اصل بات کیا ہے؟“ وہ جانے پر مصر ہو گئی تو شرمین نظریں چرا کر کہنے لگی۔

”عدیل کو شانی کا یہاں آنا جانا پسند نہیں ہے۔ کہتے ہیں تمہارے گھر کا ماحول اچھا نہیں ہے۔ جس کا دل چاہتا ہے منہ اٹھائے چلا آتا ہے۔ اس لیے وہ مجھے یہاں زیادہ دیر رکھنے نہیں دیتے۔“

”ہا۔۔۔!“ اس نے گہری سانس کھینچی۔ ”تو یہ ذہنیت ہے عدیل کی تمہارا شوہر نہ ہوتا تو ابھی منہ توڑ دیتی۔ چہ چہ اب تو بندہ اس کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتا۔ خیر تم اس بات کو زیادہ محسوس مت کرو، آہستہ آہستہ

خیال سے وہ روزانہ اس کا نمبر دیکھ کر رہ جاتی جو کہ اسے ازبر ہو چکا تھا اور اس کے فون کی شدت سے منتظر تھی پتا نہیں وہ اس کے جواب سے بالکل مایوس ہو گیا تھا یا اس کا صبر آزما رہا تھا کہ ایک ہفتہ گزرنے کے بعد بھی دوبارہ فون نہیں کیا تھا۔ جبکہ اس کے کان فون کی بیل پر ہی لگے رہتے تھے۔ ابھی بھی اس نے بیل سن کر اپنے کمرے سے دوڑ لگائی تھی کہ ادھر سے آتے شانی سے بری طرح ٹکرا گئی۔ فوراً پیچھے ہٹ کر اسے بے نقط سنانا چاہتی تھی لیکن شرمین اور عدیل کو آتے دیکھ کر فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ فون اٹھائے شانی کو ڈانٹے یا بہن بہنوئی کے استقبال کو بڑھے۔ انتہائی بوکھلاہٹ میں باری باری تینوں کو دیکھ رہی تھی۔ تب شرمین خود ہی آکر اس کے گلے لگ گئی۔

”کیسی ہو بڑے دنوں بعد آئیں۔“ اس نے شکوہ کیا اور جواب کا انتظار کیے بغیر عدیل کی طرف متوجہ ہو کر اسے سلام کیا تو جواب میں اس نے صرف سر ہلایا جو اسے بہت ناگوار گزرا۔

”اماں کہاں ہیں؟“ شرمین نے اس کے تیور بھانپ کر فوراً اپنی طرف متوجہ کر لیا کہ کہیں وہ عدیل کو ٹوکنے نہ کھڑی ہو جائے۔

”اندر میں چلی جاؤں۔“ وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آگئی اور وہیں سے شانی کو پکارا تو وہ دروازے سے جھانک کر پوچھنے لگا۔

”کیا بات ہے؟“

”اندر آؤ وہاں سے کیا جھانک رہے ہو۔“ اس نے تیوری چڑھا کر کہا۔

”سوری! اس دن تم نے اپنے کمرے میں آنے سے منع کیا تھا۔“

”میں نے منع کیا تھا نا اور میں ہی بلا رہی ہوں فوراً“ او۔۔۔ اس نے مزید غصہ دکھایا تو وہ خائف ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اندر آگیا۔

”مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے۔ لیکن ابھی تو شرمین آگئی ہے کل فرصت سے آنا۔“ اس نے کہا تو

”جیسے آپ کہیں گی ویسے آپ کو انتظار تھا۔ آئی
میں میرے فون کا اس کا خوب صورت لہجہ ہرگز بھی
جھٹلایا نہیں جاسکتا تھا اور سچ بول کر وہ خود کو ہلکا بھی
نہیں کرنا چاہتی تھی۔“

”تھا بھی اور نہیں بھی۔“

”ارے یہ کیا بات ہوئی۔“ وہ ذرا سا ہنسا تھا۔

”آپ جو بھی سمجھیں۔“

”چلیں پھر میں سمجھنے کے بعد فون کروں گا۔ ایک
منٹ اگر آپ کا سیل نمبر ہو تو۔۔۔“

”جی۔۔۔!“ اس نے اپنا سیل نمبر لکھوا کر فون رکھ
دیا اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر اندر سے پھوٹنے والی
کھلکھلاہٹیں روکتے ہوئے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔



اس نے شانی کو ہم راز بنانے کا سوچ کر اسے بلایا تھا
اور جب وہ سامنے آکھڑا ہوا تو پھر شش و پنج میں پڑ گئی۔
کبھی اسے دیکھتی کبھی خود سے الجھنے لگتی۔

”تمہیں پریشانی کیا ہے؟“ آخر شانی نے ٹوک دیا۔
”وہی تو بتانا چاہتی ہوں لیکن۔۔۔“

”لیکن لیکن چھوڑو بس بتا ڈالو۔ اگر رازداری کی
بات ہے تب بھی پہلے وعدہ کر لیتا ہوں کہ کسی سے
نہیں کہوں گا۔“ وہ کہتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا پھر
اس پر نظریں جما کر بولا۔ ”چلو شروع ہو جاؤ۔“

”کیا شروع ہو جاؤں کوئی لمبی چوڑی داستان نہیں
ہے۔ بس اتنی سی بات ہے کہ یزدانی کا فون آیا تھا۔“ وہ
اسی کے انداز میں جلدی جلدی بول کر آخر میں نچلا
ہونٹ دانتوں میں دبا گئی۔ جبکہ وہ اچھل پڑا تھا۔

”ہیں۔۔۔ یہ یزدانی کون ہے؟“

”وہی نا۔۔۔!“ وہ آواز دبا کر کہنے لگی۔ ”وہ جو شرمین
کی شادی میں میں نے تمہیں بتایا تھا کہ مسلسل مجھے
دیکھ رہا تھا۔“

”لیکن تم نے تو اسے نہیں دیکھا تھا۔“ شانی نے
فورا ”یاد دلایا۔“

ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ پھر اسے تسلی بھی دینے لگی۔

”ہاں میں بھی اسی لیے یہاں آنے پر زیادہ اصرار
نہیں کرتی لیکن دیکھو تم اماں سے کچھ مت کہنا خواہ مخواہ
پریشان ہوں گی۔“

”ابھی تو تم پریشان ہو رہی ہو۔ چلو یہ چائے لے
جاؤ۔“ اس نے ٹرے اٹھا کر شرمین کو تھام دی۔

”کیوں تم نہیں آرہیں؟“

”مجھے یہیں رہنے دو ورنہ عدیل کے سامنے میرے
منہ سے کچھ نکل گیا تو تمہیں مشکل ہوگی۔“ اس کی
بات سنتے ہی شرمین فوراً ”کچن سے نکل گئی تب وہ اس
پر کڑھنے لگی تھی اور پھر اس کے جانے کے بعد ہی کچن
سے نکل کر آئی تو اماں اس پر بگڑ گئیں۔“

”یہ کیا طریقہ ہے؟ آکر بہن بہنوئی کے پاس نہیں
بیٹھ سکتی تھیں کیا سوچے گا عدیل کہ اس کا دو گھڑی کا آنا
تمہیں اچھا نہیں لگتا۔ گھر جا کر شرمین پر تو ضرور
جتائے گا۔“

اس نے ساری باتیں خاموشی سے سن لیں۔ ایک
لفظ نہیں بولی تب اماں بڑبڑاتے ہوئے اندر چلی گئیں۔
”یہ مائیں بھی کسی بے ایمان دکاندار کے ترازو کی
طرح ہوتی ہیں۔ دونوں پلڑے برابر نہیں رہتے کبھی
ادھر جھکاؤ تو کبھی ادھر۔“ آزدگی سے سوچتے ہوئے
اپنے کمرے میں آئی تھی کہ فون کی بیل پر فوراً ”واپس
پلٹ کر ریسیور الٹالیا۔“

”ہیلو۔۔۔!“

”السلام علیکم! یزدانی تھا۔“

”آپ۔۔۔!“ دھڑکنوں کے شور سے پریشان ہو کر وہ

اس قدر کہہ سکی۔

”سوری میں نے بہت روکا خود کو لیکن میں رہ نہ سکا۔
آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا؟“ وہ طریقے سے پوچھ رہا

تھا۔

”نہیں۔“ وہ بے اختیار ہو گئی تھی۔

”تھینک یو اس کا مطلب ہے میں آپ کو فون کر

سکتا ہوں۔“

”ہاں لیکن روزانہ نہیں۔“ وہ سنبھل کر بولی تھی۔

جھنجھلائی۔
 ”پھر تمہیں کیسے پتا چلا کہ اسی کا فون تھا؟“
 ”اس کی باتوں سے اور خود اس نے اعتراف بھی کیا ہے کہ عدیل کی شادی میں وہ سارا وقت مجھے دیکھتا رہا تھا۔“

”کیوں اسے اور کوئی کام نہیں تھا۔“ وہ جس قدر معصومیت سے بولا وہ اسی قدر سلگ گئی تھی۔
 ”دیکھو اگر تم مذاق کے موڈ میں ہو تو فوراً“ چلے جاؤ ورنہ میں تمہاری ہڈی پسلی ایک کر دوں گی۔“
 ”نہیں میں بہت سنجیدہ ہوں۔“ وہ ایک دم سیدھا ہو گیا۔ ”اور یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اب تم کیا چاہتی ہو؟“

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس کے ساتھ کیا ہی ہو کروں۔ پہلی بار اس کا فون آیا تو میں تلخ ہو گئی تھی جس پر بعد میں کچھتاوا ہوا جب ہی دوسری بار۔۔۔“ وہ خاموش ہو گئی۔

”کھل اٹھی ہو گی اور اپنے گزشتہ رویے کی معافی مانگ کر اسے مزید پیش رفت پر اکسایا ہو گا۔“ شانی نے بظاہر سنجیدگی سے اس کی بات پوری کی تو وہ جزبز ہو کر بولی۔

”نہیں خیر معافی تو نہیں مانگی تھی۔“
 ”اچھا چلو اس بات کو چھوڑو اور یہ بتاؤ وہ تمہیں کیسا لگا؟“

”میں نے اسے دیکھا کہاں ہے۔“
 ”میں دیکھنے کے حوالے سے نہیں بات چیت کے حوالے سے پوچھ رہا ہوں چھچھورا تو نہیں ہے۔“ شانی کی وضاحت پر وہ لکھت اس گبھیر لہجے کے سحر میں کھو گئی۔

”نہیں شانی! آواز سے لہجے سے باتوں سے وہ بہت سلجھا ہوا لگتا ہے۔ اور پرہیزگار بھی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ مجھے دیکھ چکا ہے۔“

”یعنی اس کی طرف سے رنجیکٹ ہونے کا خوف نہیں رہا۔“ شانی نے اس کی آخری بات کو معنی

پہنائے پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔ ”نہیں کوئی ضرورت نہیں کسی ایسے شخص سے رہنا بڑھانے کی جسے تم نے دیکھا نہیں جانتیں نہیں پتا نہیں کون ہے کیسا ہے تمہارے قابل ہے بھی کہ نہیں۔“
 ”تو میں کس قابل ہوں؟“ وہ روٹھے لہجے میں بولی۔
 ”کیوں کیا کمی ہے تم میں اول تو تمہاری صورت شکل کوئی ایسی گنی گزری نہیں ہے اور اگر ہوئی تب بھی اس میں تمہارا قصور نہ ہوتا کیونکہ صورت شکل اللہ کی دین ہے۔ انسان کی اصل خوب صورتی اس کے اندر ہوتی ہے۔ آئینہ دیکھنے کے بجائے اپنے اندر بھاگنا کرو۔ اگر تمہارے دل کا آئینہ شفاف ہے تو باہر کچھ لو کہ تم دنیا کی سب سے خوب صورت لڑکی ہو۔“ شانی نے اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا پھر بھی وہ مایوسی سے بولی۔
 ”میرے کھنسنے سے کیا ہوتا ہے۔“

”ساری بات ہی خود کو سمجھنے کی ہے اور تم نے خود کو غیر اہم جان کر اپنے آپ کو اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ جو ایر غیر انتھو خیرا تمہارا ہاتھ مانگے گا تم غوثی تیار ہو جاؤ گی چہ چہ ایسا تو جاہل گنوار لڑکیاں نہیں سوچتیں وہ بھی راجے مہاراجاؤں کے خواب دیکھتی ہیں اور تم ایم اے پاس کیا تمہارا کوئی خواب نہیں کوئی آئیڈیل نہیں۔“

”نہیں کیونکہ میں بہت کم عمری سے رنجیکٹ ہونے لگی تھی۔ پتا ہے جب میں ساتویں کلاس میں پڑھتی تھی تب میں نے تائی جی کو کسی سے یہ کہتے سنا تھا کہ سوہنی تو واجبی شکل و صورت کی ہے البتہ شرین بڑی ہو کر بہت خوب صورت نکلتی گی اور اسے میں اپنی ہو بناؤں گی۔ پھر بڑی چھوٹی خالہ بھی شرین پر ہی مہربان رہیں۔ مجھے تو کسی نے کچھ سمجھا ہی نہیں۔ اس لیے میں خود اپنے نظروں میں بھی غیر اہم ہوتی گئی اور پھر خواب سجاتی تھی تو کس کے، کبھی کسی نے ایجانے میں بھی کوئی دل کو چھو لینے والی بات نہیں کہی تھی اور اب اچانک ایک شخص آیا ہے تو تم۔۔۔“

وہ سر جھکا کر بول رہی تھی۔ پلکیں اٹھا کر شاکی نظروں سے شانی کو دیکھا تو وہ گڑبڑا گیا۔

”کہ پتا نہیں آپ میرا فون ایٹنڈ کریں گی یا نہیں؟“
اس کے خدشے پر وہ بے ساختہ مسکرائی۔
”چلیں میں آپ کا یہ ڈرور کر دیتی ہوں یعنی پہلے
میں آپ کو مرس نیل دے کر آپ کے یقین پر مہر ثبت
کر دوں گی کہ میں آپ کے فون کا انتظار کر رہی ہوں۔“

”یہ ٹھیک ہے۔“ وہ خوش ہو گیا۔ ”اور ہاں اس
مخصوص وقت کے علاوہ بھی آپ جب چاہیں مجھے نیل
دے سکتی ہیں۔“

”ہاں رات بہت دیر تک مجھے نیند نہیں آئی تو میں
بہی سوچتی رہی کہ آپ کو فون کریوں۔“ اس نے
اعتراف کر لیا کہ وہ بھی یہی چاہ رہی تھی۔
”تو کرتیں نا میں خود آج کل نیند کو ترس رہا ہوں اور
ایک بات کہوں۔“

”کہیے۔“
”میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ پلیز انکار مت کیجیے
گا۔“ اس نے کہہ کر منت بھی کی۔

”انکار تو نہیں کر رہی لیکن سوچ کر بتاؤں گی۔“ وہ
ابھی بھی سوچ کر بولی تھی۔
”اچھی بات ہے۔۔۔“

”خدا حافظ۔۔۔!“ وہ سیل دراز میں رکھ کر پٹی تو
دروازے میں شرمین کو دیکھ کر یونہی مسکرا دی۔
”کس سے بات کر رہی تھیں؟“ شرمین نے اندر
آتے ہوئے پوچھا۔

”ایک دوست ہے تم کب آئیں؟“ اس نے
سرسری انداز اختیار کیا۔

”کچھ دیر ہوئی اماں کے پاس بیٹھی تھی۔ عدیل بھی
وہیں ہیں چلو اماں تمہیں بلارہی ہیں۔“

”ہاں چلو کچھلی بار اماں ڈانٹ رہی تھیں کہ میں
بہن بہنوئی کے پاس کیوں نہیں بیٹھی ویسے آج تم
لوگ اس وقت کیسے آگئے میرا مطلب ہے ابھی وہی
بھی نہیں ڈھلی۔“ وہ چلتے چلتے رک کر پوچھنے لگی۔

”وہ عدیل اتفاق سے وہی کے کھانے پر گھر آگئے
تھے۔ پھر واپس جانے لگے تو میں نے کہا مجھے اماں کے

”سوری میرا مقصد تمہیں اس شخص سے بدظن
کرنا نہیں ہے۔ میں تمہیں صرف یہ سمجھانا چاہ رہا
ہوں کہ پہلے تم اس کے بارے میں معلوم کرو۔ وہ کون
ہے کیا کرتا ہے اور کہیں صرف وقت گزاری کے لیے
تو تمہیں فون نہیں کر رہا جیسا کہ آج کل فارغ لوگوں کا
مشغلہ ہے۔ میری بات سمجھ رہی ہونا۔“

اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بے اختیار اس کے سینے
سے گہری سانس خارج ہوئی تھی۔

”یابوسی کی آپیں بھرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
مجھے یقین ہے تمہارے لیے ایک شہزادہ آئے گا۔ اونچا
لبا، ہینڈ سم، بالکل میرے جیسا۔“ وہ پھر اپنے مخصوص
موڈ میں آگیا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔

”اگر تمہارے جیسا ہوا تو اسے میں خود رجبیکٹ کر
دوں گی۔“

”اچھی بات ہے۔ اب مجھے اجازت دو۔ چار دن
بعد میرے امتحان شروع ہو رہے ہیں اور پلیز اس
دوران مجھے ڈسٹرب مت کرنا اوکے خدا حافظ۔“ وہ ہاتھ
ہلاتے ہوئے چلا گیا۔

”عجیب یا گل لڑکا ہے۔ ویسے کہہ تو ٹھیک رہا تھا کہ
پہلے مجھے معلوم کر لینا چاہیے یزدانی کون ہے کیا کرتا
ہے۔ کہیں فلرٹ تو نہیں۔“ وہ شالی کی قائل ہو رہی
تھی۔



اس کی زندگی میں خوب صورت موڑ آگیا تھا۔ وہی
تک کے سارے کام خوشی خوشی نمٹاتی پھر اپنا موبائل
لے کر بیٹھ جاتی ٹھیک دو بجے یزدانی کا فون آجاتا اور وہ
چھوٹے ہی پوچھتا۔

”انتظار کر رہی تھیں؟“

”ہاں۔۔۔!“ وہ اب اعتراف کرتے ہوئے
بھیکتی نہیں تھی۔

”مجھے یقین تھا پھر بھی جانے کیوں ڈر سارہتا ہے۔“
یزدانی نے کہا تو وہ فوراً ”پوچھنے لگی۔
”کیسا ڈر؟“

”کوئی حرج نہیں تم ماشاء اللہ بڑھی لکھی باشعور لڑکی ہو۔ تم سے کسی حماقت کا خدشہ نہیں ہو سکتا۔“ وہ معصومیت سے بولا اور وہ پھر بدک گئی۔

”حماقت سے تمہارا کیا مطلب ہے؟“
”مطلب و مطلب چھوڑو یہ بتاؤ کب کہاں ملنا ہے۔“ وہ فوراً اسے اصل بات پر لے آیا۔

”یہ ابھی طے نہیں ہوا بلکہ ابھی میں نے ملنے کی ہامی بھری ہی نہیں ہے۔“

”کیوں میرا مطلب ہے اب تو بازی تمہارے ہاتھ ہے۔ پسند آئے تو ٹھیک ورنہ رتبیکٹ کر کے آجاتا۔“ اس کی بات پر وہ کچھ بے دھیانی میں اسے دیکھے گئی۔

”ایسے کیوں دیکھ رہی ہو۔ میں نے کچھ غلط کہا؟“
شانی نے ٹوکا تو وہ نظریں چرا گئی۔
”نہیں۔“

”پھر کیا مسئلہ ہے؟“ وہ اس کے نظریں چرانے سے الجھا تھا۔

”وہی پرانا لیکن اب رتبیکٹ ہونے کا نہیں رتبیکٹ کرنے کا خوف ہے۔“ وہ اپنی صاف گوئی پر خود حیران تھی۔

”اس کا مطلب ہے تم نے اپنے ذہن میں اس کا خاکہ بنا لیا ہے۔“ وہ سوچ میں پڑ گیا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔ ”کیسا ہے یونانی دیوتاؤں جیسا؟“

”نہیں ایسا تو کوئی بت نہیں تراشا میں نے بس ٹھیک ٹھاک نہ بہت حسین نہ کم رو۔“ وہ کھولتے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

”نہ بہت حسین نہ کم رو یعنی مجھ جیسا۔“ شانی نے سینے پر بازو لپیٹ کر کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔ پھر دل ہی دل میں اس کی وجاہت کی معترف ہو کر اسی صاف گوئی سے بولی تھی۔

”نہیں تم سے کم۔“
”اور اگر وہ مجھ سے زیادہ یا مجھ جیسا ہو تو کیا؟“
”تو سوچنا پڑے گا۔“ وہ قصداً مسکرائی تھی۔

”خدا کے لیے شانی! ابھی تم جاؤ کل آنا۔“ وہ اسے دھکیلتے ہوئے دروازے تک لے گئی تھی اور ایسا اس نے شرمین کی وجہ سے کیا تھا۔ ورنہ وہ خود واقعی اس کی منتظر تھی۔ ایک تو اس کے آنے جانے سے گھر میں کچھ ہلچل کا احساس ہوتا تھا۔ دوسرے وہ اس کے ساتھ یزدانی کی باتیں کرنا چاہتی تھی۔ شرمین نے تو صاف جواب دے دیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں عدیل سے کچھ معلوم نہیں کر سکتی تو اب اسے شانی ہی سے مدد لینا تھی۔ جب ہی اگلے دن جب وہ آیا تو پہلے اس کے لیے چائے بنا کر لے آئی جس پر وہ فوراً ”ٹھٹھک کر بولا۔“

”کام بتاؤ۔۔۔۔۔“
”کیا کام۔۔۔۔۔“ وہ اچھلی تھی۔
”جس کے لیے پہلے چائے پلائی جا رہی ہے۔“ اس کے مشکوک انداز پر وہ اندر سے سلگ گئی۔
”سنو کسی خوش فہمی میں مت رہو میں نے خاص تمہارے لیے چائے نہیں بنائی خود پینے کا موڈ تھا تو تمہیں بھی دے دی۔“

”شکریہ نوازش مہربانی!“ اس نے چائے کا برہا سا گھونٹ بھرا۔ ”کچھ کڑوی کڑوی لگ رہی ہے۔“
”کیونکہ میں نے بنائی ہے۔“ وہ جل کر بولی۔
”پھر تو نمکین ہونی چاہیے تھی۔“ وہ مسکرایا پھر بقیہ چائے حلق میں اندیل کر پوچھنے لگا۔ ”اور کتنے رشتے آئے؟“

”اب تو ایک ہی آئے گا اور وہ آخری ہو گا۔“ وہ اب اسے چڑا کر مسکرائی تھی۔

”کون۔۔۔۔۔؟“
”یزدانی۔۔۔۔۔!“

”ارے ہاں اسے تو میں بھول ہی گیا تھا کہاں تک بات پہنچی؟“ وہ فوراً مشتاق ہو گیا۔

”وہ سیریس ہے شانی!“ وہ سارا جھگڑا بھول کر بتانے لگی۔ ”روزانہ بات ہوتی ہے اور اب تو وہ ملنے پر اصرار کر رہا ہے۔ تم بتاؤ ملنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے؟“

”یا گل ہو تم۔“ وہ جھنجھلا گیا۔ ”خواتین! وہاں کے خوف پا ل رکھے ہیں۔ بس اب جو بھی ہے، جیسا بھی ہے،“

مقدور کا لکھا سمجھ کر قبول کرو۔“

”جناب! میں دی کرنے جا رہی تھی۔ لیکن تم ہی نے مجھے میرا احساس دلایا اور اب پھر کہہ رہے ہو۔ ایرا غیر قبول کر لوں نہیں اب یہ ممکن نہیں ہے اب جو بھی آئے گا۔ اسے میں اپنے معیار پر پرکھوں گی۔ سمجھے تم۔“

”بالکل سمجھ گیا۔ جنگلی ملی؟“ وہ اسے چڑا کر بھاگا تھا۔



وہ عجیب الجھن میں تھی۔ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ آیا اسے یزدانی سے ملنا چاہیے یا نہیں جو گو کہ زیادہ اصرار نہیں کر رہا تھا لیکن اپنی محبت کا اظہار کر کے اسے بے چین کر لیتا تھا کہ نا چاہتے ہوئے بھی وہ خواب سجانے لگی تھی۔ اس وقت بھی سب سو چکے تھے ایک وہی جاگ رہی تھی۔ کتنی دیر یزدانی کے دلنشیں لہجے اور دلفریب باتوں میں کھولی رہی پھر تکیے کے پاس سے اپنا موبائل اٹھا کر سوچنے لگی۔

اس نے کہا تھا کہ وہ بھی نیند کو ترستا ہے۔ گویا اسے یاد کرتا ہے۔

اور ابھی کیا وہ بھی جاگ رہا ہو گا۔ اس نے موبائل آن کر کے پہلے ٹائم دیکھا پھر اس کا نمبر پیش کر دیا اور دھڑکتے دل سے انتظار کرنے لگی۔

کتنی دیر بعد اس کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

”کون ہے یار! صبح بات کرنا۔“ اس کے بعد وہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔ اسی کی سماعتیں سن ہو گئیں اور آنکھوں میں سجے خواب قطرہ قطرہ کناروں سے چھلک رہے تھے۔ بمشکل سیل آف کر کے تکیے کے نیچے کھسکا دیا اور اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔

ابتدائی دسمبر کی قدرے خشک رات تھی۔ لیکن اس کا اندر جل رہا تھا۔ کتنی دیر ننگے پاؤں برآمدے کے

ٹھنڈے فرش پر ادھر سے ادھر چکراتی رہی پھر وہیں تخت پوش پر لیٹ گئی تھی۔

صبح اماں نے اسے جھوڑا پھر بھی اسے آنکھیں کھولنے میں دقت ہوئی۔ ان کا ہاتھ تھام کر پوچھنے لگی۔

”کیا ہوا ہے۔؟“

”یہاں کب آسویں اور تمہیں رات میں سردی نہیں لگی۔ چلو اندر جاؤ بلکہ اب سونا کیا ہے اٹھ جاؤ صبح ہو گئی۔“ اماں نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اٹھا دیا۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اب مت اٹھائیے گا۔“ وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آکر سو گئی۔ لیکن اب بے خبری کی نیند نہیں تھی۔ جب ہی کوئی احساس کچھو کچھ لگا تھا۔ جیسے کچھ اچھا نہیں ہوا۔

اچھا ہی ہوا اس کا ذہن یک لخت بیدار ہوا تھا۔

”ہاں اچھا ہوا جو میں جان گئی ورنہ جانے کب تک بے وقوف بنتی۔ لیکن میں اسے نہیں بتاؤں گی دیکھتی ہوں کہاں تک جاتا ہے۔“

”آپی چائے!“ زمین نے آکر اس کی سوچوں کو منتشر کر دیا۔

”آج یہ مہربانی کس لیے؟“ اس نے اٹھ کر چائے کا کپ لیتے ہوئے پوچھا۔

”اماں بتا رہی ہیں رات آپ برآمدے میں سو گئی تھیں اور انہوں نے ہی آپ کے لیے چائے بھیجی ہے۔ میں تو کل لج جا رہی ہوں۔ خدا حافظ۔“ زمین اپنی بات ختم کر کے چلی بھی گئی۔

”میں برآمدے میں سو گئی تھی۔“ رات کی باتیں سوچتے ہوئے اس کے اندر پھر اٹھل پٹھل ہونے لگی۔ بڑی مشکل سے اس نے خود پر قابو پایا پھر خالی کپ اٹھا کر کمرے سے نکل آئی۔

”آپ ہٹیں اماں! ناشتا میں بنالوں گی۔“

”ایک بس تم ہی رہ گئی ہو۔“ اماں کہتے ہوئے کچن سے نکل گئیں۔

”ہاں ایک بس میں ہی رہ گئی ہوں۔“

اس نے اپنے انداز سے سوچا پھر پہلے برتن دھوئے

اس کے بعد سلاٹس گرم کر کے چائے کا پانی رکھ رہی تھی کہ آٹکٹن سے شانی کی آواز آنے لگی وہ بس ایک لحظہ کو ادھر متوجہ ہوئی۔ پھر سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

چائے بنا کر وہیں کھڑے کھڑے ناشتا کیا اس کے بعد وہی روزمرہ کے کام جھاڑ پونچھ، کپڑوں کی دھلائی ساتھ ساتھ دوپہر کے کھانے کی تیاری اور ٹھیک دو بجے یزدانی کا فون آگیا تو خود پر بہت جبر کر کے اس نے سیل کان سے لگایا تھا۔

”ہیلو۔۔۔!“

”کیسی ہیں آپ۔۔۔؟“ وہی ہمیشہ والا انداز تھا۔ اس نے بھی خود کو بشاش ظاہر کیا۔
”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”رات آپ نے فون کیا تھا؟“ وہ کسی طرح بھی اپنے لہجے کی بے چینی نہیں چھپا سکا۔ جس سے وہ سمجھ گئی کہ وہ صبح سے ہی ایک بات جاننے کو بے چین ہے پھر بھی سہولت سے جھوٹ بول گئی۔
”نہیں تو۔“

”میرے سیل پر آپ کا نمبر ہے اور ریسیو میں بھی جس کا مطلب ہے میں نے نیند میں بھی آپ کا فون ریسیو کیا تھا۔“ اس نے کہا تو وہ ہنس کر بولی۔
”اچھا لیکن میں نے تو آپ کو فون نہیں کیا۔ شاید نیند میں بٹن دب گیا ہو گا، بہر حال آئی ایم سوری کہ آپ ڈسٹرب ہوئے آئندہ میں موبائل سرہانے رکھ کر نہیں سوؤں گی۔“

”ارے یہ آپ کیسی غیروں جیسی باتیں کر رہی ہیں۔ افسوس تو مجھے ہو رہا ہے کہ میں اس وقت بیدار کیوں نہیں ہوا۔ رات کے اس پہر جب ساری دنیا سوئی ہے تب آپ سے باتیں کرنا کتنا اچھا لگتا ہے نا؟“ وہ اسے گرفت میں لے کر تصدیق چاہ رہا تھا۔

”ہوں۔۔۔!“ ہونٹ پیچھے ہوئے آپ ہی آپ ہوں کی آواز نکلی تھی اور وہ خوش ہو گیا۔
”آج میں خود آپ کو فون کروں گا رات کے اسی

پھر۔۔۔

”انہی باتیں سے۔۔۔ اس نے گہرے گریٹھ میں سر ڈال کر دیا اور اسے گلابی دستے سے گریٹھ سے اٹھانے شانی کو آتے کچھ کرنا کو وہیں سے اٹھ گئی۔
”یہ تم کیسا عجیب سا شخص ہے۔۔۔“
”چلا جاؤں؟“ وہ جملہ تھلاہٹیں دے کر گئی۔
”میرے کتنے سے چٹے چٹے۔۔۔“
”تم کہہ کر توں کہو۔۔۔“ وہ جملہ تھلاہٹیں دے کر گئی۔
جاتا تھا۔

”تو جاؤ اور آئندہ کبھی مت آنا۔“ اس نے شانی کو ایک سی جھٹ میں اس کے قریب آگیا۔

”اگر صرف جلاؤ کتنی تو اچھا چلا جاتا لیکن اس نے آنے والی بات تو میں مان ہی لیتی تھی۔۔۔“
”سے لگتا ہے میرا جملہ تھلاہٹیں دے کر گئی۔“

”مٹ آپ۔۔۔“ وہ سر جھٹک کر گئی۔
”آگئی اور جاتی تھی کہ۔۔۔“
”موبائل اٹھا کر اس میں مصروف ہو گئی۔“

”یزدانی کو فون کر رہی ہو؟“ وہ پیچھے آکر پوچھ گیا۔
”جی کو بھی کروں؟“ اس نے ایک دھچکا دی۔

”ہاں مجھے کیا میں نہ کروں؟“ وہ جملہ تھلاہٹیں دے کر گئی۔
اس کے آدھے پر۔۔۔“
”کیا مطلب۔۔۔“

”اتھان ختم ہو گئے ہیں۔ سوچ رہا ہوں۔۔۔“
”گلوں چلا جاؤں گی تو۔۔۔“ وہ جملہ تھلاہٹیں دے کر گئی۔
”سفارش کے اور میرے پاس سفارش بھی نہیں ہے۔“
”خواتین کو کوری کی تلاش میں خوار ہونے سے کیا یہ سہ نہیں ہے کہ میں الیا کے ساتھ کچھوں میں مل جاؤں؟“
”وہ اپنی بات پوری ہونے سے پہلے دھڑک کر بولنے کا موقع ہی نہیں دیتا تھا۔“

”بہت سترے اور یہ کلمہ تم نے پہلے ہی کیوں نہیں کر لیا ایم ایس سی کرنے کی کیا ضرورت تھی نا؟“
”تغیر کو جاننے کی سستی میں رک رک کر رہی تھی۔“
”تو ایم ایس سی میں نے آپ کے لیے تھوڑی سی بات

آنے والی نسل کے لیے کیا ہے۔" وہ فوراً بولا۔

"کیا مطلب۔؟" وہ بالکل نہیں سمجھی۔

"مطلب یہ کہ جب میرے ایم ایس سی ہاتھ مل جوتیں گے بیچ بومیں گے تو پھر اس اناج کو بیٹنے لوگ کھائیں گے۔ ان کے ہاں ایم ایس سی بچے پیدا ہوں گے۔ ہا ہا ہا!" وہ کہہ کر خود ہی زور زور سے ہنسنے لگا۔ جبکہ وہ ہنسی ضبط کیے اسے گھورے جا رہی تھی۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ وہ اب لگی بندھی روٹین سے اکتا کر کچھ نئے پن کی خاطر جاب کرنے کا سوچنے لگی تھی۔ اس کے لیے روز اخبار دیکھتی۔ ایک دو جگہ ایلائی بھی کر دیا اس کے بعد اماں کو بتایا تو وہ مخالفت کرنے لگیں۔

"کیا ضرورت ہے۔ کوئی کمی تھوڑی ہے اللہ کا شکر ہے سب پورا ہو جاتا ہے۔"

"پورا ہو جاتا ہے اور بھلے سے بیچ جاتا ہو۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں میں کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ پڑھا لکھا کچھ تو کام آئے۔" اس کے ناراض انداز پر اماں نرم بڑ کر بولیں۔

"تو بیٹا گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھاؤ۔"

"نہیں۔۔۔ یہ درد سہی ہے چند دنوں میں بچوں کے شور سے آپ بھی اکتا جائیں گی اور نرمین الگ ڈسٹرب ہوگی نہیں میں بس جاب کروں گی۔"

اس کی ضد دیکھتے ہوئے اماں خاموش ہو رہیں۔ شاید اس لیے کہ اس نے پہلے کبھی یوں ضد نہیں کی تھی۔



"میرے بیٹی ایم اے پاس ہے فر فر انگریزی بولتی ہے۔" اماں پر آنے والے رشتے کے سامنے اس کی یہ تعریف کرتی تھیں اور یہ تعریف اس کی یہاں کام آگئی کہ نہ صرف انٹرویو میں کامیاب ہوئی بلکہ اپائنٹمنٹ لیٹر لے کر گھر آئی تھی۔

"مجھے جاب مل گئی۔" اس نے آتے ہی بتایا تو اماں کے ساتھ بیٹھا شامی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں میں انگریز ہوں چھٹے۔ کیسے کسی کی سفارش لے کر گئی تھیں۔"

"مجھے کسی سفارش کی ضرورت نہیں۔ میں ایم اے انگلش فر فر انگریزی بولی سکتی ہوں اور آج کل کسی کو کچھ آتا ہو یا نہ آتا ہو انگریزی ضرور آتی ہے۔ جو تمہیں نہیں آتی۔ اس لیے تم جاب ڈھونڈنے سے کتر کر مل چلائے جا رہے ہو۔" وہ اسی کے انداز میں روائی سے بولتی علی گئی تھیں۔

"تو اس میں برائی کیا ہے؟"

"برائی مل چلائے میں نہیں تم میں ہے۔ تم کا کم ہمت ہو بغیر کوشش کیے بھاگ رہے ہو۔" اس کی نخوت پر وہ سلگ گیا۔

"تمہیں زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا اس لیے اتنا ہی ہو ذرا دھکے کھانے پڑتے تب ہوش ہو گئے آتے تمہارے اور تمہیں تو گری کسی قابلیت کی بات نہیں لی بس قسمت کی مہربانی سمجھو اور شکر کرو کہ میں تو قسمت مہربان ہوئی۔"

وہ اتنی بڑی چیٹ کر گیا تھا کہ اس کا سارا اظہار دھرا رہ گیا۔ کتنی برسرِ شانے میں اسے دیکھتی رہی پھر بھاگ کر اپنے کمرے میں آئی آسوا ایک تھوڑے سے ہنس لگے تھے۔

یہ شامی تھا جو ہر مقام پر اسے نہ صرف کامیابی کے احساس سے نکالتا بلکہ یہ یقین بھی دلاتا تھا کہ اس کے لیے ایک شہزاد آئے گا جو وہی اب قسمت کی ناممبانی کا طعنہ مار گیا تھا۔ اس کا دل چاہا اسے بے نقط سناے اور اس کے سارے پل کھول دے۔

دو غلا دھوکے باز میں ابھی اسے بتاتی ہوں اس نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑیں اور دھاڑ سے دروازہ کھولا تو آگے سر جھکائے کھڑا تھا۔

"سوری مجھے معاف کر دو انجانے میں کچھ غلط منہ سے نکل گیا۔" وہ ہونٹ بجھنے اسے دیکھ جا رہی تھی اونچا لبہا سر جھکائے نہ امت کا اظہار کر رہا تھا اور وہ اسے بے نقط سنانا چاہتی تھی بس اسی قدر کہہ سکی۔

"تم بہت برے ہو۔"

باتوں کی طرح اپنے اعمال کی طرح وہ بولتا گیا اور وہ ہنستی چلی گئی تھی۔



اسے پہلے تاریخ سے آفس جوائن کرنا تھا اور پہلی تاریخ میں صرف پانچ دن تھے۔ اس وقت دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر اس نے سوچا پہلے ہفتے کی میٹنگ کرے۔ اس خیال سے اس نے سوٹ منتخب کیے پھر استری کرنے کھڑی ہوئی تو شانی بھانک کر پوچھنے لگا۔

”تم سو تو نہیں رہیں؟“

”ہائیں! تم تو کل شام چھ بجے کی ٹرین سے جا رہے تھے۔“ وہ اسے دیکھ کر حیرت سے بولی تو وہ اندر آ گیا۔

”کیا تھا۔“

”پھر؟“

”راستے میں ٹریفک جام میں پھنس گیا اور جب اسٹیشن پہنچا تو ٹرین جا چکی تھی۔“ وہ بتاتا ہوا ڈھیلے ڈھالے انداز میں چیر پر بیٹھ گیا۔

”تو اب کیا کرو گے؟“

”ظاہر ہے نئے سرے سے بنگلہ کراؤں گا، بتاؤ کب کی کراؤں؟ اس نے پوچھا تو وہ اس فضول بات پر تپ کر بولی۔

”مجھے کیا پتا تمہیں جانا ہے تم جانو۔“

”یہ تم بات بے بات انگارے کیوں چبانے لگی ہو۔ پہلے تو ایسی نہ تھیں۔“ اس کے ٹوکنے پر اسے خود بھی احساس ہوا تو اندر ہی اندر نادام ہو کر بولی۔

”سوری تم باتیں بھی تو ایسی کرتے ہو بچوں جیسی۔“

”اب نہیں کروں گا۔“ وہ بالکل خاموش ہو گیا۔

جب اس نے ایک سوٹ استری کر لیا اور اسے ہینگر کرنے لگی تب اس پر نظر پڑی کچھ روٹھا روٹھا بیٹھا تھا۔

”ارے!“ وہ ہنس پڑی۔ ”ناراض ہو گئے کیا چلو میں یہ کام بعد میں کر لوں گی۔ اب بتاؤ کیا سیوا کروں تمہاری چائے پیو گے یا ٹھنڈا؟“

”میں اعتراف کرتا ہوں بس تم مجھے معاف کر دو دل سے۔ میں تمہاری ناراضی لے کر نہیں جانا چاہتا۔“ وہ اسی طرح سر جھکائے ہوئے بول رہا تھا۔

”تو تم واقعی جا رہے ہو۔۔۔؟ وہ بے اختیار پوچھ گئی۔

”ہاں شام چھ بجے کی ٹرین سے اصل میں میرے ابا چاہتے ہیں کہ میں ان ہی کے ساتھ کام کروں اور میں ابا کی خواہش رو نہیں کر سکتا۔“

”اچھی بات ہے جاؤ۔“ اس نے کہہ کر رخ موڑ لیا۔

”تم ناراض تو نہیں ہو؟“ وہ پھر معصوم بن کر پوچھ رہا تھا۔

”نہیں۔“

”تو منہ کیوں موڑ لیا میری طرف دیکھ کر بتاؤ نا مجھے یاد کرو گی؟“ وہ اتنی جلدی پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔

”اب جاب میں مصروف ہو کر مجھے کہاں کسی کو یاد کرنے کی فرصت ملے گی۔“ اس نے بے نیازی دکھائی۔

”اچھا اپنی شادی میں تو بلاؤ گی؟“ وہ ایک دم اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

”سوری اس انتظار میں مت رہنا کیونکہ میں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“ وہ بہت نارمل انداز میں بولی تھی۔

”کیوں کیا یزدانی پسند نہیں آیا لیکن تم اس سے ملیں کہاں؟ بغیر دیکھے بھالے رہ بجیکٹ کرنے کا مطلب؟“ وہ کچھ بوکھلا رہا تھا۔

”کوئی مطلب نہیں بس تم جاؤ۔“ اس نے کہا تو وہ زچ ہو گیا۔

”بڑی بے مروت ہو اتنے دنوں کا ساتھ ہے رخصت کرتے ہوئے دو آنسو ٹپکا دو گی تو قیامت تو نہیں آجائے گی“ میرادل رکھنے کی خاطر ہی رو دو۔“

”کیوں رو دوں جب مجھے تمہارے جانے کی خوشی ہو رہی ہے۔“ وہ اسے ستا کر محظوظ ہوئی۔

”تم بہت بد صورت ہو۔ اپنے لہجے کی طرح اپنی

”کچھ نہیں بس تم بیٹھ جاؤ۔“ وہ شاید اس ہو رہا تھا۔

”ہاں اب کو بلکہ یہ بتاؤ تم نے اپنے گھر والوں کو فون کر دیا کہ تمہاری ٹرین مس ہو گئی ہے؟“ اس نے سامنے بیٹھ کر پوچھا۔

”نہیں میں نے انہیں بتایا ہی نہیں تھا کہ میں آ رہا ہوں۔ سربراہوں نے چاہتا تھا۔ لیکن اب بنگلہ کرواتے ہی فون کروں گا تاکہ میری ماں میرے خیریت سے پہنچنے کی دعائیں مانگنا شروع کر دے۔“

”کون کون سے تمہارے گھر میں؟“ اس نے پوچھا پھر ہنس کر بولی۔ ”مختی عجیب بات ہے اب تک مجھے یہ ہی بتا نہیں ہے۔“

”مجھے سب بتا ہے تم تین بہنیں ہو ایک کی شادی ہو گئی ہے۔ باقی دو لڑکی ہیں۔“ وہ جیسے شروع ہوا تھا اس کے تیور دیکھ کر ایک دم خاموش بھی ہو گیا پھر کھنکھار کر کہنے لگا۔

”ہاں تم میرے گھر کا پوچھ رہی تھیں۔ میرے ماں باپ بھائی بھانج ان کے دو بچے اور ایک میری چھوٹی بہن ہے۔ انٹر کر چکی ہے۔ پچا زاد سے منسوب ہے۔ اب میں جاؤں گا تو ہو سکتا ہے جلدی اس کی شادی طے ہو جائے۔ بس اور کیا بتاؤں؟“

”اور تم۔ میرا مطلب ہے تمہاری چھوٹی بہن کی نسبت طے ہو چکی ہے اور تمہاری؟“ وہ سوالیہ نشان بن گئی۔

”میں اپنی مرضی سے کروں گا اور یہ جب میں میٹرک میں تھا تب ہی اپنی اماں سے کہہ دیا تھا کہ وہ میرے لیے کوئی لڑکی پسند کرنے کی غلطی نہ کریں اور شکر ہے ان سے یہ غلطی نہیں ہوئی۔“

وہ بڑھا چڑھا کر بات کرنے سے باز نہیں آتا تھا اور اسی سے وہ اکتا جاتی تھی۔ ابھی بمشکل خود کو ٹوکنے سے باز رکھا پھر پوچھنے لگی۔

”اور تمہارا گلوں کیسا ہے؟“

”میرے گلوں کو چھوڑو اب تم اپنی بات کرو۔“ اس نے کہا تو وہ کندھے اچکا کر بولی۔

”اپنی کیا بات کروں تم سب جانتے ہو۔“ یہ کہیں جانتا کہ تم نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا سوچ کر کیا ہے۔ ”اسے لگا جیسے اس نے یہی بات جاننے کے لیے جان بوجھ کر ٹرین مس کی ہے۔ جب ہی فوراً کچھ نہیں بولی۔

”بتاؤ نا!“ اس کے اصرار میں حد درجہ بے تابی تھی

”کوئی خاص وجہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ میرا حتمی فیصلہ ہے۔ میرا مطلب ہے اگر کوئی ایسا ملا جو میرے ساتھ فیئر ہو گا اور مجھ سے شادی بھی کرنا چاہتا ہو گا تو میں اس کے بارے میں ضرور سوچوں گی۔“ وہ اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے بول رہی تھی۔

”اور یزدانی؟ وہ کیا تمہارے ساتھ فیئر نہیں ہے؟“ وہ یوں دیکھ رہا تھا جیسے اسے اندر تک کھوج لینا چاہتا ہو۔

”پتا نہیں میں نے جاننے کی کوشش نہیں کی۔“ وہ یوں اٹھی جیسے بس ”اب ختم کرو یہ باتیں۔“ اور وہ سمجھ کر چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

”اچھا پھر خدا حافظ۔“

شالی چلا گیا اور اگلے دن سے ہی اماں کو اس کی کمی محسوس ہونے لگی۔ اسے بھی ہو سکتی تھی لیکن وہ آفس جوائن کر کے مصروف ہو گئی۔ صبح ابا کے ساتھ نکلتی البتہ واپسی میں اسے دیر ہو جاتی تھی کیونکہ اس کا آفس دور تھا۔ مغرب کے بعد گھر لوٹتی تو بس کھانا کھانے تک ہی اماں ابا اور زمین کے ساتھ بیٹھ سکتی اس کے بعد اگلے دن کی تیاری پھر سونے کی جلدی ہوتی تھی۔ یونیورسٹی کے بعد کافی وقت اس نے آرام طلبی میں گزارا تھا اس لیے اب نئی روٹین میں مشکل ہو رہی تھی ایک ہفتے میں چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ اس پر اماں کا ٹوکنا۔

”آتی سی شکل نکل آئی ہے۔ رنگ دیکھو اور کالا ہو گیا ہے۔ گھر میں تمہیں تو کچھ نظر تو آتی تھیں۔“

”اوہو اماں! بس کچھ دنوں کی بات ہے۔ عادی ہو جاؤں گی تو پھر ویسے ہی نظر آنے لگوں گی۔“

اس نے اماں کو تسلی دی اور خود اس کا بھی یہی خیال

”ہاں جلدی بتائیں میں اپنے گھر والوں کو کب بھیجوں۔“ یزدانی نے غلٹ ظاہر کی تو اس کا دل چاہا ابھی اسی وقت کہہ کر اسے مشکل میں ڈال دے لیکن پھر کچھ سوچ کر بولی تھی۔
”ابھی نہیں۔“

”کیوں؟“ وہ جیسے اطمینان سے ہو گیا تھا۔
”ابھی مجھے خود کو ٹولنا ہے۔ اس کے بعد کچھ کہہ سکوں گی۔“ اس نے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔
”اس میں کتنا وقت لگے گا؟“

”پتا نہیں سال“ مہینے یا ہو سکتا ہے اگلا ہی مجھے خود پر آشکار کر دے بہر حال آپ کتنا انتظار کر سکتے ہیں؟“ اس نے اچانک پوچھ لیا۔
”اگر زندگی ختم نہ ہو گئی تو سو سال۔“ اس کی بات پر وہ بے ساختہ بولی تھی۔
”بس صرف ایک صدی۔“

”جواب نہیں آپ کالا جواب کر رہی ہیں۔“
”شکریہ اور خدا حافظ۔“ اس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور بس کچھ دیر کو ہی اس کی باتوں اور تقریب سے کو دل پر محسوس کیا پھر یکدم متحضر ہو کر جھنجھلا نے لگی تھی۔

”بے وقوف سمجھتا ہے مجھے خود دنیا کا سب سے بڑا احمق ہے جو سمجھتا ہے کہ میں اس کے ہاتھوں بے وقوف بن رہی ہوں ہونہ!“ اس نے سر جھٹکا پھر زبردستی خود کو کام میں مصروف کر لیا۔

اس شام وہ گھر لوٹی تو شرمین آئی ہوئی تھی اور اماں کے ساتھ سر جوڑے جانے کیا راز و نیاز کر رہی تھی۔ اس نے ایک پل رک کر دیکھا پھر ان کے سر پر جا کر زور سے بولی۔

”غیبت ہو رہی ہے۔“
”ہائیں!“ اماں اچھل پڑیں ”تمیز نہیں ہے تمہیں۔“

”آج آفس چھوڑ آئی ہوں۔“ وہ ہنسی پھر شرمین سے پوچھنے لگی۔ ”تم کب آئیں؟“
”کچھ دیر ہوئی اور آج میں یہیں رہوں گی۔“

تھا کہ اتنے عرصے بعد گھر سے نکلنا ہوا ہے اس لیے وہ بوکھلائی ہوئی ہے۔ آہستہ آہستہ اس روئین میں سیٹ ہو جائے گی لیکن اس سے پہلے ہی وہ آکٹاہٹ کا شکار ہو گئی۔ اپنا آپ خالی خالی سا لگنے لگا۔ کچھ کھونے کا احساس تھایا پانے کی جستجوہ خود نہیں سمجھ پارہی تھی۔ آفس میں ہوتی تو گھر بھاگنے کو دل چاہتا اور نہ آکر جھنجھلائی۔ عجیب سی بے کلی بے چینی سے وہ پریشان ہو گئی تھی۔

”میں کیا چاہتی ہوں؟“ اس وقت ٹیبل پر بکھرے کاغذات میں اس کی نظریں جیسے خود کو تلاش کر رہی تھیں کہ یزدانی کا فون آگیا۔

”ہیلو۔“ اس کا لہجہ مر جھایا ہوا تھا۔
”کیسی ہیں آپ۔ اگر مصروف ہیں تو میں پھر فون کر لوں گا۔“ یزدانی نے غالباً ”اس کی بے توجہی محسوس کر کے کہا تھا۔

”نہیں کوئی خاص مصروفیت نہیں ہے۔“ وہ اب پہچان کر فوراً ”بولی تھی۔
”جاب کیسی جا رہی ہے؟“

”بس ٹھیک۔۔۔“
”لیکن آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے یا کوئی اور بات؟“ یزدانی کے ٹھیک اندازے پر وہ حیران ہوئی پھر سوچ کر بولی تھی۔

”میں اصل میں شانی کو مس کر رہی ہوں۔“
”شانی یہ کون ہے؟“ یزدانی نے فوراً ”پوچھا تو وہ اندر ہی اندر محفوظ ہوئی۔

”ہے ایک اسٹوڈنٹ لڑکا۔“
”اس اسٹوڈنٹ لڑکے سے آپ کا رشتہ یا تعلق پوچھ سکتا ہوں؟“ یزدانی کا ٹھٹھکنا وہ محسوس کر رہی تھی۔
”ابھی تو میں خود نہیں سمجھ پائی۔ وہ پاس تھا تو کوئی احساس نہیں تھا۔ دور چلا گیا ہے تو محسوس ہو رہا ہے۔“

”یہ تو بڑی خطرناک بات ہے۔ مجھے فوراً“ اگلا قدم اٹھانا پڑے گا۔“ یزدانی الرٹ ہو گیا تھا۔
”اگلا قدم؟“ وہ قصداً ”انجان بنی۔“

شرمین نے خوش ہو کر بتایا تو اماں کی موجودگی کے باعث اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور چیخ کرنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں آگئی۔

اگلے دن کیونکہ اتوار تھا اس لیے اسے شرمین کے ساتھ اطمینان سے بیٹھنے اور باتیں کرنے کا موقع مل گیا تھا اور تنہائی ملتے ہی اس نے پہلا سوال یہی کیا۔

”آج عدیل نے تمہیں رہنے کی اجازت کیسے دے دی؟“

”بس موڈ اچھا تھا۔ میں نے پوچھا تو مان گئے۔“ شرمین کے جواب سے وہ مطمئن نہیں ہوئی تھی لیکن ٹوکا بھی نہیں۔

”اور ہاں سوہنی!“ شرمین اچانک کچھ یاد آنے پر کہنے لگی۔ ”ایک دن عدیل خود ہی اپنے دوست یزدانی کی کوئی بات کر رہے تھے۔ لیکن وہ تو شادی شدہ ہے دو بچے بھی ہیں اور اس کی بیوی بھی ماشاء اللہ زندہ سلامت ہے۔“

”اچھا۔“ اسے ہنسی آگئی۔ ”اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے؟“

”مطلب یہ کہ وہ بال بچوں والا ہو کر تمہیں فون کیوں کر رہا ہے؟“

”پہلے یہ بتاؤ تم نے عدیل کو تو نہیں بتادیا۔“ وہ کچھ پریشان ہو گئی تھی۔

”نہیں پاگل تھوڑی ہوں میں۔ وہ تو خود ہی کوئی بات کر رہے تھے تو یزدانی کے نام پر میں ٹھکی تھی پھر اس کے بال بچوں کا سن کر تو میں اور پریشان ہو گئی کہ کہیں تم اس کے ساتھ سیریس نہ ہو جاؤ۔ ابھی بھی فون کرتا ہے؟“

”ہاں!“ اس نے صرف ہاں کہنے پر اکتفا کیا۔

”بس ختم کرو یہ سلسلہ۔ میں نے تمہیں اس کی اصلیت بتادی ہے اور تم بھی اس پر جتاؤ کہ اگر آئندہ اس نے تمہیں فون کیا تو تم اس کی بیوی کو بتا دو گی۔“ شرمین جذباتی ہو گئی تھی۔

”ہو سکتا ہے اس کی اپنی بیوی سے نہ بنتی ہو۔ بے چارہ مظلوم ہو۔“ اس نے جان بوجھ کر شرمین کو اکسایا

تھا۔

”اف بے چارے اس کا مطلب ہے اس نے تمہیں یہی داستان سنائی ہے کہ اس کی بیوی پاگل ہے بیمار ہے اس کا خیال نہیں رکھتی۔ خبردار سوہنی! تم نے اس کی باتوں پر یقین کیا تو۔ یہ موڈ لوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے ایسے ہی خود کو مظلوم ظاہر کرتے ہیں۔“ شرمین بھڑک اٹھی تھی اور دعا تنہائی سادگی سے بولی۔

”لیکن اس نے تو مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔“

”پھر تم نے کیسے کہا کہ اس کی اپنی بیوی سے نہیں بنتی۔“ شرمین اب بول کھلا گئی تھی۔

”میں نے تو یونہی خیال ظاہر کیا تھا۔ خیر چھوڑو کوئی اور بات کرو۔“ اس نے کہا لیکن شرمین کے اندر کھدک ہو رہی تھی۔

”تم اس کے ساتھ سیریس تو نہیں ہو؟“

”لو فو! میں کسی کے ساتھ سیریس نہیں ہوں۔“ وہ جھنجھلا گئی۔ ”اور تم خواہو تو پریشان مت ہو۔ یہ وہ یزدانی نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی۔“

”تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ میرا مطلب ہے وہ تمہیں پر پوز کیوں نہیں کر رہا؟“ شرمین کوئی فکر لاس نہ ہوئی۔

”پتا نہیں۔“ وہ ٹال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”چلو کھانا کھالیں پھر تمہاری شادی کی سوئی دیکھیں گے۔“

”ہاں اس میں یزدانی ہو گا۔ مجھے دکھانا۔“ شرمین نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ جاتے جاتے رک گئی۔

”مجھے کیا پتا کون ہے تمہارے میاں کا دوست ہے تم جانو۔ میں تو اپنے یزدانی کو جانتی ہوں۔“ اس نے یزدانی کے ساتھ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھینچ لگی تھی۔



سودی اپنے ساتھ نزلہ زکام کھاسی اور غلار کی

بھی لے آئی تھی اور گھر میں سب سے پہلے وہی لپیٹ میں آئی تھی۔ دو دن سے بستر میں پڑی تھی۔ اماں بے چاری گھر کے کاموں کے ساتھ اس کی تیمارداری بھی کر رہی تھیں جو اسے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ساتھ ہی اب یہ احساس بھی ہو رہا تھا کہ وہ تو آفس چلی جاتی ہے۔ پیچھے سارے کام اماں ہی کو کرنے پڑتے ہیں جبکہ ترمن کو صرف بڑھنے کی لگن تھی۔ اس کا ارادہ میڈیکل میں جانے کا تھا، جب ہی جی جان سے محنت کر رہی تھی۔ اماں بھی اسے گھریلو کاموں میں نہیں الجھاتی تھیں۔ بہر حال دو دن سے اماں کو پھر کی طرح گھومتے دیکھ کر اب وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسے جاب چھوڑ کر گھر میں رہنا چاہیے، پھر جیسے فیصلہ کر کے مہینے کے بقیہ دن شمار کر رہی تھی کہ اماں ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر اس کے پاس آگئیں۔

”شانی کا فون ہے تم سے بات کرے گا۔“

”یاد آگئی اسے۔“ وہ اٹھ بیٹھی اور فون سیٹ لے کر گود میں رکھ لیا۔

”وہ بے چارہ تو فون کرتا رہتا ہے، تم ہی گھر پر نہیں ہوتیں۔“ اماں کہتے ہوئے چلی گئیں تو اس نے ریسیور کان سے لگا لیا۔

”السلام علیکم۔“

”جیتی رہو، خوش رہو، اللہ چاند سا دوا دے پھر دو دھوں نہاؤ پوتوں پہلو۔“ وہ حسبِ عادت شروع ہو گیا تھا۔

”تم اپنی سناؤ، تمہیں مل گئی چاند سی دلہن؟“ اس نے پوچھا تو وہ فوراً بولا۔

”صرف دلہن کہو کیونکہ میں نے چاند سی کی شرط نہیں رکھی۔“

”حیرت ہے۔“

”چھوڑو حیرت ویرت کو۔ یہ بتاؤ مجھے یاد کرتی ہو؟“

وہ اسی لالباہی پن سے پوچھ رہا تھا، جب ہی اس نے منع کر دیا۔

”بالکل نہیں۔“

”مجھے تم سے یہی توقع تھی۔ خیر میں تمہیں بہت یاد

کرتا ہوں۔“ وہ پھر رولٹی سے شروع ہو گیا۔ ”پتا ہے، ہل چلاتے ہوئے جب میری گائے کیس اڑتی ہے تب تم مجھے بہت یاد آتی ہو۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا۔ تم مجھے گائے سے ملارہے ہو۔“ اس نے دانت پیسے۔

”نہیں، میری گائے بہت خوبصورت ہے۔ گوری چٹی، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، سنہری سینک اور پتا ہے میں نے اس کے پیٹ پر لال مندی سے اس کا نام لکھ دیا ہے سوہنی۔“

”شانی۔“ چچنے کے ساتھ ہی اسے کھانسی کا ایسا دورہ پڑا کہ وہ کھانستے کھانستے بے حال ہو گئی۔ ریسیور ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اماں پانی لے کر بھاگی آئیں اور گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

”یا اللہ۔“ دو گھونٹ لے کر اس نے گلاس اپنے ہاتھ میں لے لیا اور فون کی طرف اشارہ کر کے بول۔

”اسے ہٹائیں یہاں سے۔“

”بند ہو گیا کیا؟“ اماں نے سیٹ اٹھالی اور ریسیور کان سے لگا دیا تو اوھر سے وہ بول رہا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے سوہنی! تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟“

”وہ بات کر رہا ہے۔“ اماں نے ریسیور اسے دینا چاہا لیکن اس نے واپس دھکیل دیا۔

”مجھے نہیں کرنی بات۔“

”ہاں بیٹا! سوہنی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

اماں خود ہی اس سے بات کرتے ہوئے چلی گئیں تو وہ دوبارہ لیٹ گئی۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اسے فضول بولنے کی عادت ہے پھر بھی چڑ کر اسے برا بھلا کہنے لگی۔ کچھ دیر بعد اماں اس کے پاس آئیں اور اس کی پیٹھ سلاتے ہوئے شانی کی تعریف کرنے لگیں۔

”اچھا لڑکا ہے، وہاں جا کر بھی بھولا نہیں۔ ورنہ آج کل کون کسی کو یاد رکھتا ہے۔ وہ ہر نئے فون کر کے سب کی خیر خیریت معلوم کرتا ہے۔ مجھے تو اپنے بچوں کی طرح لگنے لگا تھا۔ پتا ہے ابھی کیا کہہ رہا تھا۔“

کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔ اسکرین پر یزدانی کا نام دیکھ کر اس نے لائن کاٹ دی اور پھر وقفے وقفے سے یہی ہوتا رہا۔ وہ فون کرتا، ادھر یہ لائن کاٹ دیتی۔ آخر تنگ آکر اس نے موبائل آف کر دیا تھا۔



پورے ایک ہفتے بعد وہ آفس آئی تھی۔ اس کی ٹیبل پر اتنا کام جمع ہو گیا تھا کہ دوپہر تک اسے سر کھجانے کی فرصت نہیں ملی۔ اس کے بعد بھی کام ختم نہیں ہوا۔ وہی تھک گئی کیونکہ بیماری سے اٹھی تھی اس لیے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا، جب ہی کچھ دیر کے لیے کام بند کر کے چائے منگوا کر پینے لگی اور ابھی چائے ختم نہیں ہوئی تھی کہ یزدانی کا فون آگیا۔ اس نے چائے کا آخری سپ لے کر موبائل اٹھالیا۔

”ہیلو!“

”کہاں ہیں آپ۔ کیا بات نہیں کرنا چاہتیں۔ پورا ہفتہ صبح شام آپ کا نمبر ملتا رہا ہوں۔ سیل کیوں آف کر رہا تھا؟“ یزدانی پہلی بار شکی ہو کر اتنی لمبی بات کر گیا تھا، جواب میں وہ سکون سے بولی۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔“

”اوہ۔۔۔ اب کیسی طبیعت ہے؟“ اس نے پوچھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر پھر شروع ہو گیا۔ ”آپ کو بتانا چاہیے تھا۔ پتا ہے میں کتنا پریشان رہا، اندیشوں میں گھر گیا تھا۔“

”کیسے اندیشے؟“ اس نے فوراً پوچھا۔

”جیسے محبت میں ہوتے ہیں۔“ یزدانی کا لہجہ گہمیر ہو گیا جس پر وہ جربز ہونے لگی۔ بولی کچھ نہیں تو قدرے رک کر وہ خود ہی کہنے لگا۔

”آپ نے بھی تو اس روز ڈرا دیا تھا۔ کسی اسٹوپڈ لڑکے کا ذکر کر کے۔ کیا نام بتایا تھا اس کا۔ ہاں شانی۔ میں یہی سوچتا رہا کہ کہیں شانی تو نہیں آگیا۔“

”آبھی جائے تو کیا۔ میرے لیے تو نہیں آئے گا۔“ وہ بے اختیار کہہ گئی تھی۔

”کیا؟“ وہ جانتی تھی اماں پوری بات بتا کر رہیں گی اس لیے ناچاہتے ہوئے بھی متوجہ ہو گئی۔

”کہہ رہا تھا اس کی بہن کی شادی ہے اور ہمیں ضرور جانا ہے۔ وہ خود لینے آئے گا۔“

”بس رہنے دیں۔“ اس نے سر جھٹکا۔

”نہ بیٹا! وہ اتنے خلوص سے کہہ رہا تھا پھر خود لینے آئے گا تو جانا ہی پڑے گا۔ اچھا ہے اسی بہانے اس کا گھر پار بہن سہن دیکھ آئیں گے۔“ اماں نے کہا تو وہ چونکی تھی۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“

”میں سوچ رہی ہوں لڑکا اچھا ہے، کیا پتا بات بن جائے زمین کی۔“

”زمین۔۔۔“ اس کا دل بیٹھنے لگا۔ آنکھیں اچانک خالی خالی ہو گئیں۔

”ہاں، زمین بھی تو بڑی ہو گئی ہے۔“ اماں اپنی دھن میں بولی تھیں پھر ایک دم احساس ہونے پر کہنے لگیں۔ ”لیکن اب میں پہلے تمہاری کروں گی۔ بے شک زمین کی وہاں بات ہو جائے لیکن اس کی شادی تمہارے بعد ہی کروں گی۔“

”چھوڑیں اماں! میری فکر چھوڑیں۔ مجھے نہیں کرنا شادی۔“ وہ بمشکل خود پر قابو پا کر بولی تو اماں نے ٹوک دیا۔

”نہ بیٹا! ایسی بات منہ سے مت نکالو۔ جب نصیب کھلتا ہے تو سب کام آنا، فنا ہو جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو گا۔“

”اچھا۔۔۔ ابھی تو آپ مجھے سونے دیں۔ کھانس کھانس کر سر میں درد ہونے لگا ہے۔“ اسے جھنجھلاہٹ ہو رہی تھی۔

”پہلے کچھ کھالو، ولیہ لاؤں؟“ اماں نے اٹھ کر پوچھا۔

”نہیں، ابھی بالکل دل نہیں چاہ رہا۔ اٹھوں گی تو کھالوں گی۔“

اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا اور جھری میں سے اماں کو جاتے دیکھنے لگی پھر کروش بدل کر سونا چاہتی تھی

”پھر میرا مطلب ہے کیا آپ چاہتی ہیں کہ وہ آپ کے لیے آئے؟“ یزدانی ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔
”میں کیا چاہتی ہوں کیا نہیں۔ اس بات کو چھوڑیں اور یہ بتائیں آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟“ وہ اچانک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گئی تھی۔

”ارے۔“ وہ ذرا سا ہنسا۔ ”آپ ابھی تک یہ نہیں سمجھ پائیں کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ میں آپ کو چاہتا ہوں صرف آپ کو اور ابھی تک پہلے مرحلے پر اس لیے اٹکا ہوا ہوں کہ آپ مزید پیش رفت کی اجازت نہیں دے رہیں۔ شاید آپ دو لکھتیوں میں سوار ہیں۔ فیصلہ نہیں کر پا رہیں کہ میرا ہاتھ تھا میں یا شانی کا۔ یہی بات ہے نا؟“

”نہیں۔ مجھے آپ دونوں میں سے کسی کا ہاتھ نہیں تھا مٹا۔ سمجھے آپ۔“ وہ غصے سے کہہ کر سیل آف کرنا چاہتی تھی کہ وہ بول پڑا۔

”ایک منٹ۔ میں تو سمجھ گیا لیکن آپ خود کو نہیں سمجھ پا رہیں یا قصداً جھٹلا رہی ہیں لیکن سچائی کبھی چھپی نہیں رہتی اور سچ یہ ہے کہ آپ شانی کو پسند کر لی ہیں اور چاہتی ہیں کہ وہ آپ کے لیے آئے۔“ یزدانی نے اپنی بات ختم کرتے ہی سلسلہ منقطع کر دیا پھر بھی وہ کتنی دیر تک سیل کان سے لگائے بیٹھی رہی پھر پیون کے آنے پر چونکی تھی۔ وہ خالی کپ لے کر جا رہا تھا۔ اس نے خونخوار نظروں سے سیل کو گھور کر دانت پیچھے

”شانے۔ شانی۔“

”میں شانی کو پسند کرتی ہوں۔ چاہتی ہوں کہ وہ میرے لیے آئے ہونہ۔“

اس نے تفر سے سر جھٹکا۔ اس کے بعد لاکھ چاہا کہ خود کو کام میں مصروف کر سکے لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ ہر جگہ ہر طرف ہر صفحے پر وہ ہنستا ہوا نظر آ رہا تھا تب وہ ٹوٹ گئی۔

”میں کیا کر رہی ہوں اب میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں نے تو زمین کا سوچ لیا ہے اور شاید یہ ٹھیک بھی ہے۔ میرا اس کا کیا جوڑ۔ وہ اچھی شکل و

صورت کا ہینڈ سم لڑکا ہے اور مجھ سے بھوڑا بھی۔“
”سال۔ سال سے کوئی فرق نہیں پڑتا مجھ کو۔ میں تو وہی بڑا لکڑا ہے۔ لیا چوڑا۔“ اس کے اندر کھدبہ ہونے لگی۔ وہ جتنا اس کی نفی کرتی اسی قدر وہ جلدی ہو رہا تھا۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ اس کے بعد پھر یزدانی کا فون نہیں آیا اور اسے انتظار بھی نہیں تھا کیونکہ وہ بہت پہلے اسے جان گئی تھی اور اب یہ بھی جان لیا تھا کہ یزدانی اس سے دامن بچانے کے بدلے ڈھونڈ رہا تھا جو اسے شانی کی صورت مل گیا تھا یا شاید اس کا مقصد ہی اسے شانی کا احساس دلانا تھا۔ یہ سرحال وہ اپنے آپ میں بڑا عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ اسی روز سے جب سے اس نے یزدانی کی اصلیت جان لی تھی۔ تب سے وہ اپنے آپ میں ہرٹ ہو رہی تھی اور اس دوران کتنی بار اس کا دل چلا کہ وہ اسے بتا دے کہ وہ اسے بے وقوف نہیں بنا سکتا لیکن پھر یہ سوچ کر وہ گئی کہ آخر وہ کہاں تک جاتا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے اور اب مقصد سمجھ میں آ رہا تھا تو وہ خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔ مگر لماں نے شانی کے ساتھ زمین کا نام نہ لیا ہوتا تب تو اس کے لیے اس حمارے کھیل کا ڈر اپ سین بے حد دلچسپ تھا لیکن اب اسے خاموش ہی رہنا تھا۔

اس شام وہ آفس سے لوٹی تو شرمین چلتے کیے سے آئی ہوئی تھی جو اس وقت چلنے کو تیار کھڑی تھی۔ اس سے گلے ملتے ہی کہنے لگی۔

”اچھا سوہنی! میں جا رہی ہوں۔“

”کیا مطلب۔ ابھی تو میں آئی ہوں۔“ اس نے کہا

تو شرمین ہنس کر بولی۔

”میں تو بہت دیر سے آئی ہوئی ہوں اور میں ابھی

ایک اور جگہ جانا ہے اس لیے رگ نہیں سکتی۔ اچھا

خدا حافظ۔“ شرمین عدیل کا اشارہ دیکھ کر جلدی سے

خدا حافظ کہہ کر چلی گئی تو وہ یونہی لماں کو دیکھنے لگی۔

”چلو منہ ہاتھ دھو لو۔“ لماں چلنے کیوں نظریں پڑا

کر چلا اپنی کھنکھناتے ہوئے سمجھ نہیں سکی لیکن اس کی

المطبعة الكائن في

[illegible]

میں نے انہی کے تئیں کسی ہوگا نہیں رکھنا
سودا ہو گئی ہے۔ عرصہ درشتہ واروں کو تو بھولو اگر
والوں کے ساتھ وہ گھڑی بیٹھے کی فرصت نہیں ہے
تتملار سے پارس۔ "اماں کہتے ہوئے اس کے پیڑ پر بیٹھا

میں نے ان کی باتوں کے

کچھ عرصے میں سے کما بھی رات کا کھانا
کھا کر چٹا لیکن اب وہی امرتوں پر تو وہ نہیں چڑھتا
سیلاب کی سرخسوں سے آگیا جاتی ہیں۔ خیر اپنے کو میں
تھکن دیتا ہوں۔ گاماں کچھ زیادہ بول رہی تھیں جب ہی
تھکنی اور ان کے پاس آگئی۔

قلب کو مٹا کر قتل کے نام لکھیں

پہلا نمبر کا شعر ہے ابھی وہ تمہارے لیے تلی
 تھی۔ اماں لبِ اصل رات کی طرف آئیں۔ دھمک
 رہی تھی حسیل کا چچا زار ہے۔ اثناءِ قدرِ مہا کھا اور
 ابھی پوست پر کلم کر رہا ہے۔ وہ چھوٹے بچے ہیں۔
 پوری دیر سے بچوں کی پیدائش پر انتقال کر گئی تھی۔ اگر

کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ ساتھ

جیسا کہ اوپر ہے، ان لوگوں کی زندگی بڑا نرم ہے تو رکھ لیں۔
 کتنے رہتے آتے "تو چاہے کیے بھی تھے" ترکی
 یہ صورت اللہ کم عمر چاہے پھر مزید انتظار میں تو
 تمہاری عمر ابید شکل چلتے کی۔ "اگر تری سے
 بھلتے لگی تھی۔"

[Faint handwritten notes, possibly bleed-through from the reverse side.]

[Faint handwritten notes or bleed-through from the reverse side of the page.]

الحمد لله الذي جعل القرآن الكريم
موسمًا من موسمي الدنيا والآخرة

مجلس شورای ملی

Figure 1

... ..

نور محمد عیسیٰ

کے لیے جو کہ اس کے لیے ہے

پاکستان کے لیے

...میں نے اپنے آپ کو

نہایت اعلیٰ اور عمدہ

لما أتتني

مکتبہ ضریحہ

اسی طرح آخری دو تہائی کی باتیں

میں ہوں اور اب آپ مجھے مٹی نہیں بنایا۔

اللہ کے آنسوؤں سے فوراً پھل کران کی رشتہ

کرنے لگی تھی۔

موجودہ بھی ہے آپ کو بتا دیا گیا ہے

جلدی مچانے کی ضرورت پس ہے اسی آپ۔

نوائے نواسیوں کی فوٹریں۔ محنتیوں۔

مکتبہ اسلامیہ

انصاف و عدل کے گاموں پر مل جل کر چلنے کی ضرورت ہے۔

آپ نے جو احادیث میں نقل کی ہیں وہ سب صحیح ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

5-10-19

”پھر میرا مطلب ہے کیا آپ چاہتی ہیں کہ وہ آپ کے لیے آئے؟“ یزدانی ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔
”میں کیا چاہتی ہوں کیا نہیں۔ اس بات کو چھوڑیں اور یہ بتائیں آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟“ وہ اچانک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گئی تھی۔

”ارے۔“ وہ ذرا سا ہنسا۔ ”آپ ابھی تک یہ نہیں سمجھ پائیں کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ میں آپ کو چاہتا ہوں صرف آپ کو اور ابھی تک پہلے مرحلے پر اس لیے اٹکا ہوا ہوں کہ آپ مزید پیش رفت کی اجازت نہیں دے رہیں۔ شاید آپ دو کشتیوں میں سوار ہیں۔ فیصلہ نہیں کر پا رہیں کہ میرا ہاتھ تھا میں یا شانی کا۔ یہی بات ہے نا؟“

”نہیں۔ مجھے آپ دونوں میں سے کسی کا ہاتھ نہیں تھا مٹا۔ سمجھے آپ۔“ وہ غصے سے کہہ کر سیل آف کرنا چاہتی تھی کہ وہ بول پڑا۔

”ایک منٹ۔ میں تو سمجھ گیا لیکن آپ خود کو نہیں سمجھ پارہیں یا قصداً جھٹلا رہی ہیں لیکن سچائی کبھی چھپی نہیں رہتی اور سچ یہ ہے کہ آپ شانی کو پسند کر رہی ہیں اور چاہتی ہیں کہ وہ آپ کے لیے آئے۔“ یزدانی نے اپنی بات ختم کرتے ہی سلسلہ منقطع کر دیا پھر بھی وہ کتنی دیر تک سیل کان سے لگائے بیٹھی رہی پھر پیون کے آنے پر چونکی تھی۔ وہ خالی کپ لے کر جا رہا تھا۔ اس نے خونخوار نظروں سے سیل کو گھور کر دانت پیسے۔

”شانے۔ شانی۔۔۔“

”میں شانی کو پسند کرتی ہوں۔ چاہتی ہوں کہ وہ میرے لیے آئے۔ ہونہ۔“

اس نے تنفر سے سر جھٹکا۔ اس کے بعد لاکھ چاہا کہ خود کو کام میں مصروف کر سکے لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ ہر جگہ ہر طرف ہر صفحے پر وہ ہنستا ہوا نظر آ رہا تھا تب وہ ٹوٹ گئی۔

”میں کیا کروں۔ اب میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اماں نے تو زمین کا سوچ لیا ہے اور شاید یہ ٹھیک بھی ہے۔ میرا اس کا کیا جوڑ۔ وہ اچھی شکل و

صورت کا ہینڈ سم لڑکا ہے اور مجھ سے چھوٹا بھی۔“
”سال دو سال سے کوئی فرق نہیں پڑتا پھر دیکھنے میں تو وہی بڑا لگتا ہے۔ لمبا چوڑا۔“ اس کے اندر کھدبہ ہونے لگی۔ وہ جتنا اس کی نفی کرتی اسی قدر وہ حاوی ہو رہا تھا۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ اس کے بعد پھر یزدانی کا فون نہیں آیا اور اسے انتظار بھی نہیں تھا کیونکہ وہ بہت پہلے اسے جان گئی تھی اور اب یہ بھی جان لیا تھا کہ یزدانی اس سے دامن بچانے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا جو اسے شانی کی صورت مل گیا تھا یا شاید اس کا مقصد ہی اسے شانی کا احساس دلانا تھا۔ بہر حال وہ اپنے آپ میں بڑا عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ اسی روز سے جب سے اس نے یزدانی کی اصلیت جانی تھی۔ تب سے وہ اپنے آپ میں ہرٹ ہو رہی تھی اور اس دوران کتنی بار اس کا دل چاہا کہ وہ اسے بتا دے کہ وہ اسے بے وقوف نہیں بنا سکتا لیکن پھر یہ سوچ کر رہ گئی کہ آخر وہ کہاں تک جاتا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے اور اب مقصد سمجھ میں آ رہا تھا تو وہ خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔ اگر اماں نے شانی کے ساتھ زمین کا نام نہ لیا ہوتا تب تو اس کے لیے اس سارے کھیل کا ڈراما سین بے حد دلچسپ تھا لیکن اب اسے خاموش ہی رہنا تھا۔

اس شام وہ آفس سے لوٹی تو شرمین جانے کپ سے آئی ہوئی تھی جو اس وقت جانے کو تیار کھڑی تھی۔ اس سے گلے ملتے ہی کہنے لگی۔

”اچھا سوہنی! میں جا رہی ہوں۔“

”کیا مطلب۔ ابھی تو میں آئی ہوں۔“ اس نے کہا تو شرمین ہنس کر بولی۔

”میں تو بہت دیر سے آئی ہوئی ہوں اور ہمیں ابھی ایک اور جگہ جانا ہے اس لیے رُک نہیں سکتی۔ اچھا خدا حافظ۔“ شرمین عدیل کا اشارہ دیکھ کر جلدی سے خدا حافظ کہہ کر چلی گئی تو وہ یونہی اماں کو دیکھنے لگی۔

”چلو منہ ہاتھ دھو لو۔“ اماں جانے کیوں نظریں چرا کر چل رہی تھیں وہ سمجھ نہیں سکی لیکن ابھتی ہوئی

اپنے کمرے میں آگئی۔

”پتا نہیں سب لوگ واقعی مشکوک حرکتیں کرنے لگے ہیں یا میں بہت وہمی ہو گئی ہوں۔“ وہ منہ دھونے سے کپڑے بدلنے تک ہی سوچتی رہی پھر کھانے کے دوران کھوجتی ہوئی نظروں سے اماں اور ابا کو دیکھا لیکن کچھ سمجھ نہیں پائی۔ البتہ یہ ضرور محسوس کیا کہ اماں خاصی عجلت میں تھیں اور اس عجلت سے جب وہ کھانے کے بعد اپنے کمرے میں آئی تو اس کے پیچھے چلی آئی تھیں۔

”اس نوکری نے تمہیں کسی جوگا نہیں رکھا۔ سب سے دور ہو گئی ہو۔ عزیز رشتہ داروں کو تو چھوڑو، گھر والوں کے ساتھ دو گھڑی بیٹھنے کی فرصت نہیں ہے تمہارے پاس۔“ اماں کہتے ہوئے اس کے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

”شرمین کب آئی تھی؟“ اس نے ان کی باتوں کے جواب میں قصداً کچھ نہیں کہا۔

”شام سے کچھ پہلے۔ میں نے کہا بھی رات کا کھانا کھا کر جانا لیکن اب بیابھی لڑکیوں پر تو زور نہیں چلتا۔ میاں کی مرضی سے آئی جاتی ہیں۔ خیر اپنے گھر میں خوش رہیں۔“ اماں کچھ زیادہ بول رہی تھیں جب ہی وہ ٹھٹکی اور ان کے پاس آ بیٹھی۔

”اپنے گھر میں تو خوش ہے نا شرمین!“

”ہاں اللہ کا شکر ہے۔ ابھی وہ تمہارے لیے آئی تھی۔“ اماں اب اصل بات کی طرف آئیں۔ ”کہہ رہی تھی عدیل کا چچا زاد ہے۔ ماشاء اللہ پرہا لکھا اور اچھی پوسٹ پر کام کر رہا ہے۔ دو چھوٹے بچے ہیں۔ پیوی دوسرے بچے کی پیدائش پر انتقال کر گئی تھی۔ اگر تم۔“

”میں۔“ وہ سناٹوں میں گھر گئی۔

”بیٹا! کنوارے لڑکوں کی ڈیمانڈز تم نے دیکھ لیں۔ کتنے رشتے آئے، خود چاہے کیسے بھی تھے، لڑکی خوبصورت اور کم عمر چاہیے پھر مزید انتظار میں تو تمہاری عمر اور نکل جائے گی۔“ اماں نرمی سے سمجھانے لگی تھیں۔

”یہ مت سمجھنا کہ ہم تمہیں بوجھ سمجھ کر اتار پھینکنا چاہتے ہیں بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ ہم ماں باپ ہمیشہ تو تمہارے سر نہیں بیٹھے رہیں گے۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ہمارے سامنے اپنے گھر کی ہو جاؤ گی تو ہم بھی قبر میں اطمینان سے جا سکیں گے۔“

”کیا واقعی مجھے رنڈوے دو بچوں کے باپ کے لیے باندھ کر آپ اطمینان سے ہو جائیں گی۔“ اس کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی جھین تھی۔

”تو بیٹا! جیسا تم چاہتی ہو ویسا میں کہاں سے لاؤں۔“ اماں نے کہا تو وہ بری طرح کھڑکی۔

”میں کچھ نہیں چاہتی۔ کب میں نے آپ سے کچھ چاہا۔ اپنی کم روئی اور کم نمبسی کا شکوہ میں نے آپ سے تو بھی نہیں کیا، جو آیا مجھے رنجیکٹ کر گیا۔ میں نے تو کسی کو رنجیکٹ نہیں کیا جو آپ سے کہہ رہی ہیں کہ جیسا میں چاہتی ہوں۔ میں کیسا بھی آئیں چاہتی۔ آپ اپنے اطمینان کے لیے مجھے سولی پر ہالے گا۔ سوچیں۔ چھوڑ دیں میری فکر۔“

”کیسے چھوڑ دوں۔ کیا تم میری اولاد نہیں ہو۔ تمہارے لیے تو میں سب سے زیادہ سوچتی ہوں۔“ اماں ابدیدہ ہو گئی تھیں۔

”کوئی ضرورت نہیں میں کوئی بچی نہیں ہوں۔ ایم اے پاس فر فر انگریزی بولنے والی آپ کی لائق فائق بیٹی ہوں اور اب آپ مجھے بیٹی نہیں بیٹا سمجھیں۔“ اماں کے آنسوؤں سے وہ فوراً پکھل کر ان کی دجولی کرنے لگی تھی۔

”اور یہ ابھی سے آپ کو مرنے کی کیا فکر ہو گئی۔ جلدی مچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی آپ نے نواسے نواسیوں کی خوشیاں دیکھنی ہیں۔“

”اللہ دکھائے۔“

”ضرور دکھائے گا اور ہاں اماں! وہ شانی نہیں آیا۔ آپ نے بتایا تھا وہ بسن کی شادی کا بلاوا دینے آئے والا تھا۔“ اس نے اماں کا دھیان بٹانے کی خاطر موضوع ہی بدل دیا۔

لیکن ٹھیک سے بات نہیں ہو سکی پھر انہوں نے تمہیں فون کرنے کو کہا تو میں نے کر دیا۔
 ”اماں کے کہنے سے۔ تمہیں کبھی خیال نہیں آتا میرا۔“ وہ اس کی بات سے بد دل ہو کر بولا۔
 ”آتا ہے۔“ اس نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

”بس جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی اور بات کرو۔“
 ”اور کیا بات؟“

”بزدالی کا بتاؤ معاملہ کہاں تک پہنچا۔ یا راجا جلدی کرو مجھے تمہاری شادی میں بھنگڑا ڈالنا ہے۔“ اس نے کہا تو وہ ہنس کر بولی۔

”اب صرف تمہارے بھنگڑے کی خاطر تو میں شادی نہیں کر سکتی۔“
 ”کیا مطلب؟“

”میں نے بزدالی کو ہمیشہ کے لیے خدا حافظ کہہ دیا ہے۔“ اس نے کہا تو وہ احتجاجاً چیخا۔
 ”کیوں کیوں؟“

”تم ہی نے تو کہا تھا کہ میں خود کو غیر اہم نہ سمجھوں اس لیے اب وہ میرے معیار پر پورا نہیں آتا۔“
 ”کس لحاظ سے۔“ وہ اپنے آپ خائف ہو گیا تھا۔
 ”ہر لحاظ سے۔ تعلیم، شکل و صورت، پر سنائی۔ کسی لحاظ سے بھی تو وہ اٹریکٹو نہیں ہے۔“ وہ اپنا سارا دھیان اس کی طرف رکھ کر بول رہی تھی۔

”تم۔۔۔ ملی ہو اس سے؟“ اس کی آواز مدھم ہو گئی تھی۔

”ہاں، وہ بہت اصرار کر رہا تھا پھر میں نے بھی سوچا کہ جو بھی فیصلہ کرنا ہے کر ڈالوں۔ پوں اس سے ملنے کے بعد میں نے منع کر دیا۔“ وہ روالی سے جھوٹ بول رہی تھی۔

”اچھا۔“ وہ الجھ کر بولا۔ ”مجھے یقین نہیں آیا۔“
 ”چلو جب تمہیں یقین آجائے تب بتا دینا پھر بات کریں گے۔ اللہ حافظ۔“ اس نے فون رکھ دیا اور اس کی کیفیت سوچتے ہوئے ہنسی تھی۔

”ہاں، آج دن میں اس کا فون آیا تھا۔ پر لائنوں میں ایسی گڑبڑ تھی کہ اس کی آواز سنائی ہی نہیں دے رہی تھی۔ پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے اپنے آنے کا بتا رہا ہو۔“ اماں نے بتا کر خیال بھی ظاہر کیا تو وہ پوچھنے لگی۔

”میں فون کر لوں اسے؟“
 ”کر لو، ہمیشہ وہی کرتا ہے۔“ اماں اٹھ کھڑی ہوئیں۔
 ”نمبر کیا ہے اس کا؟“

”وہیں ڈائری میں لکھا ہو گا۔“ اماں نے بتایا تو وہ ٹیلی فون سیٹ کے ساتھ ڈائری بھی لے کر واپس کمرے میں آگئی اور کچھ دیر سوچنے کے بعد اس کے نمبر ملائے تو دوسری طرف کسی لڑکی کی آواز تھی۔

”مجھے شانی سے بات کرنا ہے۔“ اس نے فوراً کہہ دیا۔

”آپ کون ہیں؟“ لڑکی خاصے سلجھے ہوئے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

”میں سوہنی ہوں۔“ اس نے بتایا تو ادھر وہ بہت مشتاق ہو گئی۔

”ہائے آپ سوہنی ہیں۔ بھائی آپ کا بہت ذکر کرتے ہیں۔ اور پتا ہے۔“ اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ جیسے اس سے ریسور چھینا گیا تھا پھر شانی کی آواز آئی۔

”ہیلو۔“
 ”کیسے ہو؟“ اس کی آواز میں آپ ہی آپ دھڑکنوں کی لے شامل ہو گئی تھی اور شانی کا وہی پرانا انداز تھا۔

”گاؤں کی آب و ہوا نے بہت اچھا اثر ڈالا ہے۔ بہت خوبصورت ہو گیا ہوں۔ دیکھو گی تو انگلیاں کاٹ ڈالو گی اپنی۔“

”اچھا۔“ وہ ذرا سا ہنسی۔
 ”مذاق نہیں کر رہا۔ خیر تم بتاؤ، آج کیسے میری یاد آگئی؟“ اس نے پوچھا تو وہ سہولت سے کہنے لگی۔
 ”وہ ابھی اماں نے بتایا کہ دن میں تمہارا فون آیا تھا۔“

بھی سکتی ہوں۔ اس کے بعد میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ تم انکار نہیں کرو گی۔" شرمین نے اسے اکسانے کی کوشش کی۔

"میں انکار کر چکی ہوں شرمین اور اب تم خواجواہ مجھ پر وقت ضائع کرنے کی بجائے اپنے جیٹھ جی کے لیے کوئی اور لڑکی دیکھو۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو شرمین جربز ہو کر بولی۔

"تم غلطی کر رہی ہو۔"

"اگر تم یہ اس لیے کہہ رہی ہو کہ میں معمولی شکل و صورت کی لڑکی ہوں اور مجھے کوئی اچھا رشتہ نہیں ملے گا تو نہ ملے۔ میں کسی ایرے غیرے کو بھی قبول نہیں کروں گی۔ سمجھیں تم۔" اس نے ضبط کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔

"وہ کوئی ایرے غیرے نہیں ہیں سوہنی! شرمین زچ ہوئی تھی۔"

"سنو۔ اگر تم پر عدیل یا اس کے گھر والوں کی طرف سے دباؤ ہے تو بتاؤ۔ میں خود عدیل سے بات کر سکتی ہوں۔" اس نے شرمین کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ نظرس چرا کر بولی۔

"نہیں، وہ کیوں دباؤ ڈالیں گے۔ میں نے خود ہی سوچا پھر عدیل سے کہہ دیا۔"

"تو اب یہ بھی کہہ دو کہ میں نے صاف منع کر دیا ہے۔" وہ شرمین کی مجبوری سمجھنے کے باوجود اپنی بات سے نہیں ہٹی۔

"تمہاری مرضی لیکن یہ سوچ لینا کہ کوئی آسمان سے اتر کر نہیں آئے گا۔" شرمین کہتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی اور وہ تاسف سے اس کے پیچھے دیکھنے لگی۔ اسے واقعی افسوس بلکہ دکھ ہو رہا تھا کہ اس کے اپنے ہی اسے غیر اہم سمجھ کر پھینک دینا چاہتے ہیں۔

"کیا صورت شکل ہی سب کچھ ہوتی ہے؟"

"کیا قسمیں بھی صورتیں دیکھ کر لکھی جاتی ہیں۔"

"نہیں، اگر ایسا ہوتا تو سب اچھی صورتوں والے

قسمت کے دھنی ہوتے۔"

"پتا نہیں دھن، دولت اور حسن کو ہی قسمت کیوں

چھنی کا دن تھا، ناشتے کے بعد اس نے واشنگ مشین لگائی اور گھر بھر کے کپڑوں کے علاوہ چادریں اور پردے بھی اتار لیے تھے۔ اماں منع کرتی رہ گئیں۔ ایک دن چھنی کا ملتا ہے آرام کر لو، لیکن وہ نہیں مانی کپڑوں کی دھلائی کے ساتھ ساتھ کچن بھی دیکھتی رہی تھی۔ یوں کھانا بھی وقت پر تیار ہو گیا۔ اس کے بعد وہ لمبی تان کر سو گئی تھی پھر شام سے کچھ پہلے شرمین نے اسے اٹھایا تو اس کے ہاتھ میں چائے دیکھ کر وہ فوراً اٹھ بیٹھی اور کپ لیتے ہوئے بولی۔

"یہ تم کس کام سے لگ گئیں؟"

"چائے بنانا تو کوئی کام نہیں ہے۔" شرمین نے بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

"رہو گی یا ہمیشہ کی طرح جلدی میں آئی ہو؟"

"جلدی میں تو نہیں آئی لیکن رہوں گی بھی نہیں۔ تم سناؤ آج بڑی دھلائیاں کر لیں۔ پردے وردے سب۔"

"ہاں، عید بھی تو آرہی ہے۔" اس نے کہہ کر چائے کا گھونٹ بھرا پھر شرمین کو گولگو کی حالت میں دیکھ کر خود ہی کہنے لگی۔ "تم پچھلی بار عدیل کے کسی رشتہ دار کا بیرون لائی تھیں۔ مجھے اماں نے بتایا تھا۔"

"پھر کیا سوچا تم نے؟" شرمین نے فوراً پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ میرا مطلب ہے سوچا تو وہاں جاتا ہے، جہاں کوئی گنجائش ہو اور میں نے تو اسی وقت اماں کو منع کر دیا تھا۔ کیا اماں نے تمہیں نہیں بتایا۔" وہ بہت سکون سے بول رہی تھی۔

"میں نے اماں سے نہیں پوچھا لیکن تم نے منع کیوں کیا؟" شرمین کو اس کا صاف جواب پسند نہیں آیا تھا۔

"کیونکہ مجھے کسی رنڈی سے شادی نہیں

کرنی۔" وہ اب بھی آرام سے تھی۔

"ایک یہی عیب ہے ان میں باقی ہر لحاظ سے بہت اچھے ہیں۔ تم ایسا کرو ایک بار انہیں دیکھ لو بلکہ میں ملوا

”جی شاید بتایا تو تھا۔“ وہ بالکل نہیں سمجھ پاری تھی کہ اسے کیا رویہ رکھنا چاہیے۔
”مزید کچھ جاننا چاہیں تو آپ براہ راست مجھ سے میرے بارے میں پوچھ سکتی ہیں۔“ اس نے کہا تو وہ جزبزی ہو کر بولی۔

”نہیں“ مجھے شرمین نے سب بتا دیا ہے۔“

”پھر کیا سوچا آپ نے۔“ وہ سوری شرمین کہہ رہی تھیں کہ آپ مجھ سے ملنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کر سکیں گی۔ تو میں کب تک امید رکھوں۔ آئی میں آپ کو سوچنے اور فیصلہ کرنے میں کتنا وقت لگے گا؟“
”زیادہ نہیں۔ میں شرمین کو بتا دوں گی۔“ اس نے اپنے اندر اٹھتے جوار بھالے پر بمشکل قابو پایا تھا۔

”اوکے۔ مجھے اجازت۔“ اس کا رُکلف انداز زیر کرنے والا تھا وہ بس دیکھتی رہ گئی۔ اس کے اٹھنے سے جانے تک اسے خبر ہی نہیں ہوئی۔ شرمین نے ٹھیک کہا تھا کہ ایک صرف رنڈوے ہونے کا عیب ہے باقی ہر لحاظ سے بہت اٹریکٹو ہیں پھر اسے یقین تھا کہ دیکھنے کے بعد وہ انکار نہیں کرے گی جب ہی اس کے منع کرنے کے باوجود بھی اس نے بلال کو بھیج دیا تھا۔

”عجیب پاگل لڑکی ہے۔“ وہ اچانک جھنجھلا گئی اور اسی وقت شرمین کو فون کر ڈالا پھر اس کی آواز سننے ہی بغیر سلام دعا کے شروع ہو گئی۔

”تم نے بہت غلط حرکت کی ہے شرمین! جب میں تمہارے جیٹھ کے لیے منع کر چکی تھی تو پھر تم نے ان سے غلط بیانی کیوں کی۔ یہ کیوں کہا کہ میں ان سے ملنے کے بعد فیصلہ کر سکتی ہوں۔ فیصلہ تو اسی وقت ہو گیا تھا۔“

”تو کیا بلال بھائی آئے تھے تمہارے پاس؟“
شرمین پر اس کے بگڑنے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ الٹا شوق سے پوچھا تو وہ اور جڑ گئی۔

”ہاں“ آئے تھے اور میں نے بے عزت کر کے بھگا دیا ہے انہیں۔“
”ہائے“ نہیں سوہنی! تم ایسا نہیں کر سکتیں۔“
شرمین ڈر گئی۔

سمجھ لیا گیا ہے۔ میں تو یہ سب نہیں چاہتی۔ مجھے تو محبت کی تمنا ہے، صرف محبت اور اماں شرمین اس میں بھی ڈنڈی مارنا چاہتی ہیں کہ میں اس رنڈوے سے شادی کر لوں جس کا دل پہلے ہی خالی ہو چکا ہے اور اگر نہیں تب بھی مرنے والی کی محبت اور یاد کو تو ضرور اس نے ایک کونے میں مقفل کر دیا ہو گا اور میں بقیہ ساری زندگی وہ قفل کھولنے میں گزار دوں۔ نہیں“ مجھے محبت نہیں ملتی نہ ملے۔ میں محبت کی جنگ نہیں لڑوں گی۔“
اس کا ذہن مسلسل ان ہی سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا جب ہی وہ کوئی کام نہیں کر پا رہی تھی۔ صبح اماں سے خواہ مخواہ الجھ پڑی تھی اور بغیر ناشتا کیے چلی آئی اور ابھی لنچ بریک میں جب اس کی کولیک نے بلایا تو اسے بھی منع کر دیا۔ حالانکہ بھوک لگ رہی تھی لیکن کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ عجیب سی جھنجھلاہٹ اور بے بسی کا شکار تھی۔ بڑی مشکل سے کچھ ضروری کا نمٹائے پھر دو تین روز کی چھٹی لینے کا سوچ کر اسی وقت درخواست لکھنے بیٹھ گئی لیکن یہ کام بھی ادھورا رہ گیا کہ کوئی نیمل کے قریب آکے کہہ رہا تھا۔

”ایکسیکوزمی۔ مجھے مس سوہنی سے ملنا ہے۔“

”جی۔“ اسے پوری گردن اونچی کرنا پڑی تھی۔

”آپ مس سوہنی؟“ اس نے تصدیق چاہی۔

”جی! وہ یہی سمجھی کوئی کلائنٹ ہے جب ہی بیٹھنے کا اشارہ بھی کیا۔“

”تھینک یو۔“ وہ بیٹھ گیا تب کہنے لگا۔ ”میرا نام بلال ہے۔ میں عدیل کا فرسٹ کزن ہوں اور آپ غالباً شرمین کی بہن۔“
”جی!“ وہ یکدم ٹھکی تھی۔

”مجھ سے شرمین نے کہا کہ میں آپ سے مل لوں۔“

اس نے یقیناً آپ کو میرے بارے میں بتایا ہو گا۔“

وہ اپنے انداز سے بے حد سلجھا ہوا اور مہذب لگ رہا تھا جب ہی وہ مشکل میں پڑ گئی کہ ایسے شخص کو چاہنے کے باوجود فوراً ”دو ٹوک جواب نہیں دیا جاسکتا تھا جبکہ شرمین پر اسے غصہ آ رہا تھا کہ اس کے منع کرنے کے باوجود اس نے اس شخص کو کیوں بھیجا۔“

”سیدل۔“ شانی نے بے پناہ حیرت کا اظہار کیا۔
”تمہیں اسٹاپ سے وین مل جاتی۔ خیر تم سناؤ۔
کیسے ہو کب آئے؟“ اتنی دور سیدل چلنے کے باعث
اس کے لہجے میں بھی جھٹکن اتر آئی تھی۔

”مجھے آئے تین چار دن ہو گئے ہیں۔ میں اصل
میں گاڑی لینے آیا تھا۔ آج ملی ہے تو رجسٹریشن وغیرہ
کروا کر اب تمہاری طرف جا رہا تھا۔ اچھا ہوا تم یہیں
مل گئیں۔ چلو پہلے تمہیں پر تکلف ریفرشمنٹ۔“
”تمہیں نہیں۔“ وہ فوراً بولی۔ ”بہت دیر ہو گئی
ہے۔ اماں پریشان ہو جاتی ہیں۔ بس سیدھے گھر
چلو۔“

”اماں کی پریشانی کا خیال ہے تو میں انہیں فون کر دیتا
ہوں۔“ اس نے موبائل نکال کر اس کے گھر کا نمبر ملا
دیا اور اس کی ایک نہیں سنی۔ اماں سے بات کرنے کے
بعد اسے دیکھ کر مسکرایا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔
”عجیب ہو تم۔“

”ہمیشہ تمہیں ہی لگ رہا ہے۔ کیا کروں بہت
کوشش کرتا ہوں تمہارے جیسا بن جاؤں لیکن۔“
اس نے کندھے اچکا کر بات پوری کی پھر کتنی دیر اس
کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد پوچھنے لگا۔

”سنو، تم بدل گئی ہو یا مجھے بدلی بدلی لگ رہی ہو؟“
”تمہیں کس لحاظ سے بدلی ہوئی لگ رہی ہوں؟“
وہ الٹا اس سے پوچھنے لگی۔

”اتنی سنجیدہ تو نہیں تھیں اور ابھی تو رنجیدہ بھی
لگ رہی ہو۔ کیا بات ہے؟“ اس نے بیک ویو مرر میں
اس پر سوالیہ نظر ڈالی۔

”میں نہ سنجیدہ ہوں نہ رنجیدہ۔ سارا دن آفس
میں مغز ماری کے بعد اب گھر جا کر ہی فریش ہو سکتی
ہوں لیکن تم جس رفتار سے گاڑی چلا رہے ہو تو شاید
صبح تک ہم گھر پہنچ سکیں۔“ اس نے کہا تو وہ اسپید بڑھا
کر چند منٹوں میں ایک ریسٹورنٹ کے سامنے آرکا۔
وہ بغیر کچھ کہے اتر کر اس کے ساتھ اندر آگئی کیونکہ
جانتی تھی کہ وہ اس کی ایک نہیں سنے گا۔ مینیور بھی
شانی نے اپنی مرضی سے نشان لگائے پھر اس کی طرف

”کر سکتی ہوں۔ اب اگر تم نے کوئی الٹی سیدھی
بات کی تو یہی کروں گی۔ سمجھیں تم۔“ اس نے فون پٹ
دیا۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے، اس دوران
شرمین دوبار آئی تھی لیکن اس سے بلال کا ذکر نہیں کیا
جس سے وہ مطمئن ہو گئی لیکن اماں مطمئن نہیں
تھیں بلکہ انہیں اس پر شدید غصہ تھا جو بات بے بات
ظاہر بھی ہو رہا تھا۔ نہ یہ خیال کرتیں کہ وہ آفس جا رہی
ہے نہ یہ احساس کہ وہ آفس سے تھکی ہاری آئی ہے۔
جو منہ میں آتا کہہ جاتیں۔ کسی کسی وقت اس کا پھوٹ
پھوٹ کر رونے کو دل چاہتا۔ اس وقت وہ بہت دل
برداشتہ ہو رہی تھی۔

”میں کیا کروں۔ اگر میری شادی نہیں ہو رہی تو
اس میں میرا کیا قصور اور شادی نہ ہونا کوئی گناہ، کوئی
جرم تو نہیں ہے۔ اماں زبردستی مجھے مجرم بنانے پر تلی
ہوئی ہیں۔ میں نہیں کروں گی شادی، کبھی نہیں۔“
وہ سوچتی ہوئی چلتی چلی جا رہی تھی۔ اسٹاپ کہیں
پچھے رہ گیا تھا۔ اسے پتا بھی نہیں چلا کہ وہ ہی ٹریفک کا
شور اس پر اثر انداز ہو رہا تھا اور نہ پر پھیلائی تاریکی کا
احساس تھا۔ بہت دل گرفتہ سی بس اپنے قدموں کے
آگے دیکھتے ہوئے چل رہی تھی کہ اچانک ایک گاڑی
نے اس کا راستہ روک لیا۔ وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی اور
گاڑی کے بجائے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

”ادھر ادھر میں ادھر ہوں۔“ اس آواز پر اس نے
ہونک کر دیکھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر شانی بیٹھا اسے
متوجہ کر رہا تھا۔ اس کے دیکھنے پر فوراً اس کے لیے
دروازہ کھول دیا لیکن وہ حیران کھڑی تھی۔

”بھئی میں ہی ہوں شانی، میرا بھوت نہیں ہے جو
ایسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہو۔ جلدی بیٹھو۔“
شانی نے اس کے سامنے ہاتھ لہرا کر کہا، تب بھی پہلے
اس نے اطراف کا جائزہ لیا پھر بیٹھ گئی۔

”کہاں جا رہی تھیں؟“ شانی نے گاڑی بڑھاتے
ہوئے پوچھا۔

”گھر۔“ وہ ابھی تک اپنی سوچوں کے زیر اثر تھی۔

متوجہ ہوا تب وہ پوچھنے لگی۔
 ”بھی مزید رکھو گے یا جلدی واپسی کا پروگرام ہے؟“
 ”کچھ دن رہوں گا۔ ایک دو اور کام ہیں۔ وہ کر کے
 جاؤں گا۔ دعا کرو میرے کام جلدی ہو جائیں۔“
 ”اللہ مالک ہے۔ ویسے تم گلوں میں کیسے رہتے
 ہو۔ میرا مطلب ہے کراچی جیسے شہر میں رہ کر اب وہاں
 تمہیں عجیب سا نہیں لگتا۔“ وہ اپنی ذات کو موضوع
 نہیں بننے دینا چاہتی تھی اس لیے بات یوں شروع
 کی۔

”نہیں۔ مجھے یہاں عجیب لگتا تھا۔ اتنی افراتفری
 کہ سانس لینا مشکل پھر کسی کو کسی کی پروا ہی نہیں
 سب اپنے آپ میں مگن۔ وہاں ایسا نہیں ہے سب
 ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ صبح گھر سے نکلو
 تو ہر دوسرے قدم پر کوئی نہ کوئی گلے ملتا ہے اور یہاں
 ہاتھ ملاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔“ آخر میں وہ ذرا سا ہنسا
 تھا۔

”بڑے شہروں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔“ وہ لاپرواہی
 سے بولی تھی۔

”ہاں سب کا اپنا مزاج ہے۔ تم اگر وہاں جاؤ تو شاید
 تمہیں وہاں اچھا نہ لگے۔“ اس نے کہا تب ہی ویٹر
 اس کا آرڈر لے کر آگیا تو اتنے لوازمات دیکھ کر وہ
 پریشان ہو گئی۔

”شانی! یہ اتنا کچھ کون کھائے گا؟“

”جتنا کھا سکے باقی پیک کروالیں گے۔ لو پہلے تو میری
 نئی گاڑی کی خوشی میں مٹھائی۔“ اس نے مٹھائی کی
 پلیٹ اس کے سامنے کی تو وہ چمچے سے منہ میں رکھ کر
 بولی۔

”مبارک ہو۔“ پھر بظاہر معصومیت سے پوچھنے
 لگی۔ ”گاڑی سے بھی مل چلاؤ گے؟“

”کیا کبھی سنا بھی ہے گاڑی سے مل چلانے کا۔“ وہ
 اچھلا۔

”نہیں اور میں نے تو یہ بھی نہیں سنا تھا کہ ایم ایس
 کی پاس باتھوں سے مل چلانے سے ایم ایس سی بچے
 پیدا ہوتے ہیں۔“ وہ کہہ کر ہنسنے لگی۔

”شکر، تم نہیں تو۔ ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا کوئی
 روگ پال لیا ہے تم نے اور اب بقیہ ساری زندگی
 تمہاری بڑی ہوئی شکل دیکھا پڑے گی۔“ اس نے
 گہری سانس کھینچ کر کہا تو اس کی دوسری بات پر وہ چونکی
 لیکن اس کا چہرہ بالکل سادہ تھا جیسے روائی میں کہہ گیا ہو۔
 تب وہ ٹائم دیکھ کر بولی۔

”چلو شانی، بہت دیر ہو گئی۔“

”اونہ۔ پہلے بتاؤ، تمہیں کیا پریشانی ہے۔“

تمہارے دل پر ذہن پر کیا بوجھ ہے۔ دیکھو جھٹاٹا
 مت۔“ وہ اس کی بات یکسر آن سنی کر کے بہت سنجیدگی
 سے اس کا محاسبہ کرنے لگا۔ ”ابھی سڑک کنارے تم
 یوں چل رہی تھیں جیسے دنیا سے دور چلی جانا چاہتی ہو
 اور ایسا تو تب ہوتا ہے جب دل کرچی کرچی ہو رہا ہو۔
 بتاؤ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔“

”کچھ نہیں، کچھ نہیں ہوا میرے ساتھ۔ پتا نہیں
 تمہیں ایسا کیوں لگا، ورنہ میرے دل اور ذہن پر کوئی
 بوجھ نہیں۔ ہاں البتہ ایک سوچ ضرور تھی۔ کہو تو
 بتاؤں؟“ اس کے برعکس وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر
 آخر میں مسکرائی بھی تھی۔

”بتاؤ۔“ وہ اندر سے جھنجھلایا تھا کہ وہ اس پر گرفت
 کرنے میں ناکام کیوں ہو جاتا ہے۔

”میں ایک پریوئل کے بارے میں سوچ رہی تھی۔
 شرمین کے سسرال سے آیا ہے۔“ اسے فوری طور پر
 یہی بات سوچھی اور وہ بے چین ہو گیا۔

”پھر کیا سوچا۔ آئی مین کس نتیجے پر پہنچی؟“

”شاید کسی نتیجے پر پہنچ جاتی لیکن درمیان میں تم
 آگئے۔ اب خدا کے لیے چلو، مجھے کل آفس بھی جانا
 ہے۔“ وہ پھر بات بدل گئی۔

”تو۔؟“

”تو جلدی سوؤں گی تو جلدی اٹھوں گی۔ اب میری
 یہی روٹین ہے۔“ وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تم چلو، میں یہ سب پیک کروا کے آتا ہوں۔“ وہ
 کچھ ناراضی سے بولا تو وہ جلدی آنے کا کہہ کر باہر نکل
 گئی۔

”تپ سے کچھ کہا اس نے۔“ اس کا دل ڈرنے لگا
جیسے سبک خرام جھولے میں آن گرا ہو۔

”براہ راست تو کچھ نہیں کہا۔ میں نے اس کی باتوں
سے اندازہ لگایا ہے کہ اس کے ماں باپ خاص اسی
مقصد سے آرہے ہیں۔ اب دیکھو کس کی قسمت کھلتی
ہے تمہاری یا زمین کی۔ اماں آرام سے قسمت کو
الزام دے کر خود بری الذمہ ہو گئی تھیں اور اس کے
لئے مزید ان کے سامنے کھڑے رہنا مشکل ہو گیا۔
نورا“ واش روم میں بند ہو گئی۔ پہلے کپڑے بدلے پھر
واش بیسن کا تیل پورا کھول دیا اور منہ پر چھپاکے مارنے
لگی۔ خود اسے پتا نہیں تھا کہ وہ رو رہی ہے آنسو پانی
کے ساتھ بہہ رہے تھے پھر دونوں ہاتھوں کی شہادت کی
انگلیوں سے چہرے کا پانی گرا آتی ہوئی واش روم سے نکلی
تو شانی پرے آرام وہ انداز میں بیٹھا تھا اسے دیکھتے ہی
کہنے لگا۔

”بڑی دغا باز ہو۔ مجھے ٹائم دے کر خود بھاگ
اٹھیں۔ پتا ہے میں آدھا گھنٹہ وہاں کھڑا رہا پھر آفس
جا کر معلوم کیا تو پتا چلا تم جا چکی ہو۔ میرا انتظار نہیں
کر سکتی تھیں۔“

”سوری۔ انتظار احمق لوگ کرتے ہیں۔“
”پھر تو میں دنیا کا سب سے بڑا احمق ٹھہرا۔“ وہ کہتے
ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

”کیوں؟“ اس نے بے اختیار اسے دیکھا تو وہ
چونک کر پوچھنے لگا۔
”تم رو رہی تھیں؟“

”نہیں۔“ اس نے کوشش سے خود کو نظریں
چرانے سے روکا تھا۔

”تمہاری آنکھیں لال ہو رہی ہیں۔“ شانی کو گئے
دونوں کی بات یاد آئی اور اسے بھی۔

”آنکھوں کی لالی صرف رونے کو تو ظاہر نہیں
کرتی۔ اچانک بہت زیادہ خوشی ملنے سے بھی
آنکھوں میں لالی اتر آتی ہے۔ ویسے ابھی میری
آنکھوں میں صابن چلا گیا تھا۔ اس نے آخر میں بات
از الی تو وہ اس پر نظریں جما کر بولا۔

پھر واپس کے راستے میں وہ اسے اپنے ہارے میں
تالے لگا۔

”کل چلانے والی بات میں نے مذاق میں کہی تھی۔
ویسے ہماری تھوڑی بہت زمین ہے جس پر سبزیاں
کاشت ہوئی ہیں اور مجھے کاشتکاری کا شوق بھی ہے
لیکن ہمارا اصل بزنس کھانا اور میڈیسن کا ہے۔ ہم
پورے ملک میں کھانا سپلائی کرتے ہیں اور
آئندہ دو تین سالوں میں ایکسپورٹ بھی کرنے لگیں
گے اور میرے فلاور کی میڈیسن فرم ہے۔ میں آج کل
وہیں کام کر رہا ہوں۔“

وہ تفصیل سے بتا رہا تھا اور ایک ہی بات نہیں کہی
جو وہ سننا چاہتی تھی۔



شانی نے اس سے کہا تھا کہ آج وہ اسے آفس سے
پک کر لے گا لیکن اس نے موقع ہی نہیں دیا اور وقت
سے پہلے گھر آگئی جس پر لالہ شانیل سے پوچھنے
لگیں۔

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“
”جی ہاں! آج کچھ زیادہ کام نہیں تھا اس لیے
جلدی آئی۔“ وہ لالہ کو اطمینان دلا کر اپنے کمرے میں
آگئی اور ابھی چھینچ کرنے کے لیے کپڑے نکالے تھے کہ
لالہ آکر کہنے لگیں۔

”سنو“ آج دن میں شانی آیا تھا۔ بتا رہا تھا ایک دوست
میں اس کے لالہ اب بھی آنے والے ہیں۔ تمہیں اس
نے کچھ بتایا کس سلسلے میں آرہے ہیں؟“
”نہیں۔“ اس نے مختصر جواب دیا تو لالہ سوچتے
ہوئے بولیں۔

”شاید رشتے کی بات کریں۔“
”لالہ! یونہی نہ کسی سے امید باندھ لیں۔ ہو سکتا
ہے جن کے ہاں وہ ٹھہرا ہے ان ہی کی کوئی لڑکی ہو۔“
اس نے دھیرج سے ٹوک کر کہا تو لالہ غمی میں سر ہلاتے
ہوئے بولیں۔

”نہیں مجھے شانی کا ارادہ اسی گھر کا لگ رہا ہے۔“

”سنو کیوں چھپاتی ہو خود کو۔ مجھے یزدانی نے سب بتا دیا ہے۔“
”یزدانی! وہ ہنسی۔“

”ہاں وہ میرے پاس آیا تھا۔ یہ بتانے کہ تم مجھے بہت پسند کرتی ہو اور تم نے میری وجہ سے ہی اسے رنجیکت کیا ہے کیونکہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔“
”تم۔۔۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کسی غیر مرئی طاقت نے اس کی قوت گویائی سلب کر لی تھی۔ البتہ آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے جس سے وہ بھی سمجھا کہ شدید غصے کے باعث بول نہیں پارہی۔“
”غصے میں تم۔۔۔ خیر چھوڑو یہ تعریف بعد میں۔ پہلے میں اپنی بات پوری کروں گا۔ ہاں تو مجھے یزدانی نے سب بتا دیا جب ہی تو میں بھاگا چلا آیا۔ یہ بتانے کہ میں بھی تمہیں پسند کرتا ہوں اور اب سے نہیں بہت پہلے سے کیونکہ میری نظروں میں تم دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی ہو۔ تمہارے دل کے شفاف آئینے نے تمہیں وہ حسن عطا کیا ہے جس سے شاید تم بھی بے خبر ہو۔ سن رہی ہو نا۔“

وہ سن رہی تھی اور اب قوت گویائی بھی لوٹ آئی تھی لیکن قصداً ”خاموش تھی اور وہ پھر گویا ہوا۔“
”تمہارے سامنے میں خود کو بونا محسوس کرتا ہوں لیکن میری محبت بونی نہیں ہے۔ ہزار بار رنگ ہیں اس میں اور صرف تمہارے لیے۔ یقین نہ آئے تو میرے اندر جھانک کر دیکھو۔ دل کے ہر کونے ہر راہداری میں تمہیں اپنی پکار سنائی دے گی۔ اس سے زیادہ میں اور کیا کہوں۔“

”کچھ نہیں۔“ وہ دھیرے سے بولی۔
”لیکن تم ضرور کچھ کہو۔“ وہ بے تاب ہوا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر بے بسی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔

”نہیں شانی! میں شاید نہ کہہ سکوں یا شاید تم نہ سمجھ سکو۔ بس اتنا سن لو کہ میں اس بات سے خوش ہوں کہ مجھے محبت کی جنگ نہیں لڑنا پڑی۔“
”کیا مطلب۔“ اس نے پوچھا تو وہ یوں مسکرائی

جیسے تم سدا کے کوڑھ مغز ہو اور وہ سمجھ کر بھنبھلایا۔
”صاف لفظوں میں نہیں کہہ سکتیں کہ تم میری محبت پر ایمان لے آئی ہو اور وہ تو تمہیں لانا ہی تھا کیونکہ اس ساری دنیا میں تمہیں چاہنے والا ایک صرف میں ہی ہوں۔ دو سرا کوئی پیدا نہیں ہوا اور اگر ہوتا تو میں۔۔۔“

”بس۔“ اس نے اسے کمرے سے باہر دھکیل کر دروازہ بند کر لیا پھر اپنا موبائل اٹھا کر کھڑکی کے پاس آکھڑی ہوئی اور پہلے جھانک کر اسے دیکھا وہ برآمدے میں کھڑی اماں سے جانے کیا کہہ رہا تھا۔ عادت کے مطابق نان اسٹاپ بولے جا رہا تھا تب اسے خاموش کرانے کے لیے اس نے اپنے موبائل پر یزدانی کا نمبر پیش کر دیا اور اگلے پل اسے بوکھلا کر باہر بھاگتے دیکھ کر بے ساختہ ہنسی پھر موبائل کان سے لگا کر بولی۔

”تھینک یو یزدانی! آپ کی وجہ سے میں نے اپنی محبت پالی۔ وہ اسٹوپڈ لڑکا آگیا ہے میرے لیے۔“
اس کے ساتھ ہی اس نے سیل آف کر دیا اور مسکرانے لگی۔ اس کی مسکراہٹ اس بات کی غماز تھی کہ وہ اسے کبھی نہیں بتائے گی کہ ایک رات جب اس نے یزدانی کو فون کیا تھا تو اوہ روہ نیند میں بولا تھا۔

”کون ہے یار صبح بات کرتا۔“ اور اچھا ہوا وہ نیند میں تھا جب ہی تو وہ پہچان گئی تھی کہ وہ شانی ہے جو غالباً اس کے دل کا احوال جاننے کے لیے یزدانی کا روپ دھار لیتا ہے اور ابھی جب اس نے یزدانی کا نمبر ہنسنے کیا تھا تو اس کی جیب میں موبائل بجنے لگا تھا جب ہی وہ بوکھلا کر باہر بھاگا تھا کہ کہیں وہ سن نہ لے اور اس نے سنا تو نہیں بس کہہ دیا جو کہنا تھا۔

